[illegible]

الدّین الخالص

افادات

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

مرتبہ

حافظ عبدالرزاق ایم اے

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال

مطبوعہ عام پریس خیبر بازار پشاور

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ

الدین الخالص

افادات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

مرتبہ

حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال

★ بار ـــــــــــــــــــ اوّل
★ تعداد ـــــــــــــــــــ ایک ہزار
★ ہدیہ بلا جلد ـــــــــــــــــــ
★ ہدیہ مجلّد ـــــــــــــــــــ
★ ہدیہ جلد پلاسٹک ـــــــــــــــــــ
★ فوٹو آفسٹ ـــــــــــــــــــ
★ مطبوعہ ـــــــــــــــــــ منظور عام پریس پشاور
★ کتابت ـــــــــــــــــــ ریاض احمد تبسّم ادارہ فروغ کتابت لاہور

ـــ ناشر ـــ

ادارہ نقشبندیہ، اویسیہ چکوال

ـــ سول ایجنٹ ـــ

مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

فہرست مضامین

تعارف

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کا بنیادی دستور خدا کی آخری کتاب قرآن مجید ہے اور اسکی مستند تفسیر اور اسکی عملی تعبیر قرآن پیش کرنے والے کے اقوال، افعال اور اسکی پسند و ناپسند کے بیان کا ذخیرہ احادیث ہے۔ اور اس بنیاد پر جو عملی زندگی استوار ہوئی اس کا کامل نمونہ وہ معاشرہ ہے جو نبی آخر الزمان ؐ نے اپنی تئیس ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں تیار کر کے آنیوالے ادوار کے لئے روشنی کا مینار بنا کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور حضور اکرم ؐ کے اس تربیت یافتہ معاشرہ کے متعلق خدائے علیم و خبیر نے ناقابل تغیر اور ناقابل ترمیم اعلان فرما دیا کہ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اس اعلان کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام کے ضابطۂ حیات کا کامل مستند اور عملی نمونہ وہی ہے جو خدا کے آخری رسول کے تربیت یافتہ معاشرہ نے تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا

اسلام کو جب بھی ایک نرا فلسفہ تصوّر کر کے خدا کی کتاب کو اپنی تاویلات کا تختۂ مشق بنایا گیا تو خیالات و افکار کا ایک وسیع میدان چشم تماشا کے سامنے آ گیا، مگر اس میدان میں ایسے ایسے اور اتنے جھاڑ جھنکار

آگے کہ قدم قدم پر مسافر کا دامن ان کانٹوں سے الجھ کر رہ گیا۔ اور منزل آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

اس کتاب میں کتاب الٰہی کے بعض حصوں کی مستند علمی اور عملی تفسیر پیش کر کے خالص دین کی وہ صورت پیش کی گئی ہے جسمیں کسی غل وغش کی گنجائش نہیں رہنے دیگئی۔

قاعدہ ہے کہ نور اور روشنی کا بیان ہو تو تاریکی اور ظلمت کا ذکر ضمناً آہی جاتا ہے۔ جب کسی شاہراہ کی نشاندہی کی جائے تو دائیں بائیں پھوٹنے والی پگڈنڈیوں سے آگاہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ جہاں کوئی راہرو شاہراہ سے غلط سمت مڑنے لگے تو وہاں خطرے کا نشان نصب کر دیا جاتا ہے مگر اس سارے عمل میں انسانیت کی خیر خواہی کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اسلئے کیا جاتا ہے کہ ہادیٔ برحق کا ارشاد ہے الدین النصیحۃ یعنی اصل دین تو نام ہی دوسروں کی خیر خواہی ہے۔ لہٰذا اس کتاب میں یہاں وہاں ایسے خطرناک موڑوں کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں سے انسانیت کا قافلہ غلط سمت کو مڑتا رہا۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان جب بھی کوئی غلط روش اختیار کرے اسکی بنیاد بدنیتی ہی ہو، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان نہایت بھولے پن سے کسی غلط راستے کو اصل شاہراہ ہی سمجھ لیتا ہے۔ لیکن انسان جانتے بوجھتے ہوئے یا بھولے پن سے زہر کی پڑیا نگل لے تو نتیجہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوتا ہے۔ اسلئے جب کوئی جاننے والا شخص زہر کی شیشی پر "POISON" کا لیبل لگا دے تو اس کا احسانمند ہونا شرف آدمیت ہے، اللہ تعالٰی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اگر کوئی لغزش ہو گئی ہو تو معاف فرمائے اور برادرانِ اسلام کو حق شناسی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(مرتب)

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء
والمرسلین وعلی اصحابہ وازواجہ وذریتہ واھل بیتہ اجمعین
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس رسالہ کے لکھنے کا محرک روحانی طور پر فقیر کے قلب پر اس حقیقت کا ورود ہے جس سے اس امر کی طرف متوجہ کیا گیا کہ ایک رسالہ لکھوں۔

(۱) جس میں مذہب اہل سنت والجماعت کی حقانیت کو قرآن کریم کی ظاہر نصوص قطعیہ سے ثابت کروں۔

(۲) اور جو مسئلہ بیان کیا جائے وہ آیت قرآنی کا مدلول مطابقی ہو۔

(۳) اس مدلول پر آیت قرآنی دال ہونے میں کسی حدیث کی محتاج نہ ہو کیونکہ آیت قرآنی اگر اس مدلول پر دلالت کرنے میں محتاج حدیث ہو گی تو وہ مدلول ظنی ہو جائے گا۔

(۴) استدلال تو ظاہر قرآن سے ہو گا ہاں جو حدیث آیت قرآنی کی مؤید ہو گی۔ اس کی تائید میں ضرور پیش کی جائے گی۔ استدلال مدعا آیت سے ہی ہو گا۔

یہ محرک بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام کے ماخذ دو ہیں۔ قرآن اور سنت جس کی تفصیل ذخیرۂ احادیث میں ہی ملتی ہے۔ مگر روایات کے متعلق اہل السنت اور شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ یہ قطعی نہیں۔ بلکہ ظنی ہیں۔ بغیر متواترات کے۔ حتیٰ کہ اہل السنت کے نزدیک حدیث کی معتبر ترین کتاب بخاری شریف ہے۔ اہل سنت اور شیعہ کے نزدیک اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی فریقین کی کتب امہات حدیث کا انکار کر دے تو صرف اس بنا پر اس کی تکفیر کا فتویٰ نہیں دیتے۔ مگر قرآن کریم دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ گو شیعہ نے اس اطلاق میں ایک قید لگا کر اسے مشکوک اور محرف تسلیم کیا ہے۔ مگر اس کے سوا چارہ نہیں کہ استدلال کے لئے اس قرآن کو

چھوڑ کر کسی اور قرآن کا رخ کریں اس لئے ضروری ہے کہ اسی متفق علیہ معیار پر اہل السنت کے مذہب کو پرکھا جائے۔ اور قرآن کریم کی ظاہر نصوص قطعیہ سے مذہب اہل السنت کی حقانیت ثابت کی جائے۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ شیعہ علماء کا طریقہ ہے بلکہ عادت ہے کہ وعظ و مناظرہ میں آیت قرآنی کی تلاوت تو کر دیتے ہیں یا کوئی تصنیف ہو تو لکھ دیتے ہیں۔ مگر استدلال کسی موضوع یا ضعیف حدیث سے کرتے ہیں۔ میں نے اپنی پوری مناظرانہ زندگی میں دیکھا ہے کہ یہ حضرات اپنا کوئی مسئلہ ظاہر نصوص سے ثابت نہیں کر سکتے جب تک کسی موضوع یا ضعیف حدیث کا سہارا نہ لیں۔ اس بناء پر یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذہب اہل السنت کی حقانیت ظاہر نصوص قطعیہ سے ثابت کی جائے۔ تاکہ اس سلسلے میں کسی قسم کے شک و شبہ یا تردد کی گنجائش نہ رہنے پائے۔

قرآن مجید کو مذہب کی حقانیت کی بنیاد قرار دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ خود قرآن مجید کو منزل من اللہ محفوظ غیر متبدل اور کامل تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر یہ عقیدہ بعض کے نزدیک بجائے خود قابل غور ہے۔ کیونکہ نزول قرآن کا زمانہ ہم سے صدیوں پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا ہم تاریخی پس منظر میں اس حقیقت کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان فرمایا اور نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ منظر دیکھنے والے تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اول مشرکین عرب۔ جو اپنی جہالت۔ بت پرستی۔ شرک اور جاہلی عصبیت کی بنا پر یہ منظر بھی دیکھنا گوارا نہ کر سکے اور حضورؐ کی جان لینے کی فکر میں رہے۔ اور آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ لوگ اسلام اور قرآن کے متعلق حق و انصاف کی کوئی بات کہہ سکیں۔ دوم اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ یہ لوگ اس منظر کے منتظر تھے مگر ان کی توقعات کے برعکس جب بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کے چکر میں پھنسے تو یہ نسلی عصبیت انہیں حق کے قبول کرنے اور حق کا اظہار کرنے میں رکاوٹ بن گئی۔ چنانچہ انہوں نے دین اسلام اور قرآن کے متعلق جو زہر پھیلایا اس کے نمونے آج بھی مستشرقین کی تصانیف

میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا اس گروہ سے بھی حق و انصاف کی توقع رکھنا عبث ہے۔

تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضورؐ کی دعوت قبول کی، حق کو قبول کیا۔ اور حق کی خاطر ان سب چیزوں کی قربانی پیش کر کے دکھا دی۔ جو انسان کو کسی درجے میں عزیز اور محبوب ہو سکتی ہیں۔ اور یہ مہاجرین و انصار کی جماعت تھی۔ یہ لوگ قرآن مجید کے نزول اس کی تدوین اس کی حفاظت کے عینی شاہد ہیں اور شاہد عادل ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضورؐ کے دعوائے نبوت اور قرآن مجید کو کامل اور محفوظ کتاب اللہ العزیز تسلیم کرنے کے لئے لازمی ہے کہ صحابہ کرام کو صادق، ایماندار، امین اور خادم اسلام تسلیم کیا جائے۔ اور اگر ان چشم دید گواہوں کو معاذ اللہ جھوٹے یا مجروح تسلیم کیا جائے تو نبوت اور قرآن پر ایمان لانے کے لئے کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی۔ جس دعوے کے عینی شاہد ہی جھوٹے ہوں وہ دعویٰ کب ثابت ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام لسان نبوت ہیں۔ ان کے مجروح ہونے سے نبوت کی زبان کٹ جاتی ہے اور نبوت بیان کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے حضور اکرمؐ نے صحابہ کرام کو نجوم ہدایت قرار دیا ہے۔

اس لئے اہل السنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضورؐ کے براہ راست شاگرد صحابہ کرام حقیقی مومن، صادق القول، امین اور اسلام کے سچے خادم اور حضورؐ کے جانثار غلام تھے۔ اگر اس واسطے کو درمیان سے ہٹا دیں تو دلائل نبوت گئے، تعلیمات نبوت غائب، معجزاتِ نبوت محض افسانہ بن جائیں گے۔

اس مقام پر بعض حضرات کی طرف سے اس عقدے کا ایک حل پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے تین چار ساتھی موقعہ کے گواہ موجود ہیں اور حضرت علیؓ تو امام معصوم ہیں لہٰذا یہی ایک گواہ کافی ہیں۔

یہ حل بظاہر بڑا خوش آئند معلوم ہوتا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ان حضرات نے ہی ایک اور پہلو سے اسے پیچیدہ بنا دیا ہے وہ یوں کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضورؐ ابھی اس دنیا سے رخصت ہوتے ہی صحابہ کرام کی جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک طرف ایک لاکھ اور کئی ہزار کی تعداد تھی۔ جو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہ معاذ اللہ، مرتد ہو گئے، اور نفاق کے

پردے میں اسلام سے وابستہ رہے۔ اور دوسری طرف حضرت علیؓ، مقداد، سلمانؓ، ابوذرؓ، رہ گئے جو اسلام کے سچے وفادار رہے مگر کمزور ہونے کی وجہ سے اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے۔ اور تقیہ کی آڑ میں عمریں گزار دیں۔ حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے ۲۴ برس تک ان حضرات کے پیچھے پابندی سے نماز پڑھی ان کی بیعت کی۔ جن کے متعلق یہ حضرات کہتے ہیں کہ وہ منافق تھے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ گو صحابہ دو حصوں میں بٹ تو گئے مگر دونوں گروہ جھوٹے تھے۔ ہاں ایک گروہ کے جھوٹ کا نام نفاق ہے دوسرے گروہ کے جھوٹ کے نام تقیہ ہے۔ اصل بات کو چھوڑیے کہ اس عقیدہ سے نبی کریم کی توہین کسقدر ہوتی ہے۔ اس حقیقت پر غور کیجئے۔ کہ جب حضرت علیؓ عمر بھر اپنے دین کے بارے میں ڈر کے مارے کوئی سچی بات زبان سے نہ نکال سکے، تو قرآن مجید کے متعلق ان کی شہادت کا وزن کیا رہا۔ اور اس کی قدر و قیمت کیا باقی رہی۔ خلاصہ یہ کہ دین نقل ہے اور نقل کی صداقت موقوف ہے۔ منقول عنہ کی صداقت پر۔ اگر منقول عنہ جھوٹا نا قابلِ اعتبار تو نقل جھوٹ محض اور نا قابلِ التفات اس لئے اگر صحابہ کرام جھوٹے تو جو دین ان سے نقل ہو کے آیا وہ بھی جھوٹا ثابت ہوا۔ اس بنار پر اہل السنت صحابہ کرام کی محبت اور اقتدار کو دین کی بنیاد سمجھتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور اثر آفرینی اور صحابہ کرام کی قلب ماہیت اور اثر پذیری کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب میں فرمایا کہ :-

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناً ۔ اور

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ
القلب لانفضوا من حولک ۔

اور ایک عارف نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا !
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا !!
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

صحابہ کرام کی سیرت و کردار میں جو تبدیلی آئی، بلکہ جو انقلاب آیا۔ اس کا اثر زندگی کے ہر شعبے پر پڑا عقائد، عبادات، معاملات اخلاق غرض زندگی کے ہر پہلو میں ایسی خوشگوار اور معیاری تبدیلی آئی کہ یہ لوگ تہذیب و تمدن میں بھی اقوامِ عالم کی امامت کے منصب پر فائز ہو گئے۔

جہاں تک اسلام کے لئے قربانی دینے جذبہ جہاد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے والہانہ محبت کا تعلق ہے۔ اس کی ایک مثال عروہ بن مسعود ثقفی کی وہ رپورٹ ہے جو اس نے حدیبیہ سے واپسی پر قریش کے سامنے پیش کی تھی۔ خیالات اس کے ہیں جو اسلام کی حقانیت کا قائل نہیں تھا۔ اور الفاظ اس کے ہیں جو ان حضرات کا نمائندہ ہے جو صحابہ کو کلمہ خیر سے یاد کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔

علامہ باذل اپنی مایہ ناز کتاب حملہ حیدری میں لکھتا ہے۔

کہ من آنچہ دیدم ز یاران او! ازاں سر بکف جانثارانِ او
در ایران و در رُوم و در زنگبار نہ دیدم ز نیک و بد آں دیار
کہ دارند پاسِ شہ خود چنیں! بسائند بر نقشِ پائش جبیں
کہ گیرند مالند بر چشم و رُو وزاں آب تازہ کنند آبرو
محمدؐ گر انداز د آب دہن! براں آب خوں می کنند انجمن
غرض اے دلیران با نام و ننگ نہ دارد برائے شما صرفہ جنگ
کہ ایشاں زما بر نہ تابند رو بجاہائے نازک رسد گفتگو
ہماں بہ کہ ایں قصہ کوتاہ کنید ازاں پیش کہ را کنند راہ وہید

(۲ : ۲۱۲)

اسی طرح ایک اور شیعہ عالم علامہ مجلسی نے اپنی کتاب حیات القلوب میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آخری حصہ یہ ہے۔

"چوں عروہ نزد قریش برگشت گفت اے گروہ قریش من نزد پادشاہانِ عجم و پادشاہ حبشہ رفتہ بودم و ندیدم کہ ہیچ قومے پادشاہ خود را تعظیم و اطاعت کنند مثل آنکہ اصحاب آنحضرت تعظیم و اطاعت او می نمایند۔

(۲ : ۱۵۲)

کیسا المیہ ہے کہ جن کے متعلق حضورؐ کی تعظیم واطاعت کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ اور جس کی گواہی ایک دشمن دے رہا ہے۔ انہی کے متعلق "اپنے" کہتے ہیں ان کا ایمان تو ثابت کرو۔

چنیں دور آسمان کم دیدہ باشد

جنہوں نے نصف دنیا کو کلمہ پڑھایا وہ خود ایمان سے بے بہرہ رہے۔ چہ خوب! پھر ایک شیعہ مفسر علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی مشہور تفسیر منہج الصادقین میں لکھتے ہیں۔

"پس عروہ نیک نظر کرد کہ اصحاب نزد آں قدوہ احباب کمر خدمتگاری میاں بستہ بودند و آنچہ آنحضرت بایشاں امر می کرد۔ مبادرت می نمودند وبطریق خادماں وچاکراں دست بر سینہ وسر در پیش انگندہ نزد او ایستادہ بودند واز غایت خشیت در حین تکلم بروئے اونگاہ نکردندے و سخن را نرم وآہستہ گفتندے ودر محلے کہ وضو ساختے یا آب دہن انگندے بریک دیگرے سبقت کردے آنرا برداشتندے وبجہت یمن وتبرک بروئے خود مالیدندے وچوں عروہ ایں نوع تعظیم دیک جہتی ایشانرا بدید بازگشت وقریش را گفت کہ اے قوم! من ملوک بنی آدم وسلاطین عالم را بسیار دیدم مانند قیصر روم وکسریٰ فارس ونجاشی حبشہ بخدا کہ ہرگز ہیچ بادشاہے، ندیدم کہ درمیان قوم خود مطاع تر از محمدؐ باشد درمیان اصحاب پس آنچہ دیدہ بود از یک جہتی وچاکری ووفاداری ایشاں بقریش بازگفت آنگہ گفت پادشاہی بایں عظمت برشما عرض شد وصلاح می کنید و قبول آں کنید"۔

تین شیعوں کی زبانی عروہ بن مسعود کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) عروہ نے ایک دشمن کی نگاہ سے اصحاب رسولؐ کو دیکھا۔

(۲) ہاتھ سینوں پر رکھے ہیں نگاہیں جھکی ہوئی ہیں اور حکم کے منتظر ہیں۔

(۳) جو حکم ملتا ہے لپک کر اور دوڑ کر اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

(۴) بات کرتے وقت الفاظ اور آواز پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں کہ کسی وجہ سے ادب میں فرق نہ آنے پائے۔

(۵) ادب کی وجہ سے حضورؐ کے چہرے مبارک کو نگاہ بھر کے نہیں دیکھتے۔

(۶) آپ کے وضو کے پانی کو زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ جھپٹ کے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں پھر برکت کی خاطر اپنے چہرے پر ملتے ہیں۔

(۷) ایسی اطاعت اور ایسی تعظیم کا نمونہ روم ایران اور حبشہ کے بادشاہوں کے دربار میں بھی کہیں نہیں دیکھا۔

(۸) اے قریش ان سے لڑنے کا خیال دل سے نکال دو۔ یہ تو محمدؐ کی خاطر جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔

عروہ کافر تھا مگر انصاف سے دیکھا تو حضورؐ کی شخصیت کی جاذبیت اور جانثاری اور فداکاری کی حقیقت نظر آ گئی۔ اس لئے مسلمان ہو گیا۔ مگر اس کافر کے خیالات کی ترجمانی کرنے والے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے اس حقیقت کے ہوتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم و تربیت کو ناقص اور حضورؐ کو ناکام قرار دیتے ہوئے حضورؐ کے صحابہ کو ابن الوقت قرار دیتے ہیں۔ کہ ادھر حضورؐ کی آنکھیں بند ہوئیں۔ ادھر وہ سب کے سب مرتد ہو گئے۔ (معاذ اللہ) کسی کی عقل ٹھکانے ہو تو کیا یہ باور کر سکتا ہے۔ اس کا کیا کیا جائے کہ خدائے محمدؐ نے یہ منظر دیکھ کر اعلان فرمایا۔

"لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم ......"

مگر گلہ تو یہی ہے کہ جن سے ہم راضی نہیں ان سے رب العالمین کیوں راضی ہو گیا۔ لیکن یہ بھی تو سوچا ہوتا کہ رب العالمین سے روٹھنے سے کیا فائدہ؟

اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرامؓ کے خلوص اور اپنی جان کی بازی لگا دینے کے لئے حضور اکرمؐ کے ساتھ جو معاہدہ (بیعت)، کیا اللہ تعالیٰ نے انکی

ایسی قدر فرمائی کہ ان کے حق میں اپنی رضامندی کا اعلان فرما دیا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ضمانت صحابہ کے بغیر کسی کو نہیں دی گئی۔

صحابہ کرام نے اس اعلان رضا پر اکتفا کر لینے کی بجائے اس کے بعد عملاً حضورؐ کے حکم کی تعمیل کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ جہاں تک تبلیغ دین کا تعلق ہے ان حضرات نے نصف دنیا کو کلمہ پڑھایا۔ ان کے جہاد اور ان کی فتوحات پر نگاہ کی جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس مٹھی بھر جماعت نے ایران۔ روم۔ یمن۔ حبشہ اور مصر جیسی مستحکم سلطنتوں کو اسلام کے ممالک محروسہ بنا کے چھوڑا۔ حتیٰ کہ شاہ ایران کی شہزادی شہربانو فاروقی دور میں جنگی قیدی کی حیثیت سے گرفتار ہو کر آئی۔ اسی سے امام حسین کا نکاح ہوا۔ اور زین العابدین اسی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ صحابہ کرام کے جہاد کے سلسلہ میں علامہ انور شاہ کاشمیری نے یہاں تک لکھا ہے کہ اسلام کی خاطر جہاد کرنا صرف ان لوگوں کے حصہ میں آیا جو صحیح متبع صحابہ ہیں

"فانہ لم یوفق للجھاد واحد غیر تلك الطائفة ای اھل السنة والجماعة واکثر تخریب السلطنة الاسلامیة کان علی ید الروافض خذلھم اللہ تعالیٰ۔"	"اللہ تعالیٰ نے اہل السنت والجماعت کے بغیر جہاد فی سبیل اللہ کی توفیق کسی مذہب وجماعت کو نہیں عطا فرمائی۔ اور اکثر اسلامی سلطنتیں روافض کے ہاتھوں تباہ ہوئیں۔"
	(فیض الباری ۱: ۱۷۱)

اور علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ (۴: ۵۷) میں لکھا ہے۔

"وھم ای الشیعة ایضا لا یجاھدون الکفار اعداء الدین بل کثیرا ما یوالونھم ویستعینون بھم علی عداوة المسلمین فھم یعادون اولیاء اللہ المومنین ویوالون اعداءہ المشرکین	"شیعہ ان لوگوں سے بالکل جہاد نہیں کرتے۔ جو دشمنان اسلام کفار ہیں، بلکہ انہیں دوست رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں سے عداوت رکھ کر ان کفار کی مدد کرتے ہیں۔ شیعہ لوگ مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں۔ مشرکین اور یہود

واهل الكتاب كما يعادون	والنصاری سے دوستی رکھتے ہیں۔
افضل الخلق كالمهاجرين	جیساکہ مہاجرین وانصار سے اور
والانصار والذين اتبعوهم	ان کے متبعین سے دشمنی رکھتے ہیں حالانکہ
باحسان -	مہاجرین وانصار ساری مخلوق سے افضل ہیں

یعنی مہاجرین وانصار کی مخالفت کرنے کا یہ اثر ہے کہ ان لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی توفیق کبھی نہ ملی۔

مثال کے طور پر ابوجعفر طوسی کے حالات دیکھئے۔

علامہ ابن قیم اغاثۃ اللھفان (۱: ۲۶۳) میں لکھتے ہیں۔

ولما انتهت النوبة الى نصير الشرك	ترجمہ:- جب نصیر الدین طوسی شیعہ وزیر
والكفر الملحد وزير الملاحدة	ہلاکو تک نوبت پہنچی تو اس نے نبی کریم صلی اللہ
النصير الطوسي وزير هولاكو	علیہ وسلم کے متبعین اور دین دار لوگوں کو قتل
شفا نفسه من اتباع الرسول واهل	کرکے اپنا اور اپنے ملحد بھائیوں کا دل ٹھنڈا کیا۔
دينه فعرضهم على السيف حتى	۶۵۶ھ میں جب تاتاری بغداد میں داخل
شفا اخوانه من الملاحدة واشتفى	ہوئے تو انہوں نے آخری عباسی خلیفہ مستعصم
هو فقتل الخليفة وهو المستعصم	باللہ کے وزیر ابن علقمی شیعہ اور ہلاکو کے مشیر
بالله اخر الخلفاء العباسيين قتله	اور قاضی نصیر طوسی کے مشورہ سے آخری خلیفہ
التتر حينما دخلوا بغداد في سنة	بغداد کو قتل کیا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی۔ اسلام
۶۵۶- بمحالاة ابن العلقمي الرافضي	اور مسلمانوں پر وہ ظلم ڈھایا جس کی نظیر
الملعون وزير المستعصم وكان	انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تاتاریوں نے
نصير الشرك والكفر والالحاد الطوسي	ابن علقمی اور طوسی کے مشورہ سے مسلمانوں
قاضي التتار ومشيرهم وقد قتل	کے قاضیوں، مفتیوں، علماء اور فقہاء
وفعل التتر بمشورته وابن العلقمي	کو قتل کرایا۔ اور فلاسفہ، منجمین اور جادوگروں
في بغداد من سفك الدماء وانتهاك	کو تقویت دی۔ اور مساجد و مدارس کے اوقاف

الحرمات والتنكل بالاسلام والمسلمين ما لم يسمع بمثله فی ای عصر وقتل القضاة والفقهاء والمحدثين واستبقى الفلاسفة والمنجمين والطائعين ونقل اوقات المدارس والمساجد والمرابط اليهم وجعل خاصتهٗ واولياهٗ واتخذ للملاحدة مدارس ورام جعل اشارات امام الملحدين ابن سينا مكان القرآن فلم يقدر على ذلك وقال هی قرآن الخواص ورام تغيير الصلوٰۃ وجعلها صلوٰتين فلم يتم له الامر ۵

کی آمدنی ان ملحدین کے مدارس قائم کرکے ان کو دے دی اور علماء اسلام کو قتل کرکے ان ملحدین کو اپنا مقرب بنا لیا۔ ابو جعفر طوسی نے کوشش کی کہ ابن سینا کی کتاب "اشارات" قرآن کی جگہ رائج کی جائے۔ اس نے اعلان کیا کہ قرآن تو عوام کے لئے ہے۔ خواص کے لئے قرآن یہی ابن سینا کی "اشارات" ہے۔ مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نیز طوسی نے نمازوں میں بھی کمی کر دی صرف دو نمازیں قرار دیں۔ مگر علاوہ اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا"

بغداد کی اس تباہی کا منظر الفاظ میں کھینچنا ممکن ہی نہیں۔ قریباً تین چوتھائی مسلمان بغداد کو تہ تیغ کیا گیا۔ خون کی ندیاں بہائی گئیں۔ قرآن و حدیث کے نسخے جلائے گئے۔ محبانِ اہلِ بیت نے حضورؐ کے چچا حضرت عباس کی اولاد کو چن چن کر قتل کیا۔ صحابہ کرام نے جہاں اسلام کا پیغام پہنچا کر قرآن و حدیث کی تعلیم عام کی تھی۔ وہاں قرآن و حدیث کے نسخوں کو نذرِ آتش کر کے دل ٹھنڈا کیا۔ یہ ظلم و ستم ابن علقمی شیعی اور نصیر الدین طوسی شیعی کے مشورہ اور مدد سے تاتاریوں کے ہاتھوں انجام پایا۔

اسلام کے دونوں ماخذ قرآن و حدیث کے خلاف یہ کینہ، اسلام کے نام لیواؤں کے ساتھ یہ ظلم و ستم اور ان لوگوں کے ہاتھوں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ایک ایسا معمہ ہے جس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ لے دے کے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ صحابہ سے دشمنی رکھنے کا نتیجہ ہے۔ انسانی نفسیات سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ جس سے نفرت ہو اس کے ہر کام سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور ہر حال میں اس کے رویہ کے بالکل الٹ

کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے دل وجان سے جہاد فی سبیل اللہ میں حصّہ لیا۔ صحابہ کے دشمنوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے طبعی طور پر نفرت ہونی چاہیئے۔ چنانچہ یہی ہو کے رہا۔

صحابہ نے قرآن کے ایک ایک حرف کو سینے سے لگایا اور علمی اور عملی اعتبار سے اس کی حفاظت کی۔ دشمنان صحابہ نے قرآن کا انکار کر دیا۔ علقمی اور طوسی جیسے مقتدر لوگوں نے اسے نذرِ آتش کر کے دم لیا۔ اور اس کو مٹانے کے لئے اس کا بدل ابن سینا کی کتاب "اشارات" تجویز کی۔ صحابہ نے نبی کریمؐ کے الفاظ کو یاد رکھنے کی یہاں تک کوشش کی کہ جہاں کسی لفظ کے بارے میں شک ہُوا، اس شک کو دور کرنے کے لئے سینکڑوں میل کا سفر کیا۔ دشمنان صحابہ نے حدیث کے ذخیرہ کو جو اس قدر جان جوکھوں سے جمع کیا گیا تھا۔ آگ کی نذر کر دیا۔

صحابہ نے حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سبق کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہٖ اس اہتمام سے یاد کیا کہ مسلمان تو کیا غیر مسلم بھی ان کی رعایا بننے کی تمنا کرتے تھے۔ دشمنانِ صحابہ نے اس کے الٹ اپنا روّیہ یہ رکھا کہ مسلمان کو جینے کا کوئی حق نہیں۔ ہاں کفار کو کھلی چھٹی ہے کہ کفر و شرک پھیلائیں، اور کوئی اس کا راستہ نہ روکنے پائے۔ لہٰذا ابن علقمی نصیر الدین طوسی اور اس قبیل کے لوگوں کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ روّیہ صحابہ سے دشمنی کا لازمی نتیجہ ہے۔

صحابہ مہاجرین و انصار کا اتباع اور خلوص سے اتباع مذہب حق ہے۔

فسوف تریٰ اذا انکشف الغبار

افرس تحت رجلك ام حمار

اللہ یار خان۔ چکڑالہ ضلع میانوالی

باب اوّل

آیاتِ جہاد اور مذہب اہلِ سُنّت والجماعت

صحابہ کرام کے اوصاف بیان کرتے وقت سب سے پہلے مقدمہ میں ان کے جذبۂ جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی کی مناسبت سے اس رسالہ کا آغاز آیاتِ جہاد سے کر کے مذہب اہل السنت والجماعت کی حقانیت ثابت کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں تین آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) إِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

ترجمہ:- بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے غلبہ کو ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹا دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔

(۲) أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ن الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ

۲:- لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے)، جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے زور گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانہ میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے

وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ۔

اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا جو اللہ (کے دین) کی مدد کریگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبے والا ہے (وہ جسے چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے؛

(۴۱) الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انکو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا کے ہی اختیار میں ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مظلوم مہاجرین و انصار سے تین مرتبہ وعدہ فرمایا کہ فتح و نصرت کے لئے ان کی مدد کی جائے گی۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ مسلمانوں کی طرف سے مدافعت یوں کی جائے گی کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اور کفار ہلاک و تباہ ہوں گے۔

اس پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ اس کی صورت کیا ہو گی۔ تو دوسری آیت میں فرمایا کہ مظلوم مہاجرین پر گو اب تک ظالم کفار ظلم کرتے رہے۔ اب انہیں ہم جنگ کی اجازت دیتے ہیں۔ اب وہ کفار سے جہاد کر کے انہیں تہس نہس کر دیں گے۔

پھر کفار کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اول تو کفار نے ان مہاجرین کو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیا اور وطن سے نکالنا تو قتل کے مترادف ہے۔ کما قال تعالیٰ ولو انا کتبنا علیہم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم اس سے ظاہر ہے کہ قتل نفس اور گھر چھڑانا برابر ہے۔

پھر مہاجرین کا قصور بتایا۔ کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یعنی توحید کے نشہ سے سرشار یہ اللہ مست بندے اسی جرم کے مرتکب ہوئے۔

اس سے ایک بات اور بھی ظاہر ہے کہ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ موحد اور خدا پرست

ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا فرما رہا ہے اب سوچنے کی بات ہے کہ ان لوگوں کو اگر ایمان سے خالی سمجھے تو گویا وہ اعلان کر رہا ہے کہ وہ اللہ کا مخالف، اس فیصلوں کے مخالف ہے تو ایسے آدمی کا ایمان کہاں رہا۔

پھر بتاکید فرمایا کہ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ اور قادر مطلق اپنی قدرت کاملہ سے ان مہاجرین کو ایسی قدرت عطا فرمائے گا کہ کفار کو تباہ کر دیں گے۔

پھر امداد کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ جن مساجد اور معابد میں میرا نام کثرت سے لیا جاتا ہے یہ لوگ ان کے محافظ ہیں جیسا کہ عہد فاروقی میں سینکڑوں مساجد تعمیر کی گئی ہیں۔ گویا جہاد کی علت بھی بیان فرمائی کہ محافظ دین و معابد ہے اور مجاہدین کا وصف بیان فرمایا کہ وہ دین کے محافظ اور معابد کے پاسبان ہیں۔ مہاجرین کا یہ وصف بیان کر کے ظاہر فرمایا کہ یہ لوگ صرف دیندار ہی نہیں، دین کے محافظ بھی ہیں۔ مگر یہ المیہ ہے کہ لوگ ان محافظین دین کے ایمان کا ثبوت طلب کرتے ہیں۔ جیسے کوئی دوپہر کے وقت سورج کے وجود کا ثبوت طلب کرے ہاں نابینا آدمی اس معاملے میں معذور تصور کیا جائے گا۔

وعدۂ نصرت الٰہی اور فتح کی ضمانت کے ساتھ ساتھ یہ بات وضاحت طلب معلوم ہوتی ہے کہ یہ مہاجرین انفرادی طور پر ایک ایک کافر کا صفایا کریں گے۔ یا کوئی اجتماعی صورت ہوگی۔

تو تیسری آیت میں وضاحت فرما دی کہ میں ان مظلوم مہاجرین میں سے خلفاء مقرر کرونگا۔ انہیں تمکین فی الارض عطا کروں گا۔ اقتدار اور حکومت دوں گا۔ اور ان خلفاء کی قیادت میں کفار سے جہاد کیا جائے گا۔ اور ان پر غلبہ عطا ہوگا۔

آیت ۴۰ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کا وعدہ بتاکید ان لوگوں سے کیا۔ جو اس کے دین میں مدد کریں گے۔ تیسری آیت میں ان خلفاء کا وصف بیان کیا کہ وہ دین کی اشاعت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کوشاں رہتے ہیں۔

تیسری آیت سے مظلوم مہاجرین سے تمکین فی الارض یعنی حکومت و خلافت دینے کا وعدہ ظاہر ہے۔ بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ ان مظلوم مہاجرین میں سے جسے بھی خلیفہ بنا دیا جائے۔ وہ فرائض خلافت ادا کرنے کی اہلیت اور قوت رکھتا ہے۔ یہ آیت خلفاء کی خلافت کی واضح دلیل ہے۔

استدلال کی بنا دو باتوں پر ہے اول خلفائے ثلٰثہ مہاجرین میں سے ہیں۔ اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور وعدۂ خلافت مہاجرین سے ہے۔

دوسری یہ کہ اس تاریخی حقیقت کا کون انکار کر سکتا ہے کہ خلفائے ثلٰثہ نے ۲۴ برس تک حکومت کی۔

پھر ان نائبان حق کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ خود عبادت گزار ہوں گے۔ بلکہ عبادت کا نظام مستحکم کریں گے۔ زکوٰۃ کا نظام رائج کریں گے۔ دین حق کی تبلیغ و اشاعت کریں گے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وصف ان کی خصوصیات سے ہوگا۔

ان دو حقائق سے تیسری بات خود بخود ثابت ہو گئی۔ یعنی ان کا دیندار ہونا، عادل ہونا دین کا خادم ہونا۔ مگر اس منطقی نتیجہ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ اقامت الصلوٰۃ نظام زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی خصوصیات میں سے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمکین فی الارض کو ان تین شرطوں کے ساتھ مشروط فرما دیا۔ اور یہ امر واقع ہے کہ شرط پائی گئی، یعنی خلفاء ثلاثہ کو حکومت ملی تو جزاء یقیناً متحقق ہوگی۔ ورنہ کلام باری تعالیٰ غلط قرار پائی جائے گی۔ کیونکہ جو صفات اقامت الصلوٰۃ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکومت ارضی سے مشروط تھیں۔ وہ تو جزاء ہے اور شرط ہے حکومت کا ملنا۔ جب شرط پائی گئی تو جزاء کے وجود سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

قبائل عرب، حکومت روم و ایران، ممالک عراق یمن، حبشہ وغیرہ خلفائے ثلاثہ کی کوشش اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ مہاجرین کے ساتھ غلبہ عطا کرنے کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ وہ خلفائے ثلٰثہ کے ہاتھوں پورا ہوا۔ اور اس رنگ میں پورا ہوا کہ اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس آیت میں ایک اور لطیف اشارہ ہے کہ اقتدار کا نشہ انسان کو ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بندوں کا خدا سمجھنے لگتا ہے۔ مگر بندے کو خدائی کا سلیقہ کیسے آئے۔ چنانچہ وہ فرعون بن کر درندگی کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ مگر ان مہاجرین میں سے جن کو تمکین فی الارض عطا ہوگی۔ وہ خدا کے بندے ہی نہیں، بلکہ مثالی بندے ہوں گے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی تربیت کا رنگ ان پر ایسا چڑھے گا کہ وہ عدل و انصاف، زہد و تقویٰ، خدمت دین اور خدمت خلق میں مثالی کردار پیش کریں گے۔ اور ومن احسن من اللہ صبغۃ کا لازمی اثر یہ ہے کہ اقتدار کا نشہ اس کے قریب بھی نہیں آسکتا ہے۔

جو دل باد لبرے آرام گیرد
ز وصلے دیگرے کے کام گیرد

ہنی صد دستہ ریحاں پیش بلبل
نخواہد خاطرش جز نکہت گل!

نبی کریمؐ کی تربیت نے ان کی قلبی دنیا میں ایسا انقلاب برپا کر دیا کہ وہ بالکل ہی ایک نئی قسم کی مخلوق نظر آنے لگے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال پیش فرمائی ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ والیان ملک (کا قاعدہ یہ ہے) کہ جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں۔ ان کو (انکا زور گھٹانے کے لئے) ذلیل کیا کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔

اس طرح مہاجرین و انصار کے دلوں پر حب اللہ اور رسول کی محبت نے حملہ کیا۔ تو بالآخر اس پر قبضہ جما لیا اور تمام رذائل جن پر وہ ناز کیا کرتے تھے۔ ان کو نکال باہر کیا۔ اور فضائل جن کو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ان کے لئے مایۂ ناز خزانہ بن گیا۔ اور حضور اکرمؐ کے رنگ میں یوں رنگے گئے کہ ذوئی کا سوال ہی اٹھ گیا۔ اسی بنا پر اہل السنت والجماعت کے نزدیک صحابہ کرام کی محفوظیت مسلم ہے جس پر ہزار فرضی عصمتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔

چنانچہ شیخ انور کاشمیری اپنی مشہور کتاب فیض الباری (۲: ۳۷۸) میں خلفائے اربعہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

ثم ان من امر الخلفاء الاربعة فوق امر الامير و تحت التشريع فيتبدع بهم فى بعض الامور الانتظاميه كالتشريع، كالجماعة فى التراويح وامر كثيرا من الامور الانتظامية فعلها عمر رضى الله

رضی اللّٰہ عنہ فی زمنہ ثم الحنفیۃ جعلوھا مذھبا و عاملوا معھا ما یعامل مع الشرعیات ونظائرھا توجد فی المذاھب الاربعۃ وھکذا ینبغی لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رضی اللّٰہ عنھما ومنصبھما بین بین و مر الرازی علی تفسیر اٰیۃ الاطاعۃ اطیعوا اللّٰہ و اطیعو الرسول واولی الامر منکم ثم فسر اولی الامر بالاجماع وفسرہ فی الاٰیۃ الثانیۃ لعلمہ الذین یستنبطونہ منکم انہ ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ مع انہ لم یکن خلیفہ فی حیاتہ ولا حاکما ۔

"خلفائے اربعہ کا حکم دوسرے حکام وقت کے حکم سے کئی درجہ فوقیت رکھتا ہے اور شریعت کے تحت ہوتا ہے۔ بعض امور انتظامیہ میں ان کی اتباع واجب ہے مثلاً نماز تراویح باجماعت مستقل طور پر حضرت عمر کے دور میں ہوئی اور بہت سے انتظامی امور میں میں دیکھتا ہوں کہ عہد فاروقی میں جاری کئے گئے اور حنفیہ نے ان کو اپنا مذہب بنایا۔ ان احکام کی بجا آوری اسی طرح کرتے ہیں جیسے شرعی امور کی اس کے نظائر چاروں مذہبوں میں پائے جاتے ہیں اور یہی حق ہے۔ کیونکہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ "میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرو"۔ ان دونوں کا منصب اجتہاد اور شریعت کے درمیان ہے۔ اور امام رازی جب آیت اطیعوا اللہ اور اطیعوا الرسول کی تفسیر لکھنے لگے تو اولی الامر کی تفسیر اجماع سے کی۔ اور دوسری آیت لعلمہ الذین یستنبطونہ منکم سے مراد ابوبکر صدیق کی ذات لی حالانکہ اس زمانہ میں ابوبکر صدیق نہ خلیفہ تھے نہ حاکم"۔

امام رازی نے اس اطاعت کے چار مراتب پیش کئے ہیں۔ اول کتاب اللہ یہ اطیعوا اللہ سے مراد ہے۔ دوم سنت رسول یہ اطیعوا الرسول ہے۔ سوم

اجماعِ امت یہ اولی الامر ہے۔ اور چہارم قیاس یہ فان تنازعتم فی شیٔ سے۔

اور فرمایا کہ اجماعِ امت معصوم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس حکم پر پوری امت کا متفقہ اجماع ہو جائے وہ حق ہوگا۔ یہ مراد ہے معصوم ہونے سے۔ بعض علماء کو یہ غلط فہمی ہوئی، یہ کہ امام رازی نے اولی الامر کو معصوم کہا ہے۔ اس کی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ورنہ عصمت خاصہ نبوت ہے۔ اور کوئی فرد واحد معصوم نہیں ہو سکتا۔ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ امت کا اجماعی فیصلہ حق ہوگا۔ جو باطل کے مقابل میں ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھ لی جائے۔ حضور اکرمؐ کے جانشینوں کی خلافت کا تعلق امور تکوینیہ سے ہے۔ یہ بندوں کا فیصلہ نہیں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا۔

عصمت کے سلسلہ میں شیعہ ایک بڑا سا سوال کرتے ہیں کہ امامت کی شان نبوت سے بلند ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ انی جاعلک للناس اماما۔ حضرت ابراہیمؑ نبی تو تھے ہی بعد میں امام بنائے گئے اس لئے ظاہر ہے کہ نبوت کے بعد اگلا درجہ امامت کا ہے۔

حقیقت تو ظاہر ہے مگر آدمی دھوکا کھانا اور دھوکا دینا چاہے تو کب رک سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک نفس نبوت یا مطلق نبوت، اور ایک ہے امامت نبوت تو مطلق نبوت سے امامت نبوت افضل ہے۔ اس آیت سے حضرت ابراہیمؑ کی امامت نبوت ثابت ہے۔ اس پر قیاس فاسد کر کے ایک خاندان کے جس فرد کو چاہا امام بنا دیا۔ اور اسی کے دوسرے افراد کو سخت سُست کہنے سے بھی نہ چوکے۔ جیسے نص سے حضرات ابراہیم کی امامت نبوت ثابت ہے۔ اسی طرح اماموں کی امامت کا ثبوت لائیں۔ یہ تو ہوئی نفس امامت کی بحث، اب لیجئے۔ عصمت امامت کا مسئلہ۔ تو شیعہ بیچارے جس بھولے پن سے۔ عصمت امامت کے قائل ہیں۔ اگر سوچ کا انداز یہی اختیار کیا جائے۔ تو تمام صحابہ کرام کی عصمت ثابت ہو سکتی ہے۔ مگر اہل سنت حضرت صدیق فاروق کو دین مجسم سمجھتے ہوئے بھی معصوم نہیں سمجھتے۔
حالانکہ امور انتظامیہ میں ان کے قول کو دین خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریمؐ نے اقتدوا
بالذین من بعدی ابی بکر و عمر فرما کر اس کا پابند بنا دیا ہے۔ ۵

حضورؐ نے یہ حکم دیتے ہوئے جس لفظ کا انتخاب فرمایا ہے۔ خود اس میں لطیف نکتہ

اطیعوا نہیں فرمایا اقتدوا فرمایا۔ اطاعت اور اقتدا میں فرق سمجھنا ہو تو مطیع اور مقتدی کے الفاظ و اعمال پر غور کریجئے۔ اطاعت تو مطلق ہے مگر اقتدا تو ایسی اتباع ہے جس میں صرف پیچھے چلنا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر حرکت اور ہر ادا کی نقل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی ہر ادا اور ہر حرکت دین ہے۔ اس لئے ان کی اقتدا۔ ان کی پیروی اور ان کا اتباع ہی اصل دین اور راہ نجات ہے۔ اور اس راہ سے ہٹنا نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور مخالفت ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والا یہ جرأت کیسے کر سکتا ہے۔ شیخین کے متعلق شیعہ عالم شیخ صدوق کی کتاب معانی الاخبار طبع طہران ص۳۸۷ اور شیعہ کی کتاب عیون اخبار الرضا طبع نجف اشرف ص۲۴۴ پر بیان ہوا ہے۔

"عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابا بکر منی بمنزلتہ السمع وان عمر منی بمنزلتہ البصر وان عثمان منی بمنزلتہ الفواد"

۱۴ | "حضرت حسین فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ابو بکر میرے لئے بمنزلہ کان کے ہے۔ عمر فاروق بمنزلہ آنکھوں کے ہے۔ اور عثمان غنی بمنزلہ دل کے ہے"

اصل حدیث اتنی ہے اس کے بعد "راوی" نے اپنی طرف سے پیوند لگایا۔

فلما كان من الغد دخلت اليه وعنده امير المؤمنين عليه السلام وابو بكر وعمر وعثمان فقلت له يا ابت سمعتك تقول في اصحابك هؤلاء قولا فما هو فقال عليه السلام نعم ثم اشار اليهم فقال هم السمع والبصر والفؤاد وسيسألون عن وصيي واشار الى علي رضي الله عنه ثم قال ان الله تعالىٰ يقول ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا "

" دوسرے روز میں نبی کریمؐ کے پاس گیا۔ خلفائے اربعہ حضورؐ کے پاس موجود تھے۔ میں نے سوال کیا کہ ابا جان! آپ نے کل اپنے اصحاب کے

بارے میں جو فرمایا تھا اس کا مطلب کیا ہے؟ حضورؐ نے خلفائے ثلثہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ میرے کان، آنکھ اور دل میں عنقریب ان سے میرے وصی کے متعلق سوال ہوگا۔ اور حضرت علی کی طرف اشارہ فرمایا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کان، آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہوگا"

اس اضافہ سے شیعہ کا مقصد تو ظاہر ہے مگر ایک بات اور بھی ثابت ہوتی ہے۔ کہ حضرت حسینؓ کی زبان سے خلفائے ثلثہ کے متعلق "فی اصحابک" ادا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں ان حضرات کا صحابی ہونا مسلم ہے پھر اصل حدیث میں" منی بمنزلہ" کے الفاظ ہیں۔ یہی الفاظ ایک اور حدیث میں آتے ہیں۔ یا علی انت منی بمنزلتہ ھارون من موسیٰ جس کے معنی یہ ہیں کہ اے علی تجھے میرے ساتھ ایسا قرب حاصل ہے جیسا حضرت ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھا۔ پھر حدیث زیر بحث میں نہی الفاظ بالکل بدلے ہوئے معنی کیساتھ کیسے آگئے۔ یہاں وزن کے باٹ کیوں بدل گئے۔ اسی ترازو میں انہی باٹوں سے وزن کیجئے تو معنی یہی ہوں گے۔ کہ میرے ان صحابہ کی شان اور میرا قرب اسی درجہ کا ہے جو میری آنکھ کان اور دل کا ہے۔

حضورؐ کی تشبیہات کوئی شاعرانہ فنکاری نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے اندر حقائق کی ایک دُنیا لیے ہوتی ہیں۔ یہاں حضورؐ نے اصحاب ثلثہ کی ذات کو اپنے ظاہری اور باطنی اعضائے سے تشبیہ دی ہے ظاہر ہے کہ دل کی حرکت پر تو حیات کا مدار ہے۔ اور آنکھ اور کان کے بغیر فرد کی حقیقی زندگی کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔ گویا حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ میری دینی اور تبلیغی زندگی کے مشن کی تکمیل اصحاب ثلثہ کوششوں سے ہوگی۔ ان کی سوچ، ان کا دیکھنا اور سننا سب تکمیل دین کے لیے ہوگا۔

نبوّت کی ذمہ داریوں کا مدار بھی انہی اعضاء پر ہے نزول وحی کا تعلق دل سے ہے۔ یعنی دولت وحی کہاں ہیں۔ وحی کے الفاظ صاحب وحی سے سننے والے اور صاحب وحی کو دیکھنے والے اور اس کی تکمیل کرنے والے اصحاب ثلثہ ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک ان کی حیثیت وہی ہے جو میرے نزدیک میرے دل آنکھ اور کان کی ہے۔ لہٰذا یہ پیوند کاری اصحوکہ سے بڑھ کر

کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ پھر پیوند کی عبارت پر غور کیجیے۔ هم السمع والبصر والفؤاد هم ضمیر کا مرجع صحابہ کی ذات ہے۔ السمع والبصر مصدر ہے اور محمل مصدر کا ذات پر جائز نہیں۔ جیسا یہ کہنا کہ زید علم غلط ہے بلکہ زید عالم چاہیئے۔ اس لیے یہاں هم کے ساتھ سامعون چاہیئے۔ لہٰذا یہ الفاظ افصح العرب کے نہیں۔ بلکہ کسی اناڑی راوی کے دست کرم کا نتیجہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اصحاب ثلٰثہ کو آنکھ، کان اور دل محض حضرت علی کی خلافت کے متعلق سوال کرنے کے لیے فرمایا جاتا تو لفظ منی بمعنی لہٗ ہرگز نہ ہوتا، کیونکہ اس سے تو لازماً شان ظاہر ہوتی ہے۔

پھر آیت قرآنی یہاں پیش کرنا بالکل بے محل ہے۔ آیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ انسان کی ذات کی طرح یہ تمام اعضاء بھی مکلف ہیں۔ ان اعضاء سے بھی توحید اور دین کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔

اصل حدیث کا حقیقی مفہوم صاف ہے کہ حضورؐ نے واضح فرمادیا کہ عثمان میرا راز دار ہے۔ جیسے دل، صدیق بمنزلہ میرے کان کے ہے۔ جیسے میرے کانوں نے وحی سے حق سُنا ہے۔ صدیق بھی حق سنتا ہے۔ جیسے میری آنکھ نے حق دیکھا، عمر کی آنکھ بھی حق کا مشاہدہ کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضورؐ کا ارشاد ہے خلفائے ثلٰثہ کے احکام کی تعمیل اسی طرح صدق دل سے کرنا جیسے میرے احکام کی تعمیل کرتے ہو، کیونکہ ان کی ذات میرے دل، میری آنکھ اور میرے کان کی حیثیت رکھتی ہے یہی مطلب ہے اقتدوا بالذی من بعدی ابی بکر و عمر کا۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضورؐ کے قول میں کونسی پیچیدگی تھی کہ حضرت حسین کو پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ فما ھو۔ ظاہر ہے کہ حضرت حسین کو تو ضرورت نہیں تھی البتہ راوی کو ضرورت تھی کہ ریت کی بنیاد پر ایک فرضی محل تعمیر کر سکے۔ انتہائی جواب یہ ہے کہ یہ پیوندکاری تقیہ ہے۔

بخاری میں ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس ولی اللہ کو قرب فرائض کے

بعد قرب نوافل حاصل ہو جائے تو میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں، جن سے وہ دیکھتا ہے ..... الخ یہ حدیث کتب شیعہ میں بھی موجود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کامل کے ہاتھ پاؤں بن سکتا ہے، تو خلفائے ثلٰثہ، نبی کریم کے کان، آنکھ اور دل کیوں نہیں سکتے۔ لہٰذا حضورؐ کی نگاہ میں خلفاء مجسم دین تھے۔

اب ہم شیعہ کتب تفسیر اور علمائے شیعہ سے ان آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

منہج الصادقین علامہ فتح اللہ کاشانی۔ ۶ : ۱۷۷۔

(۱) "حق تعالیٰ دریں آیت وعدہ دادہ مظلوماں صحابہ را بہ نصرت و ایفار وعدہ آں کردہ چہ تسلط مہاجرہ و انصار نمود بر صنادید عرب و اکابر اکاسرۂ عجم و قیاصرہ ایشاں را و زمین و دیار ایشاں را بمسلمانان تفویض فرمودہ پس اخبار است بظہر غیبت از آنچہ بعد ازیں بظہور رسید از اسیتلائے اہلِ اسلام بر اہل کفر و نصرت و غلبہ ایشاں بر مشرکاں و سائر کافراں و دگر بارہ در صفت مہاجراں کہ ماذونند بقتال می فرماید کہ الذین ان مکناھم ای اُذن للذین یقاتلون یا بدل من ینصرہ۔ ای ولینصرن اللہ الذین ان مکّناھم پس معنی آیت آنست کہ جماعت ماذون آں کسانے اند کہ اگر قدرت و تمکین و ہیم آنہارا فی الارض وزمین و زمام حکومت در کف کفایت ایشاں راہنیم یعنی اعطار نمائیم۔ الخ۔"

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ مفسر نے یہ بتایا :۔

(۱) آیت الذین ان مکناھم کا تعلق اذن للذین یقاتلون سے ہے۔

(۲) یا بدل ہے من ینصرہ سے۔

یعنی دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ حکومت کے حقدار مظلوم مہاجرین ہیں۔

(۳) جب میں انہیں حکومت دوں گا، تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ یعنی وہ مجسم دین ہوں گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ انہیں حکومت دے کر ان کی کھلی کھلی مدد کروں گا۔ چنانچہ یہ

وعدہ پورا فرمایا مہاجرین کو حکومت عطا فرمائی۔ ان کی مدد فرمائی اور انہوں نے کفار عرب پر غلبہ پایا، بلکہ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں پر غلبہ حاصل کیا۔

شیعہ مفسر کی اس صراحت کے باوجود شیعہ یہ کہا کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ کے زمانہ میں مکہ فتح ہوا خیبر فتح ہوا، لہٰذا عہد نبوت میں ہی غلبہ حاصل ہو گیا۔ مگر شیعہ مفسر نے اس وعدہ کے ایفاء کی صورت تفسیر کے دوران یہ بیان کی۔ مہاجرین کو تسلط دے کہ اللہ تعالیٰ نے صنادید عرب کے علاوہ قیصر و کسریٰ پر غلبہ عطا فرمایا۔ لہٰذا آیت اور تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ (۱) خلفائے ثلثہ مہاجرین اولین ہیں۔ (۲)، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمکین فی الارض عطا فرمائی (۳)، ان کے عہد میں کفر کی بڑی بڑی حکومتیں مغلوب ہوئیں۔ اور قرآن کریم کی آیت هو الذی ارسل رسوله الخ کی تکمیل ہوئی۔ اسی بنا پر اہل السنت کا عقیدہ صداقت صحابہ پر ہے۔

اب اس آیت کی تفسیر امام جعفر صادق کی زبانی بیان کی جاتی ہے۔ کتاب فروع کافی ۵:۱۳ کتاب الجہاد، ایک طویل حدیث ہے جو صـ۱۳ سے صـ۱۹ تک چلی گئی ہے اس میں صحابہ کی فضیلت کا نقشہ ملاحظہ ہو۔

ابو عمر زبیدی نے امام جعفر سے سوال کیا کہ تبلیغ دین۔ دعوتِ دین اور جہاد فی سبیل اللہ ہر ایک مسلمان کے لئے جائز ہے یا کسی خاص جماعت کے لئے ہے؟ اس کے جواب میں امام نے یہ طویل بیان دیا۔

انما اذن للمؤمنین الذین قاموا بشرائط الایمان التی وصفناها وذلك انه لا یكون ماذونا فی القتال حتی یكون مظلوما ولا یكون مظلوما حتی یكون مؤمنا، ولا یكون مؤمنا حتی یكون قائما بشرائط الایمان التی اشترط الله عز وجل علی المؤمنین والمجاهدین فاذا تكاملت فیه شرائط الله عز وجل كان مؤمنا حقا واذا كان مؤمنا كان مظلوما واذا كان مظلوما كان ماذونا فی الجهاد لقوله تعالیٰ عز وجل اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر۔ وان لم یكن مستكملا

لشرائط الایمان فهو ظالم .... فلما نزلت هذه الآیة اذن للذین فی المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم واخرجهم اهل مکة من دیارهم واموالهم - احل لهم جهادهم بظلمهم ایاهم واذن لهم فی القتال فقلت فهذه نزلت فی المهاجرین بظلم مشرکی اهل مکة لهم فما لهم فی قتالهم کسریٰ و قیصر ومن دونهم من مشرکی قبائل العرب .... ولکن المهاجرین ظلموا من جهتین ظلمهم اهل مکة باخراجهم من دیارهم واموالهم فقاتلوهم باذن الله لهم فی ذلك وظلمهم کسریٰ و قیصر ومن کان من دونهم من قبائل العرب والعجم بما کان فی ایدیهم مما کان المؤمنون احق به منهم فقد قاتلوهم باذن الله عز و جل لهم فی ذلك و بحجة هذه الآیته یقاتل المؤمنون کل زمان و انما اذن الله عز وجل للمؤمنین الذین قاموا بما وصفها الله عز وجل من الشرائط التی شرطها الله علی المؤمنین فی الایمان والجهاد ومن کان قائما بتلك الشرائط فهو مؤمن و هو مظلوم و ماذون له فی الجهاد بذلك المعنی -

ترجمہ :- "ان مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ملی جو ان شرائط ایمان سے متصف تھے جو ہم نے بیان کی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جہاد کی اجازت اس وقت تک نہیں جب تک مظلوم نہ ہو۔ اور جب تک مومن نہ ہو مظلوم نہیں ۔ اور مومن تب ہوتا ہے جب ان ایمانی اوصاف سے متصف ہو جو اللہ تعالیٰ نے مومن مجاہدین کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ جب ان شرائط میں مکمل ہو گیا، تو مومن ہو گا۔ اور جب مومن ہو گا تو لازماً مظلوم ہو گا۔ اور مظلوم کو جہاد کی اجازت ملی ہے ۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے کہ ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی گئی جن سے جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے اور جس میں یہ شرائط نہ پائی

گئیں وہ خود ظالم ہے پس یہ آیت ان مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی جنہیں گھروں سے نکالا گیا۔ اور اہل مکہ نے انہیں گھروں سے نکالا۔ اور مال چھینے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان مظلوم مہاجرین کو جہاد کی اجازت دے دی۔ راوی کہتا ہے میں نے امام سے سوال کیا تو مکہ والوں نے تو ان پر ظلم کئے اس لئے مکہ والوں سے جنگ کرنے کی اجازت تو اس آیت سے ظاہر ہے، مگر انہوں نے قیصر و کسریٰ اور دوسرے عرب قبائل سے جنگ کس بنا پر کی۔ تو امام نے جواب دیا کہ مہاجرین تو دو طرح سے مظلوم ہیں۔ اول اہلِ مکّہ نے ان پر ظلم کیا، انہیں گھروں سے نکالا، ان کے مال ہتھیائے، اس وجہ سے اہلِ مکّہ سے وہ لوگ باذن اللہ جنگ کرتے رہے۔ اور قیصر و کسریٰ قبائل عرب وغیرہ کا ظلم یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر ناحق قابض تھے ان کے مقابلے میں مسلمان اس کے زیادہ حقدار تھے۔ لہٰذا ان کے خلاف مہاجرین کی جنگ بھی باذن اللہ تھی۔ اور ہر زمانے میں جو مومن ان شرائط کو پورا کرے گا۔ وہ اسی آیت کی دلیل سے جنگ کرے گا۔ جو شخص اُن شرائط سے متصف ہے وہ مومن ہے وہ مظلوم ہے اسے کفار سے اسی بنا پر جہاد کی اجازت ہے۔"

مہاجرین کے ایمان، قتال فی سبیل اللہ اور مظلومیت کی تصدیق امام جعفر نے تو کر دی مگر شیعہ کے سلطان العلماء مولوی سید محمد کی تسلی نہ ہوئی۔ چنانچہ اپنی کتاب تشئید المبانی میں لکھتے ہیں کہ :۔

(۱) اس حدیث سے مہاجرین کا ملک کسریٰ ایران، و قیصر روم و دیگر ممالک کفار پر تسلط ہونا تو ثابت ہوتا ہے۔ مگر اصحاب ثلٰثہ کی خلافت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

(۲) خلفائے ثلٰثہ چونکہ جناب امیر حضرت علی کے مشورہ سے جہاد کرتے تھے۔ اس وجہ سے ماذون فی الجہاد تھے۔

(۳) اور یہ باتیں بھی اس حالت میں قابل تسلیم ہیں کہ تقیہ سے صرف نظر کر لیا جائے۔

مجتہد صاحب کا تیسرا سوال کہیئے یا تحقیق سب سے زیادہ لطیف ہے۔ یعنی ہم کیسے

تسلیم کریں کہ امام نے جو کچھ کہا وہ تقیہ کے طور پر نہیں کہا۔ یعنی مجتہد صاحب کو یقین نہیں کہ امام نے سچ بولا ہو۔ مگر اس بے یقینی کا نتیجہ تو یہی نکلا کہ امام کے دل میں کچھ اور تھا زبان سے کچھ اور ادا ہوا۔ پھر مجتہد صاحب امام کو نفاق سے کیونکر بری قرار دیں گے۔ کیا نفاق کے کوئی سینگ ہوتے ہیں۔ پہلے دو سوالوں کے جواب پیش کرنے سے پہلے وہ دس شرطیں ملاحظہ ہوں جن کی طرف امام نے یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ التی وصفنا ھا جب تک یہ اوصاف نہ ہوں گے آدمی مومن نہیں ہوگا۔

(۱) غیر اللہ کی عبادت نہ کرے۔ (۲) ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہ ہو۔
(۳) مسلمانوں کے لئے نرم دل اور کافروں کے لئے سخت ہو۔
(۴) اللہ کی رضا کا طالب ہو۔ (۵) ناحق قتل نہ کرے۔ (۶) زانی نہ ہو۔
(۷) اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہو۔ (۸) ہر حال میں شاکر ہو۔
(۹) نماز روزہ کا پورا پابند ہو۔ (۱۰) عبادت میں خشوع حاصل ہو۔

جب یہ اوصاف ہوں گے تو وہ مومن ہوگا۔ مظلوم ہوگا اور ماذون فی الجہاد ہوگا۔ اور اذن للذین یقاتلون کی آیت ان مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی۔ مہاجرین نے باذن اللہ جہاد کیا۔ لہٰذا وہ کامل مومن ثابت ہے۔ پس یہ دس صفات ان میں لازماً ثابت ہوگئیں۔ جبھی تو نصرت خداوندی سے انہیں غلبہ بھی حاصل ہوا تسلط بھی ملا اور حکومت بھی ملی۔ اب مجتہد صاحب کے پہلے سوال پر غور کیجیے کہ اس آیت سے مہاجرین کا ماذون من اللہ ہونا اور ان کا تسلط ہونا تو ثابت ہے مگر خلافت خلفائے ثلثہ مستفاد نہیں ہوتی۔

آدمی کو عقل عامہ سے اگر برائے نام بھی حصہ ملا ہو تو وہ سوچ سکتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ مہاجرین کو تو تسلط باذن اللہ ملا۔ مگر مہاجرین کا حکمران اس تسلط سے محروم ہے۔ دنیا کا کوئی باہوش انسان یہ سوچ بھی سکتا ہے۔ کہ رعایا کو تو تسلط حاصل ہے، مگر راعی کو نہیں۔ کیوں نہیں؟ کیا رعایا اپنے حکمران سے بے نیاز ہوکر از خود جنگ کرتی رہی، اپنا ہی حکم چلاتی رہی یا حکمران کی اطاعت میں سب کچھ کیا۔ اگر حکمران کی ہدایت کے تحت ہی سب کچھ کیا تو حکمران

کا مسلط ہونا اور ماذون ہونا کیوں مستفاد نہیں ہوتا، یا حکمران مہاجرین میں سے نہیں تھے؟ اگر تھے تو وہ اس اذن سے کیسے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ مگر مجتہد صاحب بس صرف زور علم سے یہ بات کہہ گئے جو صرف اس زبان سے نکل سکتی ہے۔ جس کے ہوش ٹھکانے نہ ہوں۔ پس اس آیت سے مہاجرین خواہ رعایا ہو یا راعی سب کامل الایمان ماذون فی الجہاد ثابت ہوتے ہیں۔

دوسرا سوال اس سے بھی عجیب تر ہے کہ حضرت علی کے مشورہ سے جہاد کرتے تھے۔ اس لئے ماذون تھے۔ اُذِن صیغہ مجہول ہے۔ اس کا فاعل یا نائب فاعل اللہ ہے یا حضرت علی ہیں؟ حضرت علی وزیر یا مشیر تھے تو دیکھنا یہ ہے کہ وزیر یا مشیر حکومت کا وفادار ہوتا ہے یا باغی۔ مطیع ہوتا ہے یا نافرمان؟ اگر وہ باغی نہیں تھے تو حضرت علی لازماً خلفائے ثلثہ کے وفادار وزیر تھے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ اذن دے رہا ہے تو اس میں حضرت علی کے مشورہ کی کیا ضرورت؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ هذا كله اغضاء النظر من احتمال التقية فى ذلك الحديث یعنی یہ تمام جوابات اسی وقت درخور اعتنا ہیں جب تقیہ کے احتمال سے آنکھ میچ لی جائے۔ اس سے مجتہد صاحب کی مراد یہ ہے کہ امام نے تقیہ کیا۔ دل میں صحابہ کی تکذیب تھی۔ اور زبان پر تصدیق تھی۔ اگر امام کے متعلق یہ صورت مان لی جائے تو امام کو نفاق سے بری کیونکر قرار دیا جائے گا۔ غرض اس تیسرے سوال کا ماحصل امام کی توہین کے بغیر کچھ نہیں۔ کتنے جری ہیں یہ لوگ جو ایسی مقدس ہستیوں پر اتنے بڑے بہتان باندھتے ہیں۔

خلاصۃ مبحث

(۱) مہاجرین کو اللہ کی طرف سے جہاد کی اجازت ملی۔ اور وہ جہاد کرنے پر مامور ہوئے۔ آیت قرآنی اور امام جعفر کی حدیث سے اس کی وضاحت ہوگئی۔

(۲) مہاجرین کو اذن جہاد ملنا ان کے کامل الایمان ہونے کی دلیل ہے اور اس امر کا بین ثبوت ہے کہ وہ دین حق پر تھے۔ اور دین حق کی اشاعت کے لیے انہیں اذن جہاد ملا۔ لہٰذا خلفائے ثلاثہ کے عہد میں جو مہاجرین ان جہادوں میں مارے

گئے وہ شہید ہوئے۔

(۳) باطل کے خلاف ان جنگوں میں صحابہ کو جو مال غنیمت ملا وہ حلال اور جائز ہوا۔

(۴) مہاجرین نے اسی دین کی تعلیم و تبلیغ و اشاعت کی جو انہیں نبی کریمؐ نے سکھایا تھا۔ اور ان کے دست حق پرست پر جو لوگ مسلمان ہوئے۔ انہوں نے وہی دین حق قبول کیا جو صحابہ نے نبی کریمؐ سے سیکھ کر انہیں پہنچایا۔

اس حقیقت کا اقرار تو علامہ نوری نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں کھلے الفاظ میں کیا ہے۔

وکون کثیر من البلاد فتح فی خلافۃ عمر وتلقین اصحاب تلك البلاد سنن عمر فی خلافۃ نوابہ رھبۃ ورغبۃ کما یلقنوا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ فنشاء علیھا الصغیر ومات علیھا الکبیر۔

مجتہد شیعہ تسلیم کرتے ہیں۔ عہد فاروقی میں جسقدر شہر فتح ہوئے ان میں دین عمر پھیلایا گیا۔ یعنی وہی دین جس کی وجہ سے صحابہ کامل الایمان قرار پائے اور ماذون فی الجہاد ہوئے۔ تاکہ اس دین حق کو پھیلائیں اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ وہ دین حق وہی تھا۔ جسے آج تک اہل سنت والجماعت نے سینے سے لگا رکھا ہے۔ پس اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ صحابہ کامل الایمان تھے۔ اس بناء پر اذن جہاد ملا۔ انہوں نے دین حق پھیلایا۔ دین شیعہ کا تو وجود ہی نہیں تھا۔ امام جعفر کی حدیث چونکہ قرآن کے موافق ہے اس لئے تائید کے طور پر پیش کی گئی۔ ورنہ اصل استدلال آیت قرآنی سے کیا گیا کہ دین حق وہی ہے جو مذہب اہل سنت والجماعت ہے۔

باب دوم

آیات قتال مرتدین اور مذہب اہل سنّت والجماعت

(۱) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ. ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

ترجمہ:- اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہوں گے وہ کافروں پہ جہاد کرتے ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والوں کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہیں عطا کریں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے بڑے علم والے ہیں۔

(۲) اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ۔

تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں۔ جو اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔

(۳) وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا —

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ

اور اس کے رسول سے اور ایماندار لوگوں سو اللہ کا گروہ بیشک غالب ہے۔

ربط آیات اس سے پہلے مومنوں کو اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا۔

یا ایہا الذین امنو لا تتخذوا الیہود و النصاری اولیاء۔ بعضہم اولیاء بعض ومن یتولہم منکم فانہ منہم۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا۔ بیشک وہ انہی میں سے ہوگا۔

دوسری آیت کا ربط سابقہ آیات سے یہ ہے کہ تمہارے دوست تو خدا اور رسول اور اہل ایمان ہیں نہ کہ اہل کتاب۔

اس کے بعد آنے والی آیت میں اس کی علت بیان فرمائی کہ یہ لوگ دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں یہ کب دوستی کے لائق ہیں۔

۵ یا ایہا الذین اٰمنو لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ۔

پھر دوسری علت بیان فرمائی کہ یہ تمہاری عبادات —— اذان و صلوٰۃ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تفسیر آیات آیت ۱۔ مخاطب اہل ایمان ہیں صحابہ ہیں انہیں بتایا گیا کہ تم میں سے جو مرتد ہوگیا۔ انہیں سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک قوم لا کھڑی کرے گا۔ جس کے اوصاف یہ ہوں گے۔

(ا) اللہ تعالیٰ کے وہ محبوب ہوں گے۔ اللہ کو ان سے محبت ہوگی۔

(ب) انہیں رب العالمین سے محبت ہوگی۔

(ج) اہل ایمان کے حق میں نرم اور شفیق ہوں گے۔

(د) کافروں پر غالب ہوں گے، اور ان کے حق میں سخت ہوں گے۔

(ر) وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔

(س) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دیں گے۔ بس اپنی دھن میں مست ہوں گے۔

یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ جسے چاہے اس خدمت کے لیے انتخاب کرے تاریخ نے اس حقیقت کے اظہار میں ذرہ بھر بھی بخل نہیں کیا کہ ان اوصاف کی حامل قوم خلفاء ثلاثہ اور ان کے متبعین کی جماعت تھی۔ جو مرتدین کے خلاف جہاد کرتے تھے۔

اگر کوئی شخص اس تاریخی حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے یہ دعویٰ کرے یا یہ اعتقاد رکھے کہ خلفائے ثلاثہ اور ان کے متبعین (معاذاللہ) مرتد ہوگئے تو اس کا فرض ہے کہ اس آیت کا مصداق اس قوم کی نشاندہی کرے جس میں مذکورہ اوصاف پائے جاتے ہوں اور انہوں نے خلفائے ثلاثہ اور ان کے متبعین کے خلاف جنگ کر کے انہیں سزا دی ہو۔ ان کا قلع قمع کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ تاریخ سے کسی ایسی قوم کا سراغ نہیں مل سکے گا۔ البتہ اس کے برعکس تاریخ کی شہادت یہ ہے۔ کہ یہ قوم صحابہ کرام ہی کی جماعت تھی جس نے خلفائے ثلاثہ کی قیادت میں مرتدین سے قتال کیا، ان کا قلع قمع کیا۔ لہذا اس آیت کا مصداق صرف خلفائے ثلاثہ اور ان کے متبعین کی جماعت ہے۔ اس حقیقت کا انکار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو دن کو رات کہنے کی حماقت کرسکتا ہو۔

اگر یہ دعویٰ کر دیا جائے کہ اس سے مراد حضرت علی ہیں۔ تو الفاظ قرآنی اور تاریخی حقائق اس دعویٰ کی تردید کے لیے سامنے آجاتے ہیں۔ اول یہ کہ آیت کا مصداق قوم ہے۔ فسوف یأتی اللہ بقوم اور حضرت علی فرد واحد ہیں قوم نہیں۔ جو اس قوم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے قرآن نے ضمیر جمع استعمال کی ہے۔ یحبھم

ھُمْ ضمیر کا مرجع فرد واحد نہیں ہو سکتا۔ پھر ان کی صفات میں سے ایک صفت اعزۃ علی الکافرین ہے کہ وہ کافروں پر غالب آئیں گے۔ مگر حضرت علی نے خلفائے ثلاثہ کا عہد (بقول شیعہ) تقیہ کی اوٹ میں گزارا۔ اور اپنے عہد خلافت میں کسی جنگ میں بھی کفار پر غلبہ حاصل نہیں کیا۔ جب کفار سے جنگ ہی کوئی نہیں کی، تو کفار پر غلبہ کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق تو حضرت علی کسی برائی کے روکنے پر بھی قادر نہ ہو سکے۔ جیسا کہ روضہ کافی ص۵۱ پر ہے۔

ثم اقبل بوجهه وحوله الناس من اهل بيته وخاصته وشيعة فقال قد عملت الولاة قبلى اعمالا خالفوا منها رسول الله متعمدين لخلافه وناقضين لعهده مغيدين لسنة ولوحملت الناس على تركها وحولتها الى مواضعها والى ماكانت فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم لتفرق عنى جندى حتى ابقى وحدى۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی نے اپنے اہل بیت اور اپنے شیعہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ پہلے خلفاء نے عمداً ایسے کام کئے جو نبی کریمؐ کی سنت کے سراسر خلاف ہیں۔ اب اگر میں ان اعمال میں تبدیلی کر کے سنت کے مطابق کروں تو ڈرتا ہوں کہ فوج میرا ساتھ چھوڑ دے گی۔ اور میں تن تنہا رہ جاؤں گا۔"

ظاہر ہے کہ حضرت علی اپنے شیعہ کی ایسی "جانباز" فوج میں گھرے ہوئے تھے۔ کہ کسی ایک حکم کو جسے وہ باطل سمجھتے تھے۔ بدلنے کا اقدام نہیں کر سکتے ہیں تو ایسے بہادروں کے بل بوتے پر کفار سے جنگ کر کے ان پر غلبہ حاصل کرنے کی نوبت کیونکر آ سکتی تھی۔

ان حقائق کے باوجود شیعہ مفسرین نے ایک روایت کا سہارا لے کر حضرت علی کو اس آیت کا مصداق قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ علامہ فتح اللہ کاشانی نے اپنی کتاب منہج الصادقین میں اس آیت کے تحت یہ روایت نقل کی ہے۔ لاعطين الراية غدا رجلا يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله کرّار غير

کے دن نبی کریمؐ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس آدمی کے ہاتھ میں دوں گا۔ جو اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول اسے دوست رکھتے ہیں۔ اس استدلال کے جواب میں چند امور قابلِ توجہ ہیں۔

(۱) یہ حدیث خبر واحد ہے اور ہمارا استدلال ظاہر قرآن سے ہے۔

(۲) حدیث میں لفظ رجلاً ہے۔ رجل سے مراد قوم کبھی نہیں ہوتی۔

(۳) حدیث میں ضمیریں مفرد ہیں۔ آیت میں سب ضمیری جمع کی ہیں۔

(۴) خیبر کی جنگ اہل کتاب کے ساتھ ہوئی۔ مرتدین کے خلاف نہیں ہوئی۔

(۵) خیبر میں فوج کشی نبی کریمؐ نے خود کی۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ مرتدین کے خلاف فوج کشی کرنے والی قوم غیر رسول ہوگی۔

لہٰذا اس خبر واحد کے سہارے آیت قرآنی کا مدلول حضرت علی کی ذات کو قرار دینا کسی پہلو سے بھی قابل اعتبار نہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت علی اس آیت کے مصداق اس بنا پر ہیں کہ انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں ان اوصاف کا مظاہرہ کیا۔

یہ دعویٰ بھی کئی وجوہ سے باطل قرار پاتا ہے۔ مثلاً

(۱) حضرت علی کے مقابل اہل قبلہ تھے۔

(۲) حضرت علی نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے ان میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں نہ ان کا ایمان مجھ سے زیادہ ہے اور نہ میرا ایمان ان سے زیادہ ہے۔ لہٰذا آیت کا مصداق نہیں قرار دیا جا سکتا۔

(۳) بفرضِ محال کالشریک الباری یہ مان لیں کہ امیر معاویہ باغی تھے۔ تو قرآن کریم باغی کو مومن کہتا ہے۔ "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احدهما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی"

پس یہ جنگ تو جنگ فتنہ ہوگی۔

مرتدین کے مقابلے میں جہاد فی سبیل اللہ کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل غور ہے۔

بقول شیعہ خلفائے ثلثہ نے دین کو خراب کیا۔ قرآن کی تحریف کی سنت رسول کو برباد کیا۔ پھر بھی حضرت علی نے ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی، اور امیر معاویہ پر تو ان میں سے کوئی بہتان بھی نہیں لگایا گیا۔ پھر ان کے خلاف تلوار کیوں اٹھائی گئی۔ ممکن ہے کوئی معقول وجہ بتائی جا سکے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس پہلو سے بھی حضرت علی کو اس آیت کا مصداق نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہاں خلفائے ثلثہ اس آیت کے مصداق ثابت ہو گئے۔ مرتدین کے خلاف انہوں نے ہی تلوار اٹھائی۔ ان پر غلبہ حاصل کیا۔ ان کا قلع قمع کیا۔ کسی قسم کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔

علمائے شیعہ کے نزدیک آیت کی تفسیر

اب ہم اس آیت کی تفسیر شیعہ کتب تفسیر سے بیان کرتے ہیں۔

ا۔ منہج الصادقین ۳ : ۲۴۸

"در تاریخ مذکور است کہ سیزدہ قبائل از اسلام مرتد شدند۔ سہ در آخر عہد رسول خدا صلعم .... وقتل اسود در شبے واقع شد کہ در صبح آں رسول خدا صلعم بجوار رحمت ایزدی پیوست۔"

طلیحہ پر عہد نبوی میں حملہ ہوا، مگر وہ زمانہ صدیقی میں مسلمان ہوا۔ اب رہا مسیلمہ کذاب کا معاملہ تو اس کے متعلق علامہ کاشانی لکھتے ہیں۔

"وبعد ازاں رسول خدا بیمار شد و بجوار ایزدی پیوست و کار مسیلمہ قوت گرفت وابوبکر چوں بخلافت بنشت خالد ولید را با جماعتے بجانب خیبر فرستاد تا اورا مقہور کردند۔"

یعنی صدیق اکبر نے مسیلمہ کا خاتمہ کیا۔ جو کام نبی کریمؐ نے شروع کیا اس کی تکمیل ان کے سچے جانشین ابوبکر صدیق نے کر دی۔

اسی صفحہ ۲۴۸ پر آگے لکھتے ہیں۔
و در عہد ابو بکر ہفت قبیلہ مرتد گشتند۔
ص ۲۴۹: حق تعالیٰ شر ایشاں را کفایت کرد و بردست "مسلمانان" بقتل آمدند"
یعنی ان سات مرتد قبائل کا قلع قمع صدیق اکبر نے کیا۔ ثابت ہوا کہ یہی وہ لوگ تھے یہی وہ قوم تھی جن کی صفات آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ پھر اسی صفحہ پر ہے۔
در زمانۂ عمر غسان قوم جبلہ بن ایہم نصرانی شدہ۔
یعنی عہد فاروقی میں مرتدین کی سرکوبی حضرت فاروق نے کی۔ لہذا مفسر شیعہ نے تسلیم کر لیا کہ آیت مذکورہ کا مصداق شیخین ہوئے۔ اور ان اوصاف کے حامل بھی یہی قوم تھی جن کا ذکر آیت میں ہوا ہے۔ بلکہ آگے چل کر یہی مفسر واضح الفاظ میں اعتراف کرتا ہے۔
"نقل کردہ اند کہ آیت دربارہ ابو بکر است و اصحاب او کہ با اہل ردہ کارزار کردند"
لیجئے اب شک یا تاویل کی گنجائش کہاں باقی رہی، مگر اس کے باوجود آدمی جب بہکنے لگے تو اسے کون روکے۔ چنانچہ تفسیر قمی میں علی ابن ابراہیم قمی نے لکھا ہے کہ یہ آیت امام مہدی کے حق میں نازل ہوئی۔ دلیل یہ دی ہے کہ آیت میں "سوف" کا لفظ ہے جو استقبال کو چاہتا ہے۔ بعد والا زمانہ مراد ہے۔ لہذا اس کے مصداق امام مہدی ہونگے۔
حیرت ہے کہ مفسر صاحب کی نگاہ "من یرتد منکم" پر کیوں نہ رکی۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ تم حاضرین میں سے جو مرتد ہوں گے۔ ان کی سرکوبی کے لیے ایک قوم کھڑی کی جائے گی۔ تو کیا اُس زمانہ کے مرتدین امام مہدی کے زمانہ تک زندہ رہیں گے اور ان کے زمانہ میں ارتداد کا اظہار کریں گے؟
دوسرا جواب یہ کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ انہوں نے صفین اور جمل دو جنگیں لڑیں۔ اس پر بحث ہو چکی، مگر ایک دو باتیں مزید بتا دینا مناسب ہے۔
(۱) صاحب تفسیر منہج الصادقین نے حضرت علی کے متعلق لکھا ہے۔ ہم چنانکہ در زمانہ رسولؐ خدا با کفار حرب کرد و بعد از فوت آں حضرت نیز با فجار جہاد کرد۔ (۳: ۲۵۳)

گویا مفسر شیعہ نے انہیں کافر نہیں بلکہ فاجر تسلیم کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ اہل ایمان تھے۔ اہل قبلہ تھے، مرتد نہیں تھے۔ پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ:۔

نیز روزے صحابہ را فرمود کہ منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ۔ یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ایسے ہوں گے۔ جو قرآن کی تفسیر و تاویل میں جنگ کرے گا۔ جیسے میں نے قرآن کی تنزیل پر جنگ کی ہے۔ صاف ظاہر ہے تاویل و تفسیر قرآن میں اختلاف قرآن پر ایمان لانے پر ہوگا۔ مگر اس کا انکار کفر کی وجہ سے ہوگا۔ یعنی اے علی تم قرآن کی تفسیر منوانے کے لئے جنگ کرو گے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت علی کی جنگ مسلمانوں سے تھی۔ مرتدوں سے نہیں تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق خلفائے ثلثہ ثابت ہوئے۔ وہ اور ان کے متبعین ان اوصاف کے حامل قرار پائے، جو آیت میں درج ہیں۔ اور خلفائے ثلثہؓ ہی اذلۃ علی المؤمنین اور اعزۃ علی الکافرین ثابت ہوتے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور مذہب اہل سنت کی حقانیت اس آیت سے ثابت ہوگئی۔

آیت ۲ انما ولیکم اللہ ورسولہٗ الخ۔

ربط آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ آیات یہود و انصاریٰ سے ترک موالات کے سلسلہ میں نازل ہوئیں، جہاں تک شان نزول کا تعلق ہے یہ آیت حضرت عبادہ بن صامتؓ کے حق میں نازل ہوئیں جب انہوں نے یہود و انصاریٰ سے دوستی ترک کی۔

تفسیر ابن کثیر ۲: ۷۱ - وقد تقدم فی الاحادیث التی اوردناھا ان ھذہ الآیات کلھا نزلت فی عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہٗ حین تبرأ من حلف الیھود۔ ورضی بولایتہ

ترجمہ:۔ ہماری بیان کردہ گزشتہ احادیث میں گزر چکا ہے کہ ساری آیتیں عبادہ بن الصامتؓ کے حق میں نازل ہوئیں جب یہود کے حلیف ہونے سے براءت کا اظہار کیا اور اللہ و رسول کے ساتھ

اللّٰہ و رسولہٖ والمؤمنین۔ دوستی رکھنے پر راضی ہوئے۔

شیعہ کا دعوی ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی پھر ویؤتون الزکوٰۃ کی تائید میں حالت نماز میں انگشتری دے دینے کی روایات پیش کر دی۔ محدثین کے نزدیک ان روایات کی حقیقت علامہ ابن کثیر سے سنئے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲: ۷۱)

ولیس یصح شیئ منہا "یعنی جو روایات حضرت علی کی انگشتری بالکلیۃ لضعف اسنادھا کے متعلق بیان ہوئیں۔ ان میں کوئی ایک بھی وجہالۃ رواتہا و رجالہا۔ صحیح نہیں"

ان کے اسناد ضعیف، راوی مجہول ہیں۔ ان میں نکارت و جہالت ہے"

آیت قرآنی کا مفہوم واضح ہے حضرت عبادہ سے کہا گیا ہے کہ تمہارے دوست اللّٰہ و رسول اور مومنین ہیں جو خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں وہی دوستی کے لئے کافی ہیں۔

اب ذخیرہ کتب شیعہ سے روایات پیش کی جاتی ہیں جو اس واقعہ سے متعلق بتائی جاتی ہیں۔

(۱) منہج الصادقین ۳: ۲۵۸۔

وخاتم عقیق خود راکہ در انگشت مبارک داشت باوسائل داد۔

(۲) منہج الصادقین ۳: ۲۵۱

رسولؐ خدا نے سائل سے پوچھا کہ کچھ ملا تو

گفت نعم خاتم من فضہ داد۔

(۳) منہج الصادقین ۳: ۲۶۲

ما ذا اعطیت گفت خاتم من فضہ۔

(۴) تفسیر صافی صد ۱۵۱ہم

ویمکن التوفیق بین ما رواہ فی الکافی ان المصدقہ بہ کان حلۃ وبین ما رواہ غیرہ الی ان قال انہ خاتما لعلہ تصدق

فی رکوعہ مرۃ بالحلۃ و اخری بالخاتم۔

"اصول کافی کی روایت دکہ چادر دی جس کی قیمت ایک ہزار طلائی تھی) اور دوسری روایات میں خاتم ہے۔ ان میں موافقت کی صورت یہ ہے کہ ایک بار چادر دی اور دوسری بار خاتم دی۔

اصول کافی امام مہدی کی مصدقہ ہے اس میں یہ روایت ص۱۶۷ پر درج ہے۔

(۵) مناقب شہر بن آشوب ۳: ۴ - رسول خدا نے پوچھا:

ھل اعطاک احد شیئاً قال نعم خاتم فضۃ و فی روایۃ خاتم من ذھب۔

(۶) تفسیر صافی ۲: ۴۵۰،

وکان امیر المؤمنین فی صلوٰۃ الظھر و قد صلی رکعتین و ھو راکع و علیہ حلۃ قیمتھا الف دینار۔

یہ چادر نجاشی نے بطور تحفہ رسول کریمؐ کو دی تھی اور آپ نے حضرت علی کو دے دی تھی۔

(۷) اصول کافی ص۱۶۷ - امام جعفر سے روایت ہے۔

فجاء السائل فقال السلام علیک یا ولی اللہ و اولی بالمؤمنین من انفسھم تصدق علی مسکین فطرح الحلۃ الیہ و اومأ بیدہ ان احمل۔

"اس روایت سے کئی نکات ظاہر ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ سائل نے حضرت علی کو اس وصف سے مخاطب کیا جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کا بیان فرمایا کہ:-

"النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم" تو معلوم ہوا کہ حضرت علی سائل کے نزدیک نبی تھے، بلکہ النبی تھے۔ جن کے متعلق خدا نے قرآن میں

یہ الفاظ بیان فرمائے۔

دوم یہ ہے کہ سائل ایسا بدتمیز تھا کہ اتنا انتظار بھی نہ کیا کہ آپ نماز سے فارغ ہولیں اور سوال کرکے ان کی توجہ خدا سے ہٹاکر اپنی طرف کرنے کی کوشش کی۔

سوم یہ کہ حضرت علی نے اپنے رب سے تعلق معطل کیا۔ اور مخلوق کی طرف متوجہ ہو گئے۔

چہارم یہ کہ نماز کی حالت میں چادر اتاری اور سائل کی طرف پھینک دی۔ اور ظاہر ہے کہ پھینکنے کے لئے اسے لپٹا اور اکٹھا کیا ہوگا۔

پنجم یہ کہ پھر اسے اشارہ کیا ہوگا۔ کہ چادر اٹھائے۔ واقعی کیا عجب نماز تھی کہ یا سکلیہ مخلوق کی طرف متوجہ ہو کے طویل معاملہ کیا ہوگا۔

کیا حضرت علی کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ اسی نوع کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

(۸) مجمع البحرین و مطلع النیرین ص۹۲ حاشیہ پر بلفظ ولاء۔۔۔۔۔۔

روی عن الصادق ان الخاتم الذی تصدق به امیر المؤمنین وزن حلقته اربعة مثاقیل فضه ووزن فصه خراج الشام ستة مائة جمل فضه - واربعة احمال من الذهب وهو بطوار بن الحران قتله امیر المؤمنین واخذ الخاتم من اصبعه۔	ترجمہ:۔ امام جعفر صادق سے روایت مروی ہے کہ جو انگوٹھی حضرت علی نے صدقہ میں دی تھی۔ اس کے حلقہ کا وزن چار مثقال چاندی کے برابر تھا اور اس کے نگینہ کا وزن شام کے خراج کے برابر یعنی ۶۰۰ اونٹ کے بوجھ کے برابر چاندی اور چار اونٹوں کے بوجھ کے برابر سونا۔ اور وہ انگوٹھی حضرت علی نے ایک کافر بطوار بن الحران کو قتل کرکے اس کی انگلی سے اتاری تھی۔

امام جعفر صادق کی اس روایت میں تو وہ کمال دکھایا ہے کہ باید و شاید مثلاً

ا:۔ خاتم کے حلقہ کا وزن چار مثقال چاندی تھا۔

ب:۔ خاتم کے نگینہ کا وزن شام کے خراج کے برابر تھا۔ یعنی ۶۰۰ اونٹ چاندی اور

چار دنب سونے کے وزن کے برابر سونا۔

(ج) یہ انگشتری ایک کافر طوار بن حسان کی انگلی میں تھی۔ کتنا دیو ہیکل وہ کافر ہوگا۔۔
جس کی ایک انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کے نگینہ کا وزن ۴۰۶ اونٹ کے بوجھ کے
برابر تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ انسان ہوگا جس نے انگلی میں اتنا بوجھ اٹھا رکھا تھا۔

(د) حضرت علی نے اسے قتل کیا اور انگوٹھی اتار کے خود پہن لی۔ مال غنیمت سمجھا ہوگا۔
مگر تاریخ میں کسی ایسے واقعہ کا سراغ نہیں ملتا کہ کسی تصادم میں حضرت علی نے
اس نام کے کسی کافر کو قتل کیا اور مال غنیمت کے طور پر اس کی انگوٹھی اپنے قبضہ میں
لے لی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ نبی کریمؐ کے عہد کی بات ہے۔ جس میں مال غنیمت کی
تقسیم خود نبی کریمؐ فرمایا کرتے تھے۔

(ر) کوئی ماہر ریاضیات اس معمہ کو حل کر کے دکھائے کہ ایک انسان جو نبی کریمؐ کے دور کا
ہو اپنے ہاتھ کی انگلی میں ۴۰۶ اونٹوں کے بوجھ کے برابر وزنی انگوٹھی لٹکائے پھرے۔

(س) یہ کوئی خواب نہیں بیان ہو رہا۔ بلکہ امام جعفر صادق کی روایت ہے جو اس عالم
ناسوت میں عالم بیداری سے تعلق رکھتی ہے۔

(ص) حضرت علی نے وہ انگوٹھی اپنی انگلی میں کس نیت سے پہنی اگر زینت مقصد تھا تو
یہ ناجائز ہے۔ اور اگر اتباع سنت مقصد تھا تو حضورؐ نے کب ایسی انگوٹھی پہنی
اور دور نبویؐ میں حضرت علی کو کب یہ ضرورت تھی کہ حکمناموں پر مہر کرنے کے لیے
انگوٹھی پہنتے۔ یعنی جس کے نگینہ کا وزن ۴۰۶ اونٹ کے بوجھ کے برابر ہو۔ چنانچہ
استبصار ۲: ۱۸۹۔

یجوز لبس الخاتم اذ کان القصد السنۃ دون ان یکون القصد بہ الزینۃ	ترجمہ:۔ اگر اتباع سنت کی نیت ہو زینت مقصد نہ ہو تو انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

اور فروع کافی ۶: ۴۶۸

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لامیر المؤمنین لاتختم بالذھب فانہ زینتک فی الآخرۃ۔	ابو عبد اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے امیر المؤمنین سے فرمایا سونے کی انگوٹھی نہ پہننا وہ تمہارے لیے آخرت میں زینت ہوگی۔
قال امیر المؤمنین علیہ السلام لا تختموا بغیر الفضہ و عن ابی عبد اللہ قال لا تجعل فی یدک خاتما من ذھب۔	امیر المؤمنین نے فرمایا چاندی کے بغیر کوئی انگوٹھی نہ پہنو۔ اور امام جعفر سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی نہ پہننا۔

ان آٹھ روایات کا سرسری جائزہ لیجئے۔

(۱) انگوٹھی عقیق کی تھی۔ (۲) انگوٹھی چاندی کی تھی۔

(۳) انگوٹھی چاندی کی تھی۔ (۴) انگوٹھی نہیں چادر تھی۔

(۵) انگوٹھی چاندی کی تھی یا سونے کی تھی۔

(۶) انگوٹھی نہیں چادر تھی جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔

(۷) چادر تھی جو نماز کی حالت میں پھینک دی گئی۔

(۸) انگوٹھی چاندی کی تھی جس کے حلقے کا وزن ۴ مثقال اور نگینہ کا وزن ۴۰ اونٹ کے بوجھ کے برابر تھا جو ایک کافر نے پہن رکھی تھی۔ اور حضرت علی نے اسے قتل کر کے اس کے ہاتھ سے اتار لی۔

ان متضاد بیانات اور ناممکن الوقوع حالات میں سے حقیقت تلاش کیجئے ممکن ہے کسی نکتہ سنج کو حقیقت کی کوئی جھلک نظر آ جائے۔ آخر دنیا میں کیا نہیں ہوتا۔

آیئے! دیکھیں کہ وہ سائل کون تھا جو اتنا جری اور موقع شناس واقعہ ہُوا ہے۔

اصول کافی ص۱۷۸ اور تفسیر صافی ص۲:۵۰

والسائل الذی سأل امیر المؤمنین علیہ السلام من الملائکۃ۔

اور الصافی شرح اصول کافی ۳: ۲۹۰ پر خلیل قزوینی نے لکھا ہے۔

سائل کہ سوال کرد امیر المؤمنین را از ملائکہ بود۔

زکوٰۃ و صدقہ شریعت کی رُو سے صرف دے دینا کافی نہیں، بلکہ صحیح محل پر دینا ضروری ہے۔ ورنہ وہ صدقہ مقبول نہیں، مردود ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت علی عالم ما کان و ما یکون تھے تو کیا انہیں علم نہ ہوا کہ یہ فرشتہ ہے۔ انسان نہیں۔ اور اگر علم ہو گیا تو کیا انہیں شریعت کے متعلق اتنی واقفیت بھی نہ تھی کہ فرشتہ کو اس کی احتیاج نہیں لہٰذا یہ محل صدقہ نہیں اور کیا انہیں یہ بھی علم نہ تھا کہ یہ عمل مقبول نہیں اگر علم تھا تو یہ نیکی شمار ہوگا۔ یا فعل عبث ظاہر ہے کہ غیر محل پر صدقہ دینا فعل عبث ہے، ناجائز ہے، نامقبول ہے، کوئی نیکی نہیں۔ تو ایسا فعل حضرت علی کی فضیلت کا باعث کیونکر بنا؟

اب آیئے! آیت کے چند الفاظ پر غور کرتے ہیں۔

آیت میں دوستی کے قابل اہل ایمان کے اوصاف میں سے دو وصف بیان ہوتے ہیں۔ یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ۔

جس طرح اصطلاح شریعت میں صلوٰۃ ایک خاص مقررہ ہیئت سے عبادت کرنے کا نام ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی اصطلاح شریعت میں اس صدقہ کو کہتے ہیں جو اس مال کا اڑھائی فیصد ہے۔ جو آدمی کے پاس سال بھر جمع رہے اگر زکوٰۃ کا مدلول انگوٹھی یا چادر ہے تو یہ دیکھنا پڑے گا۔ کہ حضرت علی کے پاس حضورؐ کے زمانے میں کبھی نصاب کے مطابق مال جمع بھی رہا ہے، پھر یہ دیکھنا پڑے گا کہ اگر ایک ہزار دینار کی چادر تھی۔ تو کتنے مال کا اڑھائی فیصد بنتا ہے۔ اگر ان کے پاس مال ہی نہ تھا تو زکوٰۃ کس کی، اگر

زکوٰۃ نہیں تھی تو آیت قرآنی کا مدلول کیونکر بنا۔

حضورؐ کے زمانے میں تو حضرت علی کے تمول کی حالت یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح کے وقت سارا خرچ حضرت عثمان نے دیا۔ ان کے پاس لے دے کے صرف ایک زرہ تھی اور آپ کے عہد خلافت کی حالت اصول کافی باب سیرۃ الامام میں یوں درج ہے

"عن حماد بن عثمان قال حضرت ابا عبد الله علیه السلام فقلت له اصلحك الله ذكرت ان علی بن ابی طالب كان یلبس الخشن یلبس القمیص باربعة دراهم وما اشبه ذلك ونری علیك اللباس الجدید فقال له ان علی ابن ابی طالب كان یلبس ذلك فی زمان لا ینكر علیه ولو لبس مثل ذلك الیوم شهر به فخیر لباس كل زمان لباس اهله"

"خلاصہ یہ کہ امام جعفر نے تصدیق کی حضرت علی ایک روپیہ یا کم و بیش قیمت کی قمیص پہنا کرتے تھے۔ تو ایک ہزار دینار طلائی کی قیمت کی انگوٹھی کس مال کی زکوٰۃ کے طور پر دے دی"

یہ تو بالکل گورکھ دھندا سا بن جاتا ہے کاش کوئی اسے حل کر سکے۔

خاتم کے واقعہ میں مزید رنگ بھرنے کے لئے شیعہ کتب میں تقابل بیان ہُوا ہے۔ اس کا جائزہ لینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر صافی ۲ : ۴۵۲

روی عن عمر ابن الخطاب انه قال والله لقد تصدقت باربعین خاتما وانا راكع لینزل فی ما نزل فی علی فما نزل۔

"یعنی حضرت عمر نے حالت رکوع میں چالیس انگشتریاں صدقہ کیں کہ میرے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہو جائے۔ جیسی حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی مگر ناکامی ہوئی"

اور تفسیر منہج الصادقین ۳: ۲۶۳

"چوں صحابہ آنرا دید ہر کس کہ انگشتری داشت صدقہ بداد چہار صد انگشتری باعرابی رسید اعرابی شاد شد"

"صحابہ نے حضرت علی کی ریس کرتے ہوئے انگشتریاں صدقہ میں دے دیں اور اس طرح بدو کو ۴۰۰ انگشتریاں مل گئیں"

(یہ نہیں بتایا کہ صحابہ نے بھی اپنے حق میں آیت نازل ہونے کے لیے یہ کام کیا تھا یا ویسے ہی ان کا جذبۂ ایثار جوش میں آگیا)

تقابل تو خوب ہے کہ مگر اس سے کئی اور نتائج بھی نکلتے ہیں۔ مثلاً

(۱) حضرت عمر اور دیگر صحابہ عمل صالح کے اتنے حریص تھے کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

(۲) حضرت عمر کے حق میں آیت نازل نہ ہوئی۔ بھلا کیونکر ہو سکتی تھی۔ ان کی انگوٹھی ۶، ماشہ کی نہیں تو ایک تولہ کی ہوگی۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتی۔ ۶۰۴ اونٹوں کے بوجھ کے برابر یا اس سے زیادہ وزنی ہوتی تو نزول آیت کی توقع کرنا بھی بجا تھا۔ ایک ننھی منھی انگوٹھی خواہ وہ تعداد میں چالیس سہی آدھ سیر سے زیادہ پھر بھی نہیں ہو سکتی اس پر آیت کے نزول کی امید رکھنے میں کیا تک ہے۔

اور حضرت عمر کی وہ انگوٹھیاں اپنی ذاتی ہوں گی۔ کسی کافر کے ہاتھ سے اتار کے دیتے تو کوئی بات بھی تھی۔

پھر یہ کہ انہوں نے صدقہ دیا زکوٰۃ تھوڑی ہی دی اور اگر زکوٰۃ دیتے تو اس مال کی دیتے جو ان کے پاس سرے سے موجود ہی نہ ہوتا، تب ممکن ہے آیت نازل ہو جاتی۔

(۳) صحابہ کا صدقہ اعرابی کو ملا یعنی شرعاً اپنے محل پر صرف ہوا۔ لہذا مقبول ہوا اور حضرت علی نے زکوٰۃ دی فرشتے کو ظاہر ہے غیر محل پر صرف ہوئی۔ اور غیر محل پر زکوٰۃ کب مقبول ہوتی ہے۔ اس لئے صدقہ مقبول اور غیر مقبول کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ خاتم یا حلہ کا واقعہ فرضی ہے اس کا سارا تانا بانا فرضی ہے اور کسی

صورت میں آیت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا اور یہ کہنا کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی محض افسانہ ہے۔

اہل سنت نے جہاں کہیں ایسی روایات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں راوی لازماً شیعہ یا مجہول ہے وہ روایت ضعیف یا موضوع ہے جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں وضاحت کر دی ہے۔ پھر ان روایتوں میں سائل کا فرشتہ ہونا کہیں مذکور نہیں۔

سائل کے متعلق ایک اور موقف اختیار کیا جاتا ہے کہ وہ فرشتہ امتحان کے لئے آیا تھا۔ یہ موقف دو اعتبار سے بودا نظر آتا ہے۔ اول جب مدعیان کو یہ تسلیم ہے کہ حضرت علی معصوم ہیں۔ عالم ما کان و ما یکون ہیں تو امتحان کا مقصد کیا ٹھہرا۔ دوم یہ کہ امتحان کے لئے جن مواقع پر فرشتوں کا آنا فرض کر لیا گیا ہے۔ وہاں تو فرشتوں نے کوئی دنیوی چیز اپنے قبضہ میں نہیں کی، مگر یہ فرشتہ تو انوکھا نکلا کہ چادر یا انگوٹھی لے کر چلتا بنا۔ نہ جانے انہیں کہاں پھینکا ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں فرشتے کے کام کی تو تھیں نہیں۔ چادر یا انگوٹھی آدمی کے کام تو آ نہ سکی کیونکہ سائل فرشتہ تھا۔ اور فرشتے کے لئے بیکار تھی کہ اسے احتیاج نہیں تھی۔ خدا جانے رکوع کی حالت میں دی ہوئی زکوٰۃ کس کھاتے لگی۔

ربط آیات اور شان نزول بیان کرنے کے بعد اب اس آیت کی تفسیر کا ذکر کرنا ضروری ہے چونکہ انما ولیکم اللہ سے لے کر ان حزب اللہ ھم الغالبون تک ایک ہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اس لئے ان دو آیات کی تفسیر یکجا بیان کی جاتی ہے

دوسری آیت کے آخر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والوں کو حزب اللہ کہا گیا ہے اور ان کے غلبہ کا یقینی ہونا تاکید سے بیان ہوا ہے۔ اہل ایمان کے لئے حزب اللہ کا سرٹیفکیٹ اللہ و رسول سے محبت اور ان کی اتباع کی بنا پر دیا گیا۔ لہذا رسول کے غلبہ میں تو شبہ ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو رسولوں کے غالب رہنے کی بار بار خبر دی ہے۔ اور دوسری طرف کسی رسول کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ وہ مغلوب یا اپنے مشن میں ناکام رہا ہو، چنانچہ ارشاد باری ہے۔

(۱) وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ۔

اور کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے۔ یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ۔ پس ان رسولوں پر ان کے رب نے (تسلی کے لئے) وحی نازل فرمائی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔ اور ان کے (ہلاک کرنے کے) بعد تم کو اس زمین پر آباد رکھیں گے اور یہ ہر اس شخص کے لیے (عام) ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور میرے وعید سے ڈرے۔

(۲) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ۔

اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بیشک وہی غالب کئے جاویں گے۔ اور (ہمارا تو قاعدہ عام ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔

(۳) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۔

اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبران کی قوموں کے پاس بھیجے اور ان کے پاس دلائل لے کر آئے۔ سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا۔ جو مرتکب جرائم ہوئے تھے اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

(۴) إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ۔

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے (فرشتے جو اعمالنامے لکھتے تھے) کھڑے ہوں گے۔

(۵) وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔

اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکیم ہے۔

(۶) إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا

اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی

غَالِبَ لَكُمْ وَ اِنْ يَّخْذُ
لْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ
يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ
(۷) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ
فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ
حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ
اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ كَتَبَ
اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ
اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔
لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ
يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ
وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا
اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ
اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ
اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ
الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ
مِّنْهُ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ

بھی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں
تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ
دے (اور غالب کر دے۔)
ان پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے سو
اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی۔ یہ لوگ شیطان
کا گروہ ہے۔ خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ ضرور
برباد ہونے والا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے
رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ سخت ذلیل لوگوں
میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے
حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر
غالب رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا
غلبہ والا ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے
دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ
ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے لوگوں سے دوستی
رکھتے ہیں۔ جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں
گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ
ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے
ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان (قلوب) کو
اپنے فیض سے قوت دی ہے۔ اور
ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا۔
جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔
جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ
تعالیٰ ان سے راضی ہو گا۔ اور وہ اللہ

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ	سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا
حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ	گروہ ہے۔ خوب سن لو کہ اللہ ہی گروہ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔	فلاح پانے والا ہے۔

تفسیر ابن کثیر ۲:۱، میں اسی حقیقت کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

فکل من رضی بولایة	ترجمہ:۔ اور ہر وہ شخص جو اللہ، اس کے
اللہ و رسولہ والمؤمنین	رسول اور اہل ایمان کی دوستی پر راضی ہوگیا
فهو مفلح فی الدین	وہ دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والا
والاخرة و منصور فی	ہے۔ اور دنیا اور آخرت میں مدد پانے والا
الدنیا والاخرة ولذا	ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو
قال و من یتول اللہ	اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان سے
رسولہ والذین اٰمنوا	دوستی رکھے گا۔ سو اللہ کا گروہ بلاشک
فان حزب اللہ ھم	غالب رہے گا۔
الغالبون۔	

ان آیات میں سابقہ رسولوں اور ان کے متبعین کو غلبہ کی بشارت دی گئی ہے، بلکہ یہ یقین دہانی کرائی گئی ہے اور ساتویں آیت میں توضاحت سے دو جماعتوں کا ذکر ہے ایک حزب اللہ اور دوسری حزب الشیطان۔ رسولوں اور ان کے متبعین کی جماعت ہی حزب اللہ ہے اور اسی کے لیے غلبہ مقدر ہو چکا ہے۔ اس جماعت کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔

(۱) یہ جماعت ہمیشہ غالب رہے گی۔

(۲) انکی محبت اور دوستی اللہ و رسول کے بغیر کسی سے نہ ہو گی مقابلے میں خواہ ماں باپ ہوں یا اقربا۔

(۳) وہ جماعت خدا کی پسندیدہ ہے اور اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔

(۴) ان کے دل قرآن کے نور سے منور ہوں گے۔

(۵) یہ جماعت جنتی ہے۔

اس عمومی قانون کے علاوہ نبی کریمؐ کے متعلق ارشاد فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین (اسلام) دیکر (دنیا میں) بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔

اور حضورؐ کے متبعین کو حکم دیا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ ؕ

اور تم ان (کفار) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے۔

اور ظاہر ہے کہ غلبہ اجتماعی قوت سے ہوتا ہے اور اجتماعی قوت کا مدار اتحاد و اتفاق اور باہمی الفت پر ہے لہٰذا حضورؐ کی بعثت کے دوران یہ مقصد بیان ہوئے حضورؐ نے قبائل عرب میں ایسا اتحاد قائم کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہ اوس و خزرج جو صدیوں سے آپس میں برسر پیکار تھے۔ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ دوئی کا نشان مٹ گیا۔ اور اجتماعی قوت کا اظہار غزوۂ تبوک تک اس انداز میں ہوا کہ آج تک ارباب سیاست انگشت بدنداں ہیں مگر عملاً یہ تمام پیشگوئیاں خلفائے ثلاثہ کے عہد میں پوری ہوئیں۔ اس وقت کی منظم اور جابر حکومتوں ایران و رُوم کو خلفائے ثلاثہ نے مغلوب کیا۔ لہٰذا یہی جماعت حزب اللہ ہے۔ ان آیات کی مصداق یہی جماعت ہے۔ ان کا ہاتھ رسول کا ہاتھ ہے جس نے کفر کی کمر توڑ کے رکھدی اور لیظهره علی الدین کله کی عملی تفسیر کرکے دنیا کو دکھا دیا۔ تمام صحابہ اور اہل بیت کی جماعت حزب اللہ ہے جس نے خلفائے ثلاثہ کی قیادت میں کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی کی عملی تفسیر کرکے دکھادی۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے۔ اور ان آیات کا مصداق یہی ہے۔ لہٰذا دین حق مسلک اہل سنت والجماعت ہی ہے۔

ان آیات کی روشنی میں مذہب شیعہ کے عقائد کا جائزہ لیا جائے تو عجیب مایوسی ہوتی ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ سلمان فارسی، مقداد اور ابوذر کے سوا سب صحابہ مرتد ہو گئے۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو نبی کریمؐ کی کامیابی کا ثبوت کہاں سے لائیں گے۔ حضورؐ کی ۲۳ برس کی کوشش کا ماحصل صرف تین آدمی ہیں؟

پھر حضورؐ کے بعد غلبہ تو خلفائے ثلاثہ کو ہی حاصل ہوا۔ اگر معاذ اللہ یہ مرتد تھے تو غلبہ تو کفر کو ہوا، پھر کتاب اللہ لاغلبن انا و رسلی کیا نری شاعری ہے۔ اور غلبہ جب حزب اللہ کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ تو ان کے مخالفین کی جماعت کا نام کیا رکھو گے۔ ان کے غلبہ سے انکار تو کیا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے۔

پھر اگر خلافت بلافصل کے دعویٰ کو دیکھا جائے۔ تو اس خلافت میں غلبہ چھوڑ امن بھی نصیب نہیں ہوا۔ تو فان حزب اللہ ھم الغالبون کی تفسیر کہاں تلاش کرو گے

پس حق یہی ہے کہ غلبہ صحابہ کرام کو ہی حاصل ہوا۔ جن کی قیادت خلفائے ثلاثہ نے کی۔ یہی جماعت حزب اللہ ہے۔ ان آیات کا مصداق یہی جماعت ہے اگر خلفائے ثلٰثہ اور صحابہ کو حزب اللہ نہیں مانو گے تو حزب الشیطان کی زد میں مغلوبین لازماً آئیں گے، مگر اس توہین کا تصور وہی کر سکتا ہے جسے قرآن کی حقانیت پر ایمان نہ ہو۔

اس تفصیل سے آیت انما ولیکم اللہ و رسولہ الخ کی کافی وضاحت ہو گئی کہ مرتدین کے خلاف لڑنے والی یہی خلفائے ثلٰثہ کی جماعت تھی۔ یہی اذلۃ علی المؤمنین تھی، یہی اعزۃ علی الکافرین۔

یہ اللہ کی پسندیدہ جماعت تھی۔ کفار اور مرتدین پر غلبہ اسی جماعت کو حاصل ہوا۔ آیت کی مصداق یہی جماعت ہے۔ اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور یہی حق ہے۔

اس مقام پر اس دعویٰ کی تردید ذرا اور تفصیل سے کی جاتی ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ آیت کا مصداق حضرت علی ہیں۔ انہوں نے جمل اور صفین میں جنگ کی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے ایسی جنگوں کے متعلق وضاحت فرما دی کہ

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ	سو اگر (اس کے بعد بھی) توبہ کریں تو ان
وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمْ	کے لیے (دونوں جہان میں) بہتر ہوگا۔

اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَا لَھُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔	اور اگر رو گردانی کی تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا۔ اور ان کا دنیا میں کوئی یار ہے، نہ مددگار۔

صاف ظاہر ہے کہ مرتدین سے صلح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صورتیں دو ہوں گی یا تو وہ تائب ہو کر صحیح مسلمان بن جائیں یا انہیں قتل کر کے ان کا صفایا کر دو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جنگ صفین کا نتیجہ کیا نکلا۔

(۱) کیا حضرت علی نے امیر معاویہ سے صلح کی؟ اگر کی تو کیوں؟ اگر نہیں کی تو امیر معاویہ تائب ہوئے، اگر نہیں تو کیا حضرت علی نے انہیں قتل کر کے ان کا خاتمہ کیا؟ اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو آیت کا مصداق حضرت علی کیونکر ٹھہرے؟

پھر آیت میں اعلان ہے کہ حزب اللہ غالب رہے گا۔ تو کیا ۴۲ برس تک امیر معاویہ کے غلبہ کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اگر حضرت علی کے ہاتھ پر امیر معاویہ تائب بھی نہ ہوئے اور حضرت علی ان کا خاتمہ بھی نہ کر سکے۔ تو کس دلیل سے انہیں آیت کا مصداق قرار دیا جاتا ہے۔

آیت مندرجہ بالا فان یتوبوا الخ کا ترجمہ شیعہ تفسیر منہج الصادقین کے الفاظ میں پڑھیے:۔

"پس اگر توبہ کنند از نفاق باشد آں بازگشت بتر مر ایشاں را۔ و اگر بر گردند از توبہ و مصر باشند بر نفاق عذاب کند خدا ایشاں را عذابِ دردناک در دُنیا بکشتن و در آخرت بسوختن و نیست ایشاں را در زمین ہیچ دوستے و متولی امرے و یارے و مددگارے کہ عذاب از ایشاں باز دارد۔"

اور شیعہ تفسیر صافی ص۱۶۷ میں یہ ترجمہ درج ہے۔

فان یتوبوا یک خیرا لھم وان یتولوا بالاصرار علی النفاق یعذبھم اللہ عذابا	سو اگر توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر نفاق پر اصرار کر کے رو گردانی کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا

الیما فی الدنیا والاخرۃ — یعنی قتل اور جہنم کی سزا۔ اور دنیا میں
ای بالقتل والنار وما لھم — کوئی ان کا دوست ہوگا، نہ مددگار۔
فی الارض من ولی ولانصیر — یعنی جو انہیں سزا سے بچائے۔
ای فینجیھم من العذاب

ظاہر ہے کہ اس آیت کے مطابق منافقین کے خلاف جنگ کا نتیجہ یا توان کی توبہ کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ یا ان کے قتل کی صورت ہیں۔ اور حضرت علی اور امیر معاویہ کی جنگ میں ان میں سے کوئی صورت بھی پیش نہیں آئی۔ لہٰذا اس آیت کو جنگ جمل یا صفین پر فٹ کرنا بالکل بے جوڑ سی بات ہے۔

جس کامل آیت کا یہ ٹکڑا ہے۔ اس کے پہلے حصے پر غور کرنے سے کئی امور کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ الفاظ ہیں:

یحلفون باللہ ما قالوا ولقد — وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں۔ کہ ہم نے غلائی
وقالوا کلمۃ الکفر وکفروا — بات نہیں کی۔ حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات
بعد اسلامھم وھموا — کہی تھی۔ اور (وہ بات کہہ کر) اپنے اسلام (ظاہری)
بما لم ینالوا وما — کے بعد (ظاہر میں بھی) کافر ہو گئے۔ اور انہوں نے
نقموا الا ان اغنھم — ایسی بات کا ارادہ کیا تھا۔ جو ان کے ہاتھ نہ لگی۔
اللہ ورسولہ من — اور یہ کہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا کہ انہیں
فضلہ۔ — اللہ اور رسول نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا۔

اگر بقول شیعہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نبی کریمؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی خلفائے ثلثہ اور دیگر صحابہ مرتد ہو گئے۔ اور نفاق کی زندگی بسر کرنے لگے، تو وہ وکفروا بعد اسلامھم کے مصداق بن گئے۔ تو آیت میں ان کے متعلق ارشاد ہے۔

(۱) وھموا بما لم ینالوا یعنی جس کام کا قصد کیا اس میں ناکام ہوئے، اپنے دنیوی مقصد میں انہیں کبھی کامیابی نصیب نہ ہوگی۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ خلفائے ثلثہ نے کس امر کا قصد کیا اور اس میں ناکام ہوتے۔ کیا انہیں خلافت ملنا ان کی ناکامی کی

دلیل ہے۔ یہ جو غصب فدک کا قصہ گھڑ لیا گیا ہے۔ یہ ان کی ناکامی کی دلیل ہے۔ یہ ایک لاکھ کئی ہزار صحابہ کا ان کے ساتھ متفق ہو جانا۔ یہ ان کی ناکامی کی دلیل ہے۔ اگر ہر پہلو میں ان کی کامیابی سامنے آتی ہے۔ تو آیت کی مصداق تلاش کیجئے۔ ذرا پلٹ کے اپنے اس دعویٰ پر غور کرو کہ "خلیفہ بلافصل" کی خلافت چھین لی گئی۔ پھر اسے کیا کہیں گے؟ حصول فدک کے لئے کتنا زور مارا مگر نہ ملا تو اسے کیا کہیں گے؟ اس لئے آیت کے مفہوم پر غور کیا جائے تو یہ سب افسانے ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا حقیقت ظاہر ہے کہ نہ وہاں ارتداد و نفاق کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ نہ یہاں خلافت کے لئے جتن کرنے اور خلافت کے غصب ہو جانے کا حقیقت سے کوئی تعلق ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر حقائق سے صرف نظر کر کے فرضی داستانوں پر یقین کر لیا جائے تو معاذ اللہ فرمان خداوندی بے معنی ثابت ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا حصہ ہے یعذبھم اللہ عذاباً الیماً فی الدنیا ان کی دینوی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر کے ان کا خاتمہ کیا جائے گا۔ تو کیا بقول شیعہ تمام مرتد ہونیوالے صحابہ کو قتل کیا گیا اور بچ گئے تو وہی تین چار جو ارتداد سے بچے۔ اگر ایسا نہیں تو آیت کا مصداق کون ہے؟

(۳) و ما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر۔ تیسری صورت بتائی کہ دنیا میں کوئی ان کا یار و مددگار نہ ہوگا۔ مگر تاریخی حقیقت یہ ہے کہ پورا ملک اور ساری آبادی ان کے ساتھ اور ان کی مہموں میں ممد و معاون رہی۔ اور دوسری طرف بقول شیعہ حالت یہ ہے کہ چالیس روز تک سارے شہر میں پھرایا گیا، مگر کسی نے حامی نہ بھری۔ اس عقدے کا حل تو تلاش کیا ہوتا۔

اس آیت کی تفسیر کہئے یا تائید یا تفصیل ایک اور آیت سے ہوتی ہے۔

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ	یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں
وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ	خرابی ہے اور لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی)
مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ	افواہیں اڑایا کرتے ہیں۔ اگر باز نہ آئے

فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَا اِلَّا قَلِیْلًا مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا۔

تو ضرور ہم ان پر آپ کو مسلط کریں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے۔ پھر وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے۔ پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان (مفسد) لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور رکھا ہے۔ جو پہلے گزرے ہیں۔ اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے رد و بدل نہ پائیں گے۔

اس آیت سے منافقین کی تین قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) جن کے افعال و اعمال سے نفاق ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۲) جن کے دلوں میں نفاق چھپا ہوا تھا۔

(۳) جو افواج اسلامی کے خلاف بُری خبریں پھیلاتے تھے۔

آثار و علامات گو مختلف ہیں مگر نفاق سب میں قدر مشترک ہے۔ ان کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر یہ نفاق سے باز آجائیں تو بہتر ورنہ :-

(۱) ہم آپ کو انہیں قتل کر دینے کا حکم دیں گے۔

(۲) یہ لوگ مدینہ میں آپ کے قرب و جوار میں قیام نہیں کر سکیں گے۔

(۳) اگر تھوڑی سی مدت کے لیے رہ بھی گئے تو ملعون ہو کر رسوا ہو کر رہیں گے۔

(۴) پھر مدینہ سے باہر بھی جہاں پائے جائیں گے، قتل کر دیئے جائیں گے۔

(۵) یہ سنت اللہ ہے تو ہمیشہ سے جاری ہے لہٰذا منافقین مدینہ کے حق میں بھی اللہ کے اس طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

شیعہ کی مستند تفسیر صافی سے اس آیت کے متعلق ایک جھلک دیکھ لیجیے۔

"لنغرینك بهم ای لنامرنك بقتالهم و اجلائهم سن الله ذلك فی الامم الماضیة وهو ان یقتل

الـذین نافقوا الانبیاء وسعوا فی و ھنھم بالارجاف"

(ص ۳۶۷)

" یعنی ہم آپ کو یقیناً ان کے قتل کرنے اور جلاوطن کر دینے کا حکم دیں گے۔ اللہ کا یہ طریقہ پہلی امتوں میں بھی رہا ہے کہ جو لوگ انبیاء سے منافقت کرتے ہیں ان کو قتل کیا جاتا ہے۔ یہ منافقین بری خبریں پھیلا کر انبیاء اور مسلمانوں کو پریشان کرتے ہیں "

پھر تفسیر شیعہ منہج الصادقین سے اس کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

" اگر منتھی نشوند منافقاں و...... اسلام در جفان از امور منھیہ ہر آئینہ ترا بقتال ایشاں تحریص کنیم و بعد ازاں مجاورت و ہمسائگی نکنند با تو در مدینہ مگر زمانہ اندک ویا مجاورت اندک چہ در اندک فرصتے مستاصل گردند...... ہر گاہ یافت شوند ایشاں کشتہ شوند وسنت نہادہ است خدا قتل منافقاں را یعنی مقرر کردہ در امم ماضیہ کہ انبیاء بکشتند منافقان عہد خود را "

عجیب اتفاق ہوا کہ میں نے قرآن کریم کی یہ آیتیں ایک موقعہ پر ملک العلماء مولوی فیض احمد شیعہ اور سلطان المناظرین مرزا احمد علی لاہوری کے سامنے پیش کر کے ان کی امور کی وضاحت طلب کی کہ :-

(۱) خلفائے ثلثہ بقول آپ کے جب منافق تھے تو انہیں کیوں نہ قتل کیا گیا۔

(۲) انہیں مدینہ سے کیوں نہ نکالا گیا کہ ان کے لیے مجاورت نبوی ممنوع تھی۔

(۳) جو مجاورت خلفائے ثلثہ کو حاصل ہوئی یہ زمان اندک ہے۔ یا مجاورت اندک ہے۔ زندگی بھر ساتھ رہے۔ برزخ میں بھی ساتھ ہیں۔ پھر اس اندک کی پیمائش کس پیمانے سے کی گئی ہے۔

پھر اس کے برعکس شیعہ آپکے عقیدہ اور واقعات کے مطابق۔

(۱) حضرت علی مدینہ سے دور باہر شہید ہوئے۔

(۲) حضرت امام حسین بھی مدینہ سے باہر دیار غیر میں شہید ہوئے۔

تو اس وثوق سے اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی اور اس کی غیر متبدل سنت کا عقدہ حل فرمایئے۔

مولوی فیض احمد صاحب کوئی دلیل تو نہ دے سکے۔ البتہ خفت مٹانے کے لیے فرمانے لگے دیکھو یہ حضرت علی اور امام حسین کو منافق کہتا ہے۔ میں نے کہا میرا عقیدہ یہ ہے کہ ان مقدس ہستیوں کو جو شخص منافق کہے یا سمجھے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے میں نے آپ سے آپ کے عقیدہ اور مذہب کی وضاحت طلب کی ہے۔ اس کا جواب دیجئے۔ مگر جواب کہاں ؟

مرزا احمد علی صاحب نے جواب بتایا کہ خلفائے ثلثہ ان منافقین میں سے تھے۔ جو ایذا نہ دیتے تھے۔ اور یہ حکم ایذا دینے والے منافقوں کے لئے ہے۔

اس پر میں نے سوال کیا کہ آیت میں سے وہ الفاظ پیش کریں۔ جن سے آپ کی بیان کردہ تخصیص ثابت ہوتی ہے۔ آیت میں تو عموم ہے یہ حکم تو سب منافقین کے لیے ہے کہ قتل ہوں یا مدینہ سے اخراج ہو۔

اس پر مرزا صاحب کہنے لگے کہ دیکھ لو حضرت عمر مارے گئے۔ حضرت عثمان مارے گئے۔

میں نے کہا مرزا صاحب! آپ علم کے زور سے کیا کہہ رہے ہیں۔ ذرا الفاظ قرآن پر غور کریں ارشاد ہے۔ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک مخاطب نبی کریمؐ ہیں کہ ہم آپ کو ان کے قتل کا حکم دیں گے۔ پھر یہ آپ کے پڑوس میں نہیں رہیں گے۔ تو کیا حضرت عمر اور حضرت عثمان کو نبی کریمؐ نے قتل کیا تھا؟ اللہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ ان کو قتل کریں۔ قتل کے بارے میں تو آپ نے اپنی قرآن فہمی کا ثبوت دے ہی دیا۔ اس مجاورت کے عقدے کا حل بھی بتا دیں۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کو مدینہ سے نبی کریمؐ نے کب خارج کیا تھا۔ کیا حضرت عمر کی قبر مدینہ سے کہیں باہر ہے؟ کیا جنت البقیع مدینہ کی حدود سے خارج ہے ان کو تو ایسی مجاورت حاصل ہوئی اور اس مجاورت کا

سلسلہ یہاں تک دراز ہوا کہ برزخ میں بھی مجاورت ختم نہیں ہوتی۔ موت سے تو کسی کو مفر نہیں اس موت کے ساتھ جو قبور بیان ہوئی ہیں۔ ان پر آپ کی نگاہ کیوں نہیں اٹھتی۔ پھر منافقین کی جو علامات بیان ہوئی ہیں۔ کہ جس چیز کا قصد کریں گے، انہیں نہیں ملے گی۔ ان کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا۔ کیا حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ساتھ یہی حالات پیش آئے۔

اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ شیخین کے ساتھ اللہ نے جو وعدہ کیا تھا پورا کر دکھایا۔

" والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر۔"	" یعنی مظلوم مہاجرین جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی ان کو ہم دنیا میں نہایت عمدہ جگہ دیں گے۔ آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔"

زندگی میں امت مسلمہ کی قیادت اور حضورؐ کا قرب اور بعد موت روضۂ رسول جس کی شان عرش معلی سے بھی بلند ہے اور جوار رسول نصیب ہوا۔ دوسری طرف بقول آپ کے خلافت بلافصل کا قصد کیا، مگر نہ ملی۔ ائمہ نے امامت کا قصد کیا نہ ملی اور جوار رسول سے بھی محروم رہے۔

اس پر مرزا احمد علی صاحب نے میزان الاعتدال کی ایک عبارت پڑھی کہ حضرت عمر نے کہا: یاحذیفۃ باللہ انا من المنافقین۔ میں نے کہا کتاب دکھایئے، کیونکہ اس وقت میرے پاس یہ کتاب نہ تھی، مگر انہوں نے انکار کر دیا آخر ثالث کے ذریعے کتاب حاصل کی گئی۔ تو دیکھا کہ مرزا صاحب کی پیش کردہ عبارت کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں۔

وھذا محال اخاف ان یکون کذبا یعنی فاروق کی زبان سے ایسی بات نکلنا محال ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے یہ قول عمر کا نہیں تو معلوم ہوا۔ لاتقربوا الصلوٰۃ پر رک جانے کی ٹکنیک سے فائدہ اٹھانے میں "اہل علم" کا کچھ نہیں بگڑتا۔

پھر مرزا صاحب نے ابن کثیر کے حوالہ سے فرمایا

قال عمر لحذیفۃ انشدک اللہ امنھم انا۔

یہاں پھر وہی ٹکنیک اختیار کی واقعی "اوڑھ لی لوئی تو کیا کرے گا کوئی"
ابن کثیر ۲ : ۳۸۵ پر پوری عبارت یہ ہے۔

"وذکر لنا ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا مات رجل فمن یری انہ منہم نظر الی حذیفۃ فان صلی علیہ والا ترکہ وذکر لنا ان عمر قال لحذیفۃ انشدک اللہ امنہم انا قال لا"

یعنی ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمر کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی آدمی مرجاتا اور اس کے متعلق خیال ہوتا کہ منافق ہے تو آپ حضرت حذیفہ کی طرف دیکھتے اگر حضرت حذیفہ اس کی نماز جنازہ پڑھتے تو حضرت عمر بھی پڑھ لیتے، ورنہ نہ پڑھتے۔ اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کیا مجھ میں کوئی علامت نفاق کی ہے تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہیں۔ یعنی آپ علامت نفاق سے پاک ہیں"

معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ کا جواب " قال لا " مرزا صاحب کو نظر آیا۔ یا مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں سے پہلے ہی یہ الفاظ کھرچ دیئے تھے، تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ بہرحال مرزا صاحب کی " دیانتداری " کا خوب شہرہ ہوا۔

پھر اس روایت میں امنہم انا کے الفاظ کے مفہوم میں ہمزہ استفہام کو آپ گول کر گئے، اور حضرت عمر کے استفسار کو اقرار بنا دیا۔ اور استفسار کی بنیاد کمال احتیاط اور کمال تزکیہ کے بغیر اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ مگر مرزا صاحب نے کوئی بڑی بددیانتی نہ کی صرف ایک چھوٹا سا ہمزہ ہضم کر گئے۔ اور یہ سمجھا کہ سننے والے بھلا اتنی بار کیوں میں کہاں جاتے ہیں۔

بات اتنی ہے کہ صالح انسان خوف الٰہی ورع تقویٰ کی وجہ سے اپنے عیب بھی دوسروں سے پوچھتے رہتے ہیں۔ مگر جہاں سارا کاروبار ہی تقیہ پر مبنی وہاں تقویٰ کو کون پہچانے۔

پھر مرزا صاحب نے امام غزالی کی احیاء العلوم سے ایک اقتباس پیش کیا۔

وکان عمرؓ یسأل حذیفۃ ویقول لہ انت صاحب

ستر رسول اللہ فی المنافقین فھل نری علیّ شیئا من اثار النفاق۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میزان الاعتدال میں اس قسم کی روایت کی تردید آچکی ہے کہ یہ جھوٹی روایت ہے۔ پھر یہ احیاء العلوم میں یہ بات کہیں عقائد کے باب میں نہیں آئی کسی صحابی پر کفر و نفاق کا فیصلہ دینے کے لیے دلائل قطعیہ درکار ہیں۔ ایک روایت وہ بھی جھوٹی، کیا فیصلہ کی بنیاد بن سکتی ہے۔ احیاء العلوم میں تزکیہ نفوس کے سلسلے میں بیان ہو رہا ہے کہ انسان کو "نفاق کے بارے میں اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے اور احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس میں نفاق کی کوئی علامت تو نہیں پائی جاتی۔ نفاق کی کئی علامات ہیں مثلاً" نماز نہ پڑھنا یا ریا کی خاطر پڑھنا، خیانت کرنا، جھوٹ بولنا تقیہ کرنا، کتمان حق، دوسروں پر لعن طعن کرنا، اخیار کو گالی دینا، وعدہ خلافی کرنا، وغیرہ حضرت فاروق اس معاملے میں اتنے محتاط تھے کہ حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ اس قسم کی کوئی علامت نفاق تو مجھ میں نہیں پاتے۔ کیونکہ بعض اوقات انسان کو اپنی خامیوں اور نقائص کا علم اور احساس نہیں ہوتا۔

پھر یہ کہ نفاق دو قسم ہے۔ اعتقادی اور عملی، اعتقادی نفاق کفر ہے۔ اور اس کی واقفیت دوسروں کو ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ دوسروں کو اس کے دل کا حال کیونکر معلوم ہوا۔ اور اس کے متعلق تو دوسرے سے پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ نفاق کی ظاہری علامات کے متعلق پوچھا جا سکتا جو روزمرہ کے افعال و اعمال سے ظاہر ہو سکتی ہے۔ اس لئے فاروق اعظم کا سوال ہو بھی تو ان ظاہری علامات کے متعلق ہے۔ اور یہ کمال احتیاط اور تزکیہ نفس کی دلیل ہے۔

اس آیت کے متعلق ایک شیعہ عالم حکیم امیر الدین نے اپنی مایہ ناز کتاب "فلک النجاۃ" میں لکھا ہے کہ یہ آیت منافقوں کے متعلق ہے جو جنگ کے متعلق بری خبریں پھیلاتے تھے۔ اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، ایذا رسانی کرتے تھے۔ پھر وہ لوگ ان شرارتوں سے باز آگئے۔ لہٰذا ان کو مدینہ سے خارج کرنا قتل کرنا مشروط تھا۔ جب وہ باز آگئے۔ تو یہ حکم بھی ختم ہو گیا۔ نیز جو منافق خفیہ تھے۔ ان کا علم خود رسول خدا کو بھی نہیں تھا ان کو

مومن خیال کرتے تھے۔ جیسا قرآن میں ہے۔ لا تعلمهم نحن نعلمهم (۱:۸۶)۔
حکیم صاحب کی اس نادر تحقیق سے ایک عجیب نکتہ حاصل ہوا کہ نفاق فی نفسہ بری چیز نہیں البتہ نفاق کے آثار یعنی جھوٹی خبریں پھیلانا اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ بری چیز ہے۔ جب یہ برائی ختم ہوگئی تو نفاق بیشک رہے خدا کو پسند ہے نہ مدینہ سے اخراج کی ضرورت نہ قتل کرنے کا حکم۔ یعنی سایہ کو ختم کرو دیوار قائم رہے۔ دھوئیں کو ختم کرو، آگ جلتی رہے۔ بات یہ ہے کہ یہ تینوں امور تو اثر نفاق ہیں باعتبار ذات کے تو منافق کی ایک ہی قسم ہے باعتبار صفات کے تو تین قسم ہو گئے۔ قرآن کا اعلان یہ ہے کہ منافق اپنے نفاق سے باز نہ آیا تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ اسے آپ کا جوار نصیب نہ ہوگا، وغیرہ۔

رہی دوسری بات کہ رسول خدا کو منافقوں کا علم نہیں تھا۔ پھر سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس یہ اطلاع کس ذریعہ سے پہنچی کہ خلفائے ثلثہ منافق تھے۔ اپنے رسول سے بڑھ کر آپ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے خصوصی مراسم ہیں کیا؟ مگر آپ کے ہاں تو صورتِ حالات اس سے بھی عجیب تر ہے مثلاً:۔

(۱) اصول کافی ۲ : ۳۲۴ طبع جدید معہ فارسی۔

عن ابی عبد الله علیه السلام قال انا لنعرف الرجل بحقیقة الایمان و حقیقة النفاق۔	امام جعفر فرماتے ہیں کہ ہم ہر آدمی کو جانتے ہیں کہ مومن ہے یا منافق ہے۔ ہم حقیقت ایمان اور حقیقت نفاق سے واقف ہیں۔

یعنی امام ہر شخص کے متعلق جانتے ہیں کہ مومن ہے یا منافق۔

(۲) معانی الاخبار ۱ : ۱۴۲

عن عبد الله بن سنان قال کنا جلوسا عند ابی عبد الله علیه السلام اذ قال رجل من الجلساء جعلت فداك یا ابن رسول الله اتخاف علی ان اکون	"عبد اللہ بن سنان نے کہا ہم امام جعفر کے پاس بیٹھے تھے۔ ہم میں سے ایک آدمی نے کہا میں قربان جاؤں کیا آپ کو میرے متعلق اندیشہ ہے کہ میں منافق ہوں۔

منافقاً فقال اذ خلوت فی بیتك نهاراً او لیلاً الیس تصلی قال بلی لمن تصلی قال لله عز وجل قال فکیف تکون منافقاً و انت تصلی لله عز وجل
امام نے فرمایا کیا تو اپنے گھر میں دن یا رات کے وقت اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے کہاں ہاں پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جب تم اللہ کیلئے نماز پڑھتے ہو تو منافق کیسے؟

امام نے معیار تو خوب بتایا مگر اس معیار پر شیعہ کو پرکھیں۔ تو معاملہ چوپٹ نظر آتا ہے۔ اور اگر اس معیار پر صحابہ بالخصوص خلفائے ثلٰثہ کو پرکھیں تو نفاق کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے شیعہ حضرات امام جعفر کے معیار کو غلط سمجھتے ہوں جبھی تو خلفائے ثلٰثہ کو منافق کہتے ہیں۔

(۳) عن ابی جعفر علیه السلام قال حج النبی صلی الله علیه و سلم فاقام بمنیٰ ثلاثا یصلی رکعتین ثم صنع ذلك ابو بکر و صنع ذالك عمر و صنع ذلك عثمان ستة سنین۔

پھر امام نے امیر معاویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے بھی ایسا کیا پھر فرمایا:۔
"اما تعلمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم صلی فی هذا المکان رکعتین و ابو بکر و عمر و صلی صاحبکم عثمان ستة سنین کذلك امرنا و فی ان ادع سنة رسول الله صلی الله علیه و سلم و ما صنع ابو بکر و عمر و عثمان ستة سنین"

"خلاصہ یہ ہے کہ منیٰ کے مقام پر نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں پھر حضرت ابوبکر نے پھر حضرت عمر نے یہی معمول رکھا پھر حضرت عثمان نے بھی یہی معمول چھ سال رکھا۔ کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں نبی کریمؐ کی سنت اور خلفائے ثلٰثہ کا طریقہ چھوڑ دوں؟"

اس روایت سے کئی امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) امام جعفر نے خلفائے ثلثہ کی نماز کا اعتراف کیا۔ لہٰذا امام کے مقرر کردہ معیار کیمطابق منافق وہی کہہ سکتا ہے جو امام کو جھوٹا سمجھتا ہو۔

(۲) امام نے سنت خلفاء کو چھوڑنا پسند نہیں کیا۔

(۳) امام نے واضح کیا خلفائے ثلثہ حضورؐ کے سچے متبع تھے۔ حضورؐ کی ہر حرکت کی تقلید کرتے تھے۔ لہٰذا ان کے طریقہ کو چھوڑنا گویا نبی کریمؐ کے طریقہ کو چھوڑنا ہے۔

(۴) امام نے امیر معاویہ کا ذکر بھی اسی اتباع کے سلسلے میں کیا۔ لہٰذا انہیں منافق سمجھنا بھی امام کو جھٹلانا ہے۔

حضرت ابو بکر کی نماز کا کیا کہنا۔ حضورؐ نے خود انہیں نماز کے لئے امام مقرر کیا۔ اور نبی اپنی خواہش سے کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ بامر الٰہی کرتا ہے۔ لہٰذا ابو بکر کو خود اللہ تعالیٰ نے امام مقرر کیا۔

حضرت علی عمر بھر حضرت ابو بکر کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے۔ اور اس حقیقت کا اعتراف حضرت علی کی طرف منسوب، نہج البلاغہ کی شرح درۃ النجفیہ میں موجود ہے دیکھئے۔ صـ ۲۲۴

"والصحیح عندی وھو الاظھر اشھر انھا لم تکن اٰخر الصلوٰۃ فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناس جماعۃ وان ابی بکر صلی بالناس بعد ذلک یومین ثم مات۔"

"میرے نزدیک صحیح اور مشہور ترین بات یہ ہے کہ یہ نماز رسول کریمؐ کی حیات میں ابو بکر کی آخری نماز نہیں تھی۔ جو انہوں نے امام کی حیثیت سے پڑھائی۔ بلکہ ابو بکر نے حیات نبویؐ میں اس کے بعد بھی دو دن لوگوں کو نماز پڑھائی، اس کے بعد حضورؐ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔"

اس فیصلہ کی روشنی میں ذرا پلٹ کے امام جعفر کے مقرر کردہ معیار پہ نگاہ کریں۔ تو اس میں کوئی معقولیت نظر آتی ہے کہ

شیعہ تو گھر میں رات یا دن میں کوئی ایک نماز پڑھے (خواہ بھولے سے) تو وہ منافق نہیں ہو سکتا۔ مگر ابوبکر کو نبی کریمؐ بحکم خدا امام مقرر کریں۔ وہ ساری عمر مسجد نبوی میں نماز پڑھائیں۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز پڑھائیں، پھر بھی وہ منافق۔ امام جعفر کے معیار کو مردود قرار دے کر یا تو کوئی اپنا معیار وضع کیجیے۔ یا امام کی مخالفت سے باز آجایئے۔

خلفائے ثلٰثہ کے متعلق دو قسم کا بہتان لگایا جاتا ہے وہ قابل غور ہے۔

(۱) خلفائے ثلٰثہ ابتداء ہی سے منافقانہ ایمان لائے تھے۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ بعد وفات رسول اللہ علی الاعلان مرتد ہو گئے تھے۔ یا اسی طرح منافق ہی رہے؛

(۲) ابتدا میں تو صحیح ایمان لائے تھے، مگر بعد وفات رسولؐ مرتد ہو گئے۔

صورت اول کے متعلق مزید یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے منافقانہ ایمان کا علم رسول کریم کو تھا یا نہیں۔

اگر علم تھا تو لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا پر عمل کیوں نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کرنے کے باوجود حضورؐ کو ان پر تسلط ہی نہ دیا۔ یا تسلط ملنے کے باوجود حضورؐ نے اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نہ انہیں قتل کیا نہ اخراج مدینہ کا اقدام کیا۔ پہلی صورت میں اللہ کی یقین دہانی محض دل بہلاوا ثابت ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں اللہ کا رسول اللہ کا نافرمان ثابت ہوتا ہے۔ کون مسلمان ہے جو ان میں سے کوئی صورت قبول کرنے یا اس کا تصور کرنے کے لئے بھی تیار ہو۔

ع ۔ یہ ان کا کام ہے جن کے حوصلے ہیں زیاد

منافقوں کے لئے دو سزائیں ہیں۔ قتل، جلاوطن کرنا۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو دونوں سزائیں برابر ہیں۔ وطن سے اخراج بھی قتل کے برابر ہے۔ کما قال تعالیٰ ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ۔

اللہ کے اعلان لنغرینک الخ میں دونوں سزائیں مطلق نفاق کے جرم کی

تھیں یا نفاق کے ساتھ ارجاف مدینہ اور عورتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی قید سے تھیں ؟

اگر منافق ان دونوں جرموں سے باز آجائے تو سزا واپس۔ تو معلوم ہوا کہ سزا نفاق کی نہیں بلکہ ان دو جرموں کی ہے۔ نفاق کا جرم تو قابل معافی ٹھہرا۔ لہذا یہ دو جرم جب بھی ہوں ان کی یہی سزا ملنی چاہیئے۔ مگر یہ حکم عام نہیں، بلکہ زمانہ رسولؐ کے لئے ہے۔ رسول کریمؐ خود مخاطب ہیں۔ اور یہ سزا نفاق کی ہے۔ ارجاف ہو یا نہ ہو۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضورؐ نے خلفائے ثلٰثہ کو قتل نہیں کیا۔ انہیں مدینہ سے خارج نہیں کیا، بلکہ انہیں ایسا جوار نصیب ہوا، جو روئے زمین میں کسی کو نصیب نہ ہوا۔ اس لیے انہیں منافق کہنا خدا کے کلام کی تکذیب ہے۔ رسولؐ کی رسالت کی توہین ہے۔

رسول کریمؐ کا اپنی حیات دینوی میں خلفائے ثلاثہ کو قتل نہ کرنا۔ اور مدینہ سے نکالنے کا حکم نہ دینا ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں جوار فی المدفن کو بے اثر بنانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عائیشہ کا مکان تھا۔ انہوں نے اجازت دے دی اس لئے لا یجاورونک پہ کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

چلئے رسول کریمؐ نے خدا کے حکم کی پروا نہ کرتے ہوئے (معاذ اللہ) خلفائے ثلٰثہ کو مدینہ سے نکالا۔ بلکہ ثانی اثنین کو اپنے مصلی پر کھڑا کر کے گئے۔ مگر آپ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد خدا کو تو اپنی بات کی لاج رکھنی چاہیئے تھی۔ اور شیخین کو حضورؐ کے پاس نہ دفن ہونے دیتا۔ اگر حضرت عائیشہ بھی ایسی جابر تھیں کہ خدا کی بات نہ چلنے دی۔ اور خدا بھی لا یجاورونک کہنے کے باوجود حضرت عائیشہ کے سامنے ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تفسیر بن گیا۔ (العیاذ باللہ)

پھر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا خدا کو علم تھا کہ حضرت عائیشہ اجازت دے دے گی؟ اگر علم تھا تو ثم لا یجاورونک کا اعلان کیوں کیا؟ اس جگ ہنسائی کی ضرورت کیا تھی؟ اور اگر علم نہیں تھا۔ تو ایسے بھولے بھالے سیدھے سادے خدا سے کسی بھلائی کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ خدا تو وہ چاہیئے جو علیم بھی ہو خبیر بھی ہو علام الغیوب

بھی ہو اور علیم بذات الصدور بھی ہو۔ تاکہ تدبیر کائنات کے منصب کا حق ادا کر سکے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے بڑے دھڑلے سے اعلان تو فرما دیا کہ لنغرینک ثم لا یجاورونک مگر حضور اکرم کی حیات دینوی میں خدا اور رسول دونوں خلفائے ثلثہ کے مقابلے میں دبے رہے۔ اور حضور کے وصال کے بعد اکیلا خدا اکیلی عورت حضرت عائشہ کے سامنے بے بس ہو گیا۔ کون سمجھے اور کون مانے۔

صاحب فلک النجاۃ نے ۱: ۸۶ پر جہاں فرمایا کہ منافق ایذا رسانی سے باز آگئے۔ اس لئے سزائیں نہ دی گئیں۔ وہاں یہ بھی فرمایا کہ یہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔

(۱) قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یَا اِبْرَاهِیْمُ. لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ — یعنی حضرت ابراہیم کے والد نے کہا کہ اے ابراہیم اگر تو ہمارے بتوں کے معاملہ میں اپنی روش سے باز نہ آیا تو میں تمہیں سنگسار کر دونگا"

(۲) قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یَا نُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ۔ — قوم نوح نے حضرت نوح سے کہا کہ اگر تم باز نہ آئے تو رجم کئے جاؤ گے۔

(۳) قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یَا لُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ۔ — قوم لوط نے کہا کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو تم شہر بدر کر دیئے جاؤ گے۔

(۴) وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ — یعنی اگر عیسائی یہ کہنے سے باز نہ آئے کہ اللہ تین میں تیسرا ہے تو انہیں درد ناک عذاب دیا جائے گا۔

اصل معاملہ یعنی منافقین کو سزا دینے کا حکم اور یہ مثالیں سامنے رکھی جائیں۔ تو صورت کچھ اس قسم کی نظر آتی ہے جیسے کہا گیا ہے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کوئی پوچھے کہ :

(۱) کیا حضرت ابراہیمؑ اپنی روش سے باز آ گئے؟ ظاہر ہے کہ باز نہ آئے مگر سزا بھی نہ ملی۔

(۲) اسی طرح حضرت نوحؑ کیا باز آ گئے؟ ظاہر ہے کہ باز نہ آئے مگر رجم بھی نہ ہوا۔

(۳) اسی طرح حضرت لوطؑ کیا اپنی روش سے باز آ گئے؟ باز بھی نہ آئے اور اخراج بھی عمل میں نہ آیا۔

تو ان آیات کو منافقین عہد رسول کریمؐ کے معاملے میں استدلال کے طور پر پیش کرنا علم کی کونسی قسم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ تینوں اعلان کفار کی طرف سے ہوئے۔ مگر لنغرینک ثم لا یجاورونک کا اعلان رب العالمین کی طرف سے ہو رہا ہے۔ کافر تو اپنے اعلان کے باوجود قتل رجم یا اخراج کچھ بھی نہ کر سکے کیا قادر قیوم خدا بھی اسی طرح عاجز آ گیا۔

یہ آیات تو رسول کریمؐ کی تسلی کے لئے ہیں کہ آپ دیکھیں میرے رسولوں کے مقابلے میں کفار شیخیاں بگھارتے رہے مگر ہم نے ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا یہی صورت آپ کے مخالفوں کے ساتھ پیش آئے گی۔ آپ بے فکر رہیں۔

چوتھی آیت اہل کتاب نصاریٰ کے حق میں ہے ان کے متعلق جب صاف حکم آ گیا کہ

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام فرمایا ہے۔ اور نہ سچے دین اور اسلام کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

اور اللہ کے اس حکم کی تعمیل ہو کے رہی۔ اور نصاریٰ اس ذلت سے نہ بچ سکے۔ کفار کی جن دھمکیوں کا ذکر اوپر تین انبیاء کے حق میں کیا گیا ہے یہ صورت تو تمام

انبیاء کو ہی پیش آتی رہیں کما قال تعالیٰ و قال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا یہ قضیہ مانعۃ الجمع ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے دین پر بھی رہو اور وطن میں بھی مقیم رہو۔ واقعی بڑی دھونس دکھائی مگر جواب ملا۔

لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ۔ کہ ہم یقیناً ان ظالموں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اور اے ہمارے رسل تمہیں ان کی جگہ پر آباد کریں گے۔

مگر معاملہ رسولوں تک ہی محدود نہیں رکھا گیا، بلکہ فرمایا: ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ۔ یہ انعام تو آپ کے متبعین کو بھی ملے گا۔ جو میری ذات پر اور میرے سامنے جواب دہی پر کامل یقین رکھتے ہوں۔ یعنی کامل الایمان متبعین کو یہ انعام عطا کریں گے۔

اس آیت نے تو حقائق کا ایک وسیع باب کھول دیا، مگر یہاں اجمالی ذکر پر ہی اکتفا کی جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے پڑوس میں کہئے بلکہ روئے زمین پر دو ہی منظم اور مستحکم حکومتیں تھیں یعنی ایران و روم اور ان دونوں حکومتوں نے حضورؐ کو جو دھمکیاں دیں۔ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ کسریٰ ایران نے حضورؐ کے نامۂ مبارک کا جواب دیتے ہوئے جو الفاظ کہے اور جو رویہ اختیار کیا۔ یہ تو دھمکی کی حدود سے بھی تجاوز کر کے عملی اقدام کے ضمن میں آجاتا ہے۔

مگر چشم فلک نے دیکھ لیا کہ جو نفوس قدسیہ لمن خاف مقامی وخاف وعید کے مصداق تھے۔ انہوں نے ان دونوں سلطنتوں کو مغلوب کر کے اللہ تعالیٰ کے و لنسکننکم الارض کی عملی تفسیر کر کے دکھا دی۔ مگر یہ بھی ڈھونڈیئے یہ کون تھے؟ یہ حضورؐ کے صحابہ کرام تھے۔ بلکہ خلفائے ثلٰثہ تھے۔ جنہوں نے مصر، شام، ایران، عراق، روم، حبشہ تک دین حق پھیلایا اور اس دارالاسباب میں لنھلکن

الظالمین کے وعدہ خداوندی کے پورا ہونے کا سبب بنے۔

یہی تو رسول کریمؐ کی دعوت کو روئے زمین پر پھیلانے والے تھے۔ یہی تو حضورؐ کے سچے جانشین اور خلفائے برحق تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے جو وعدے کئے وہ انہی خلفائے ثلثہ کے ہاتھ سے پورے ہوئے آیات قرآنی کی مصداق یہی جماعت ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

مگر عجب ستم ظریفی ہے ان تمام حقائق سے آنکھ بند کر کے لوگ یہ کہنے میں باک نہیں سمجھتے کہ یہ سب منافق تھے۔ یا مرتد تھے۔ مگر اس امت کی بدنصیبی کا ٹھکانا کہ خدا کا آخری رسول اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے مصلیٰ پر ایک منافق کو (نعوذ باللہ) امت کی امامت کے لئے کھڑا کر گیا۔ اور کسی "مسلمان" نے عمر بھر اس کے خلاف لب کشائی نہ کی۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں

صاحب فلک النجاۃ نے منافقین کو سزا دینے کے لئے ایذاء رسانی کی قید تو لگا دی۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ رسول کریمؐ نے انہیں اس لئے جوار رسول سے محروم نہ کیا کہ وہ ایذار رسانی سے باز آ کر اس سزا کی زد سے بچ گئے۔

مگر دوسری طرف جب خلفائے ثلثہ کی ایذا رسانی کا قصہ چھڑ ... یہ ... ۱۳ سال ختم ہونے کو نہیں آتی۔ اور ایذائیں بھی شدید کہ خلفائے ثلثہ کے بغیر روئے زمین پر اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مثلاً مشتے نمونہ از خروارے یہ ہے کہ

(۱) حضرت علیؓ سے خلافت چھین لی۔
(۲) حضرت فاطمہ سے باغ فدک چھین لیا۔
(۳) حضرت علی کی گردن میں رسی ڈال کر جبراً بیعت لی۔
(۴) جنازۂ رسولؐ نہ پڑھا۔
(۵) سنت رسولؐ کو بدل دیا۔
(۶) قرآن میں پانچ قسم کی تحریف کر دی۔

ان دعاوی کی حقیقت خواہ کچھ بھی ہو، مگر شیعہ کے عقائد اور مسلمات میں داخل ہیں۔ اس لئے آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ایذا رسانی سے باز آ گئے۔ ظاہر ہے کہ ایذا رسانی بقول شیعہ جاری رہی۔ مگر خدا تعالیٰ ثم لا یجاورونک کا اعلان کرنے کے بعد بھی اور خلفائے ثلثہ کی ایذا رسانی جاری رکھنے کے باوجود بھی انہیں جوارِ رسول سے محروم نہ کر سکا۔ اگر صاحب فلک النجاۃ کا دعویٰ تسلیم کریں تو خدا کو عاجز ماننا پڑتا ہے۔ اور اگر و من اصدق من اللہ قیلا پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ کے اعلان کو صحیح تسلیم کریں۔ تو صاحب فلک النجاۃ اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو جھوٹا سمجھے بغیر چارہ نہیں۔

پھر ایک اور نکتہ بیان فرمایا کہ (۱: ۸۵)

"شیخین کو روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے سے جو شرف حاصل ہوا، وہ کعبہ میں بتوں کو بھی حاصل تھا۔ مگر وقت آنے پر بتوں کو نکال دیا گیا۔ اسی طرح وقت آنے پر شیخین کو بھی نکال دیا جائے گا۔ یعنی زمانۂ رجعت میں امام مہدی انہیں نکال دیں گے۔"

نکتہ تو بڑا باریک ہے، بلکہ باریک تر از مو ہے۔ مگر پہلے تو اپنے امام مہدی کی تلاش کیجئے۔ امام کی آمد ہی ملتوی پر ملتوی ہوتی جا رہی ہے اور خدا کو بدا پر بدا ہوتا جا رہا ہے۔ اس التوا کے ختم ہونے کی کوئی ضمانت ہے؟ خود امام کی آمد کا معاملہ ایسا دلچسپ ہے کہ تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب تحفۃ المسلمین کا مطالعہ فرمائیں۔

پھر آپ کی بات میں وزن تو اس وقت پیدا ہو گا۔ جب امام غائب آیا اس نے اپنے انقلابی کام کا آغاز کیا۔ قبریں اکھڑیں، مردے نکالے۔ نعشیں جلائیں اور اس سلسلے میں شیخین کی طرف بھی دست کرم بڑھایا۔ پھر آپ کہہ سکیں گے کہ لو دیکھو ہماری تحقیق درست نکلی۔ فی الحال تو آپ اپنے عظیم راویوں کی طفل تسلیوں پر ہی گزارہ کریں۔

معلوم ہوا کہ بات بنانے کے لئے متعدد روپ بدلے گئے۔ مگر ریت پر کبھی قلعے تعمیر ہوئے ہیں۔ صحابہ کرام کو منافق ثابت کرنے کے لئے تو پورے قرآن کے خلاف

جنگ لڑنی پڑنے گی۔ مگر پھر بھی خالق کے مقابلے مخلوق کی کیا حیثیت ہے۔ قرآن نے چار ایسے محل بیان فرماتے ہیں۔ جن پر رسول کریمؐ کو تلوار اٹھانے کا حکم ملا۔

(۱) مجاہر۔ جیسے عرب، ایران وغیرہ۔
(۲) دشمن اہل کتاب۔ جیسے رُوم و مصر وغیرہ۔
(۳) منافقین۔
(۴) باغی مرتد۔

اگر خلفائے ثلثہ ان میں سے کسی شق میں آتے تو نبی کریمؐ کی تلوار سے نہ بچ سکتے۔ اس کے برعکس ہُوا یہ کہ خلفائے ثلثہ کو اللہ ورسولؐ نے یہ کام سونپا کہ اس کام تکمیل تک پہنچائیں۔ چنانچہ خلفائے ثلثہ نے ان سب کے خلاف تلوار اٹھائی۔ کسی کو مغلوب اور زیر نگیں کیا۔ کسی کو تہ تیغ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی لیظهره علی الدین کله کو پورا کر کے دکھایا۔

پھر مناظر شیعہ نے چاند کے چہرہ پر خاک پھینکتے ہوتے حضرت عمر کے خلاف معالم التنزیل اور مظہری کا حوالہ پیش کیا :-

وھو ھذا ہو قد کان	(وہم حدیبیہ پر) اصحاب رسول
اصحاب رسول اللہ صلی	مدینہ سے نکلے تو ان کو مکہ کی فتح
اللہ علیہ وسلم خرجوا	ہونے میں ذرا برابر شک نہ
وھم لا یشکون فی	تھا۔ اس خواب کی بنا پر جو نبی کریمؐ
الفتح لرؤیا رای	نے دیکھا تھا۔ مگر جب صلح اور
صلی اللہ علیہ وسلم	واپسی کا معاملہ پیش آیا تو وہ
فلما راو ما رأی من	بہت غمگین ہوئے۔ حضرت عمر
الصلح والرجوع	نے کہا کہ جب سے اسلام لایا
دخل الناس من ذلک	ہوں (کبھی خبر یا حکم میں) ایسا
عظیم قال عمر واللہ	شک نہیں ہوا۔ جیسا آج (فتح

ما شككت مذا اسلمت الا يومئذٍ۔	خبر یا حکم میں) ایسا شک نہیں ہوا جیسا آج (فتح مکہ کی خبر میں) شک ہوا۔

درمنثور میں یہ روایت یوں ہے (۶ : ۷۷)

قال الزهری فقال عمر ما شككت منذ اسلمت الا يومئذٍ	"زہری کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ جب سے اسلام لایا ہوں مجھے ایسا شک نہیں ہوا جیسا آج۔
قال عمر لرسول الله صلى الله عليه وسلم اوليس كنت تحدثنا انا سنأتى البيت ونطوف به قال بلىٰ افاخبرتك انك تأتيه العام قلت لا۔ قال فانك اتيه ومطوف به۔	حضرت عمر نے رسول کریم سے عرض کیا کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ عنقریب بیت اللہ میں جاکر طواف کریں گے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں کہا تھا۔ مگر کیا میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سال طواف کروگے ؟ حضرت عمر نے کہا کہ یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ تو حضورؐ نے فرمایا تم طواف بھی کروگے اور مکہ بھی فتح ہوگا۔"

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کی نقل زہری نے کی ہے۔ اور زہری منفرد ہے اور کسی نے یہ روایت نقل نہیں کی۔ اور شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ زہری شیعہ تھا۔ اس لئے اسکی کیا ضمانت کہ یہ تقیہ سے خالی ہو ؟ اس لئے حجت نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ شککت کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ مشکوک فیہ تلاش کیا جائے مکالمہ سے ظاہر ہے کہ مشکوک فیہ طواف بیت اللہ ہے یا فتح مکہ جیسا کہ حضرت عمر کے سوال سے ظاہر ہے اگر کسی کو دعویٰ ہو کہ مشکوک فیہ نبوت ہے تو ثبوت پیش کرے۔ نرا دعویٰ بلا دلیل کس کام کا ؟

حقیقت صرف اتنی ہے کہ حضورؐ نے اپنا خواب بیان فرمایا۔ پھر مکہ کی طرف روانگی ہوئی تو صحابہ نے سمجھا حضورؐ کی روانگی وحی کی بنا پر ہے۔ حالانکہ آپ کی روانگی از

قبیل مسارعۃ الی الخیر تھی۔

پھر صحابہ نے خواب اور روانگی کو ملا کر یہ سمجھا کہ اسی سال فتح مکہ ہوگی۔ اس لئے جب صلح ہوگئی اور واپسی کی ٹھہری تو صحابہ ملول ہوئے۔ حضورؐ نے جب وضاحت فرما دی کہ میرے خواب میں کہیں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اسی سال ہوگی۔ تو سمجھ گئے کہ یہ ہماری اجتہادی غلطی تھی۔ اور وفور محبت میں ایسا ہو جانا کوئی بعید نہیں کہ آدمی پوری بات پر غور نہیں کرتا اور اپنی پسند کے کسی ٹکڑے پر ہی ذہن جم جاتا ہے۔

پھر روایت میں حضرت عمرؓ کی طرف سے مشکوک فیہ کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ کہ ان کا خیال تھا کہ اسی سال مکہ فتح ہوگا۔ اور طواف کریں گے۔ مگر وہ نہ ہوا۔

پھر جب حضورؐ نے سوال کیا کہ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس سال ہوگا۔ تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا لا۔ ظاہر ہے کہ شک رفع ہوگیا۔ شک کی بنیاد تھی اپنی رائے۔ اور رائے کی غلطی کی بنیاد تھی۔ وفور شوق میں حضورؐ کی پوری بات پر غور نہ کرنا۔ اور مشکوک فیہ تھا۔ طواف بیت اللہ یا فتح مکہ، لہٰذا اس روایت کی بنا پر حضرت عمرؓ کے ایمان کو مشکوک ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کوہ کندن اور کاہ برآوردن سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

چند الفاظ کی وضاحت

اب تک ہم نے آیت انما ولیکم اللہ الخ کی تفسیر کے سلسلہ میں شیعہ مفسرین اور علماء کے اقوال پیش کئے۔ اب اس آیت کی حقیقی تفسیر کے لئے چند کلیدی الفاظ کی تشریح کرتے ہیں۔

ولی:۔ آیت میں لفظ "ولی" حاکم یا متصرف کے معنوں میں نہیں، اور شیعہ یہیں سے اپنے مفروضہ محل کی تعمیر شروع کرتے ہیں کہ ولی کے معنی حاکم اور دلیل دیتے ہیں۔

ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل (الحدیث۔ ترمذی)

(۱) نکاح میں ولی بمعنی وارث قریبی مراد ہوتا ہے۔ حاکم و متصرف عام مراد نہیں ہوتا۔ حکومت و ریاست تو عام ہوتی ہے۔ فرض کیجئے نکاح میں، مہر میں، میراث میں، تنازعہ ہو جائے تو فیصلہ وہی ولی یا خاوند کرتا ہے یا حکومت کی عدالت میں جانا پڑتا ہے۔ اگر ولی ہی حاکم ہے تو ایک اور حکومت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی کیا ضرورت ہے

(۲) آیت میں ولی کے ساتھ ضمیر کم بھی موجود ہے۔ تو ان مخاطبین کے حاکم ہونے چاہئیں آنے والی نسلوں اور کفار کے حاکم نہیں کیونکہ شیعہ یہاں حصر حقیقی مانتے ہیں حالانکہ خدا و رسولؐ اور حاکم وقت تو ساری رعایا کا حاکم ہوتا ہے۔

(۳) والمومنون :۔ صیغہ جمع کا ہے۔ اس سے مفرد یعنی حضرت علی کی ذات مراد لینا کیونکر درست ٹھہرا؟ جب کہ کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں۔

شیعہ اس کا حل یہ بتاتے ہیں کہ جمع کی ضمیر اس لئے لائی گئی ہے کہ اس میں آئندہ گیارہ امام بھی داخل ہیں۔ خوب سوجھی۔ مگر علم کی بات کرنے اور تک بھڑانے میں فرق ہے علم کہتا ہے کہ مرجع ضمیر غائب کا ذات ہوتی ہے۔ جو موجود ہو اور گیارہ امام تو اس وقت تصورات کی دنیا میں بھی نہیں تھے۔

پھر "کُم" کی ضمیر چاہتی ہے کہ صرف تم مخاطبین کے "حاکم" ہوں گے تو کیا ان مخاطبین کے حق میں کہیں مرزا غالب کی دعا قبول ہو گئی کہ ؎

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہو دن پچاس ہزار

کاش ایسا ہو جاتا اور ہم گناہ گار بھی آج ان مقدس صورتوں کو دیکھ لیتے اور امام مہدی تک پیدا ہونے والے تمام مسلمان تابعین شمار ہوتے۔ کیونکہ اس حساب سے ان کی عمریں ایک لاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو اٹھاسی برس سے زیادہ بنتی ہیں۔

(۴) اگر ولی بمعنی حاکم ہے اور المومنون میں باقی گیارہ آئمہ شامل ہیں۔ تو بات ایک اور طرف سے بگڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یعنی پہلے امام حضرت علی کو تو حکومت ملی، گو بقول شیعہ برائے نام سہی۔ اور دوسرے امام حضرت حسن کو ملی اور انہوں نے

اپنے آزادارادہ اور پسند سے حکومت سے دست بردار ہونے کا اعلان فرمادیا
باقی میں سے نو کو تو سرے سے حکومت ملی ہی نہیں، اور دسویں کے متعلق کچھ کہا
نہیں جا سکتا۔ تو پھر خدا نے اماموں کو کونسی حکومت دینے کا اعلان فرما دیا ۔
یوں گھر بیٹھے جس کا جی چاہے کہتا رہے کہ میں حاکم ہوں۔ مگر ایسے حاکم کی سلطنت
کی وسعت بھی اس کے اپنے وجود کے برابر ہی ہو سکتی ہے ۔

(۵) ۔ ربط آیات اور شان نزول کے ضمن میں گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت
عبادہ بن صامت کے حق میں نازل ہوئی ۔ اہل ایمان کو یہود کی دوستی سے منع کیا گیا
اب ان آیات میں ذرا حاکم کے معنی فٹ کر کے مفہوم سمجھئے ۔

و :۔ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذ و الیھود والنصارٰی
اولیاء بعضھم اولیاء بعض ۔
تو معنی یہ ہوں گے کہ اے اہل ایمان یہود و نصارٰی کو اپنا حاکم و متصرف
نہ بنانا۔ وہ تو ایک دوسرے کے حاکم ہیں ۔

ب :۔ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا
دینکم ھزوا و لعبا من الذین اوتوا الکتاب
من قبلکم والکفار اولیاء ۔ یعنی اہل ایمان جو
لوگ تمہارے دین سے تمسخر کریں ۔ اہل کتاب ہوں یا کفار ان کو اپنا حاکم
نہ بنانا" گویا دین سے تمسخر نہ کریں تو بے شک انہیں اپنا حاکم بنا لینا خواہ
اہل کتاب ہو یا کفار ہوں ۔

سیاق سباق سے ہٹ کر دوسری آیات بھی ملاحظہ ہوں ۔

ج :۔ ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس
یعنی اے یہودیو! تمہارا خیال ہے کہ آدمیوں کو چھوڑ کر تم خدا پہ حاکم و
متصرف ہو ۔

د :۔ قاتلوا اولیاء الشیطٰن یعنی شیطان کے حاکموں اور بادشاہوں سے جنگ کرو ۔

۳:- یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا اٰباءکم واخوانکم اولیاء۔ یعنی اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو اپنا حاکم نہ بنانا۔

غرض قرآن مجید میں بیسیوں آیتیں ایسی آتی ہیں جن میں ولی یا اولیاء کا لفظ موجود ہے اگر وہاں ولی کے معنی حاکم کریں تو بات ہی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ لہٰذا شان نزول، سیاق وسباق اور لغت کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں ولی کے معنی دوست کے ہیں۔ اس کے معنی حاکم لینا قرآن کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش ہے۔

زکوٰۃ :- دوسرا لفظ زکوٰۃ قابل غور ہے۔ یہ لفظ خاص ہے صدقہ خاص سے اگر یہاں ینفقون یا اسی قبیل کا کوئی اور لفظ ہوتا تو صدقہ نفلی کا بھی احتمال تھا۔ مگر یہاں صدقہ نفلی مراد نہیں لیا جا سکتا۔

تفسیر قرطبی ۱ : ۱۶۹

عن الضحاك لننظر الى الزكوٰة لا تاتی الا بلفظها المختص بها وهو الزكوٰة فاذا جاءت بلفظ غير زكوٰة احتملت الفرض والتطوع۔

"ضحاک فرماتے ہیں زکوٰۃ کا لفظ فرضی صدقہ کے لئے ہے اگر لفظ غیر زکوٰۃ آجائے تو احتمال ہے فرض اور نفلی صدقہ دونوں کا"

پھر قرینہ صلوٰۃ بھی موجود ہے جو اصطلاح ہے ہیئت خاص کے لئے۔ اس لئے زکوٰۃ سے فرضی اور اصطلاحی زکوٰۃ ہی مراد ہے۔ اب اس لفظ کو حضرت علی کے لئے تسلیم کیا جائے تو:-

(۱) ثابت کیا جائے کہ حضرت علی پر زکوٰۃ واجب تھی۔

(۲) زکوٰۃ کا مصرف قرآن میں مذکور ہے غیر محل پر زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوتی حضرت علی نے فرشتہ کو زکوٰۃ دے کر قرآن کی مخالفت کیسے کر ڈالی۔

وھم راکعون :- شیعہ اس و کو واؤ حالیہ بناتے ہیں۔ اس صورت

میں حال واقع ہوگا۔ دونوں فعلوں پر یعنی یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ فعل دو ہیں فاعل ایک ہے تو معنی یہ ہوئے کہ حضرت علی رکوع کی حالت میں نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ جملہ کہ "رکوع کی حالت میں نماز پڑھتے ہیں" ایک معمہ بن گیا۔ رکوع تو نماز کا ایک رکن ہے۔ یعنی کل کا ایک جزو ہے۔ تو معاملہ یہ بنا کہ جزو کی حالت میں کل کرتے ہیں بھلا اس میں کوئی تک ہے۔

اگر صرف فعل زکوٰۃ سے حال مراد لیں تو اس کے لیے قول راجح درکار ہے۔ اور جس قول کا سہارا لے کر یہ بنایا جاتا ہے وہ قول خود مرجوح اور ضعیف ہے۔ لہٰذا صحیح نہ ہوا۔ اس کی صحیح صورت یہ ہوگی۔ کہ مسلمانوں کے دوست خدا، رسول اور اہل ایمان ہی ہیں۔ جو نماز پڑھتے ہیں۔ خشوع و خضوع والے ہیں۔ نماز عجز و نیاز سے پڑھتے ہیں۔

واؤ کو حالیہ بنا کر اس میں رنگ بھرنے کے لئے جو افسانہ تیار کیا گیا اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ مگر اس سے اب غرض یہ ہے کہ اس افسانہ سے حضرت علی کی فضیلت نہیں، بلکہ افضلیت ثابت کی جائے۔

پھر فاروق اعظم اور صحابہ کرام کے انفاق کی یہی صورت اور اس کی عدم مقبولیت کیلئے روایات تراش لی گئیں۔ مگر رب العالمین کے مقرر کردہ پیمانوں کے مقابلے انسانوں کے پیمانے اور وہ بھی فرضی بھلا کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

(۱) لَا یَسْتَوِیْ منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل ۰ اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا

"تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ ان لوگوں کے مقابلے میں بلند ترین درجہ رکھتے ہیں، جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ اور جہاد کیا۔"

اب اس خدائی پیمانے سے پیمائش کر کے دیکھئے تو کافر کے ہاتھ سے اتاری ہوئی انگشتری فرشتے کو دے دینے کی۔ اور وہ بھی فتح مکہ کے بعد۔ کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ جو جہاد تو کیا انسانوں کے کام بھی نہ آئی۔

پھر فرمایا:-

(۲) ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یوتوا اولی القربیٰ والمسکین والمهاجرین فی سبیل الله -	اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور (دنیوی) وسعت والے ہیں۔ وہ اہلِ قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں۔

یہ آیت سورۃ نور کی ہے جس میں واقعہ افک بیان ہوا ہے۔ جس کا تعلق حضرت عائشہ سے ہے۔ اس صورت میں جہاں حضرت عائشہ کی برآت بیان ہوئی، وہاں آپ کے والد حضرت صدیق کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔ اور اس آیت کا صدیق اکبر کے حق میں نازل ہونا حدِ تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

"اجمع المفسرون علی ان المراد من قوله اولوا الفضل منکم۔ ابو بکر۔ وهذه الأیته تدل علی انه رضی الله عنه کان افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ..... ان اختصاص هذه الایته بابی بکر بالغ الی حد التواتر فلو جاز منعه لجاز منع کل تواتر۔	"تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئی اور آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر افضل الناس ہیں ...... اور اس آیت کا صدیق اکبر کے ساتھ مختص ہونا حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے اگر اس تواتر کا انکار کیا جائے، تو ہر تواتر کا انکار جائز ہو گا۔"

ہر وصف کے مراتب تین ہوتے ہیں۔ ادنیٰ، متوسط، اعلیٰ۔ افضل الناس کہنے سے ادنیٰ اور متوسط خود بخود خارج ہو گئے۔ پھر قرآن کریم نے یہ فضیلت بہ نسبت تمام کے

فرمائی ہے جیسا کہا جائے خیر حاضرین۔ اسی طرح اولوا الفضل منکم کسی خاص فرد یا کسی خاص جماعت کی نسبت سے نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ صیغہ جمع کا ہے فرد واحد مراد کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ مقام مدح ثنا کا ہے۔ احکام کا ذکر نہیں۔ مقام مدح میں صیغہ جمع بول کر معنی مفرد مراد لینا جائز ہے۔

اگر جمع ہی مراد لی جائے تو پھر بھی حضرت ابو بکرہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ آیت صدیق اکبر کے حق میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ علامہ قرطبی نے کہا ہے۔ والاول الاصح نزلت فی شان ابی بکر۔

اور صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ :

واستدل بہا علی فضل	"حضرت ابو بکر کی فضیلت پر اس آیت
ابی بکر الصدیق رضی	سے استدلال کیا گیا ہے۔ وہ یقیناً"
اللہ عنہ لانہ دخل فی	اولوا الفضل میں داخل ہیں خواہ منفرد ہوں
اولی الفضل قطعا لانہ وحدہ	یا مع جماعت آیت ان کے حق میں نازل
او مع جماعۃ سبب النزول	ہوئی ہے اور عموم حکم تمام جماعت
ولا یضر فی ذلک عموم	کے لئے مضرنہ ہوگا۔"
الحکم لجمیع المؤمنین	(روح المعانی)

ظاہر ہے کہ جب آیت صدیق اکبر کی بیٹی کی برأت کے سلسلے میں نازل ہوئی تو صاحب فضیلت جماعت میں صدیق اکبر بطریق اولی داخل ہیں۔

ایک شیعہ مفسر اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس کی تفسیر لکھتے ہیں۔

" در بعض تفاسیر آوردہ اند کہ ابو بکر سوگند خوردہ بود کہ پسر خالہ خود یعنی مسطح کہ از فقرا مہاجرین بود و اہل بدر، نفقہ نکنند و مطلقاً باو نیکی نہ نماید بجہت آنکہ او یکے از شکلمان بود حق تعالی آیت فرستاد کہ ولا یأتل اولو الفضل منکم (ص ۲۸۶)

پھر آگے ص ۲۸۷ پر لکھتے ہیں :-

"اولی القربی والمساکین والمہاجرین فی سبیل اللہ
یعنی کسانیکہ جامع ایں صفات باشند مانند مسطح کہ ہم خویش بود و ہم
مسکین و ہم مہاجر" پھر ذرا آگے قول ابوبکر نقل کیا کہ :-
"بخدا سوگند کہ ہرگز نفقہ را از مسطح قطع نکنم"

لیجئے بات صاف ہوگئی۔ نہ جماعت نے نزول آیت سے پہلے کسی خاص فرد جس میں تمام صفات مذکورہ موجود ہوں۔ کو نفقہ نہ دینے کی قسم کھائی نہ نزول آیت کے بعد نفقہ قطع نہ کرنے کی قسم کھائی یہ دونوں باتیں حضرت صدیق اکبر سے متعلق ہیں۔ لہذا اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آیت انہی کے حق میں نازل ہوئی۔

شیعہ نے یہاں اور راہ نکالی کہ اولوا الفضل منکم میں فضیلت مال ہے۔ یعنی مال میں فضیلت رکھتا ہے۔

مگر یہ راہ بھی مسدود نظر آتی ہے کیونکہ قرآن نے اس سے آگے لفظ وَالسَّعَۃِ فرمایا۔ اگر فضل سے مراد مال ہے تو سعتہ سے کیا مراد ہوگی ؟

قرآن نے حضرت طالوت کے ضمن میں فرمایا ولم یؤت سعۃ من المال اگر بات وہی ہے جو شیعہ کہتے ہیں۔ تو یہاں تکرار کی کیا حاجت تھی ؟

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی برأت بیان ہو رہی ہے اور صدیق اکبر کی شان۔ قرآن نے یہاں مدح کے دونوں پہلو بیان فرما دیئے۔ دینی بھی اور دنیوی بھی۔ کیا اب بھی صدیق کے صدقہ کی قبولیت میں کسی شک کی گنجائش باقی ہے ؟

پھر اللہ کریم نے فرمایا :-

(۳) وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکّٰی ومالاحدٍ عندہ من نعمۃٍ تجزی ۔	اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا۔ جو بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے۔ اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کہ یہی اس کا مقصود ہے) اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا۔

یہ آیت بھی صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئی۔ جیسے تفسیر اتقان (۱: ۳۰)

فانها نزلت فی ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ بالاجماع

آیت میں لفظ "الاتقیٰ" خاص طور پر قابل غور ہے صیغہ افعل التفضیل کا ہے اور اس پر الف لام داخل ہے جو موصولہ نہیں نہ معرفہ ہے مقام جمع میں کہ فائدہ عموم کا دے۔ اتقیٰ مفرد ہے اور لفظ الذی مفرد موجود ہے جو عہدی ہے۔ موعود صدیق اکبر ہیں۔ پھر افعل التفضیل کا صیغہ تمیز عن الغیر کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے زید افضل القوم اسی طرح یہاں صیغہ مفرد کا ہے۔ لہٰذا اس صیغہ میں مشارکت ختم ہو گئی۔ مفرد ہی رہا اور وہ اتقیٰ صدیق اکبر ہی رہے جو غیروں سے ممیز ہو گئے۔ جب آیت میں عموم باطل ہوا تو آیت اپنے شان نزول میں بند ہو گئی۔ اور اتقیٰ صدیق اکبر ہی ثابت ہوئے۔

آیت اول میں فضیلت ثابت ہوئی۔ اس میں آپ کا اتقیٰ ہونا ثابت ہوا۔ اور اتقیٰ کو خود خدا نے افضل اور اکرم فرما دیا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کے صدقہ کا بھی قرآن میں ذکر ہے کہ

اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا

مگر فرق اتنا ہے کہ صدیق کے صدقہ کے ساتھ فرمایا کہ ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ و لسوف یرضیٰ۔ اور یہاں فرمایا انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا۔ یعنی وہاں حصول رضائے باری کے لیے ہے اور یہاں سختی کے اس دن سے بچنے کے لئے ہے۔ اور یہ فرق تو ہونا ہی تھا۔ کیونکہ وہاں اولو الفضل اور اتقیٰ شخص کا ذکر تھا۔

صاحب اتقان نے اس آیت پر ایک علمی فیصلہ دیا ہے۔ (۱: ۳۰)

قد علمت مما ذکران   اس سلسلہ میں جو ذکر کیا گیا ہے اسے تو

فرض المسئلة فی لفظ له
عموم اما ایت نزلت فی
معین ولا عموم للفظها
فانها تقصر علیه قطعا
کقوله تعالیٰ وسیجنبها
الاتقی الذی الخ فانها
نزلت فی ابی بکر الصدیق
بالاجماع واستدل الرازی
مع قوله ان اکرمکم
عند الله اتقکم علی انه
افضل الناس بعد رسول
الله صلی الله علیه وسلم
ووهم من ظن ان الآیة
عامة فی کل من عمل علمه
اجراء له علی القاعدة
وهذا غلط فان هذه الایة
لیس فیها صیغة عموم
اذ الالف ولام انما تفید
العموم اذا کانت موصولة
او معرفة فی جمع زاد قوم
او مفرد بشرط ان لا یکون
هناك عهد واللام فی
الاتقی لیست موصولة

جانتا ہے کہ مسئلہ کا تعلق لفظ سے ہے
جس کے لئے عموم ہے کیا تم نہیں دیکھتے
کہ یہ آیت ایک معین شخص کے حق میں
نازل ہوئی ہے اور لفظ کی بنا پر اس
میں کوئی عموم نہیں ہے کیونکہ یہ تو اس
شخص پر بند کر دی گئی ہے جیسا کہ فرمان
باری ہے۔ وسیجنبها الاتقیٰ
الذی الخ۔ یہ ابوبکر صدیق کے حق
میں نازل ہوئی اس پر اجماع ہے اور
امام رازیؒ نے اس قول کو دوسرے ارشاد
باری ان اکرمکم عند الله اتقکم
سے ملا کر استدلال کیا ہے کہ رسول کریمؐ
کے بعد ابوبکر افضل الناس ہیں جس نے
یہ گمان کیا کہ آیت عام ہے ہر اس شخص
کے لئے جو اس پر عمل کرے۔ جیسا صدیقؓ نے
کیا۔ اور اس کو ایک عام قاعدہ سمجھ لیا
تو وہ شخص وہم کا شکار رہا۔ کیونکہ اس آیت
میں عموم کا صیغہ سرے سے پایا ہی نہیں
جاتا۔ کیونکہ الف لام اس وقت عموم کا
فائدہ دیتے ہیں۔ جب موصولہ یا
معرفہ بنانے کے لئے ہو جمع میں اور
ایک گروہ نے کہا کہ یا مفرد ہو مگر اس
شرط پر کہ وہاں عہد نہ ہو اور الاتقی

لانها لا توصل بافعل التفضيل احماعا والاتقی لیس جمعا بل مفرد والعهد موجود خصوصا مع ما یفیده صیغة افعل التفضیل من التمیز و قطع المشارکة فبطل القول بالعموم وتعین القطع بالخصوص و القصر علی من نزلت فیه رضی الله عنه ای فی ابی بکر رضی الله عنه"

میں لام موصولہ نہیں کیونکہ افعل التفضیل کے ساتھ موصولہ نہیں بنایا جاتا اس پر اجماع ہے اور الاتقی جمع نہیں بلکہ مفرد ہے۔ اور عہد موجود ہے بالخصوص جب کہ صیغہ افعل التفضیل ممیز کر دیتا ہے اور مشارکت کو قطع کر دیتا ہے۔ اس لئے عموم کا قول باطل ہوا۔ اور اس کا قصر خاص پر متعین ہو گیا۔ اور یہ قصر حقیقی ہے جس کے حق میں آیت نازل ہوئی۔ یعنی ابو بکر صدیق کے حق میں۔

اس قانون کو سمجھنے کے لئے یہ اصطلاحیں سامنے رکھیں:۔

قصر:۔ کسی چیز کو کسی سے مختص کر دینا کہ دوسرے تک نہ پہنچ سکے۔

قطع المشارکت:۔ کسی چیز میں معین شخص کے ساتھ کسی کی شرکت کو ناجائز قرار دینا۔

الف لام:۔ الاتقی میں جو الف لام ہے یہ نہ موصولہ ہے نہ تعریفی ہے یعنی معرفہ بنانے کے لئے نہیں، بلکہ یہ الف لام عہدی ہے۔

(۴) رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا

اے رب مجھے خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔

صدیق اکبر کی فضیلت تو آیت نصرت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے الفاظ میں فرما دی کہ الا تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین اذ هما فی الغار۔ مگر آیت مندرجہ بالا میں دوسرے انداز سے صدیق کی نصرت کا اظہار فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر امام جعفر سے سنیئے۔

"امام جعفر علیہ السلام از آبائے کرام خود روایت کردہ کہ رسول ایں دعا را در وقتے کرد کہ در غار بود یعنی بار خدایا بیروں آور مرا از غار با امنیت و باز بکہ رساں مرا با ظفر و غنیمت و اجعل لی وبدہ مرا من لدنک از نزدیک خود سلطانا" نصیراً" جحتے یاری دہندہ و قوتے و اعانت کنندہ و غالب شوندہ بر جمیع اہل خلاف و عناد۔ و مراد لسلطان سلطنت و پادشاہی است کہ ناصر اسلام باشد بر کفر چہ رواج اسلام بیروں آں میسر بنود پس حق تعالیٰ اجابت دعوت آنحضرت قبول فرمود بقولہ فان حزب اللہ ھم الغالبون وبقولہ لیظھرہ علی الدین کلہ و بقولہ لیستخلفنھم فی الارض (منہج الصادقین ص۳۰۷)

حضرت امام جعفر کی تفسیر سے چند نکات حاصل ہوئے۔

(۱) حضور نے یہ دعا غار میں کی۔

(۲) دعا کا آغاز اس درخواست سے ہوتا ہے کہ مجھے غار میں سے امن کے ساتھ باہر نکال۔

(۳) آغاز سے انجام تک مجھے ایسا اعانت کنندہ ساتھی دے جو مخالفین اور دشمنوں پر غالب آئے۔

(۴) حضورؐ کی دعا قبول ہوئی۔ اور قبولیت کا ثبوت یہ ہے کہ

(ا) فان حزب اللہ ھم الغالبون۔

(ب) لیظھرہ علی الدین کلہ۔

(ج) لیستخلفنھم فی الارض۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قبولیت دعا کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے۔ غار سے امن کے ساتھ نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلطاناً نصیراً ابو بکر صدیق عطا فرمایا اور اعلان فرمایا فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار۔

فان حزب اللہ ھم الغالبون کے مناظر حضورؐ کی حیات طیبہ میں جو سامنے آئے وہ صحابہ کرام کی جماعت کے ہاتھوں سے صورت پذیر ہوئے پس صحابہ کی جماعت ہی حزب اللہ ہے جو حضورؐ کی دعا کی قبولیت کے طور پر معرض وجود میں آئی۔ اور حضورؐ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد غلبہ کی ابتدا مرتدین کی سرکوبی کے سلسلے میں ابوبکر صدیق کے ہاتھوں ہوئی۔ اور اسلام کی سلطنت کا پھیلاؤ فاروق اعظم کے ہاتھوں ہوا۔ اور اس میں مزید وسعت اور اہل خلاف وعناد کی سرکوبی حضرت عثمان غنی کے ہاتھوں۔ گویا فان حزب اللہ ھم الغالبون اور لیظھرہ علی الدین کلہ کی عملی تفسیر خلفائے ثلثہ کے ہاتھوں ہوئی اور ان آیات کا مصداق وہی ہیں اگر یہ کہا جائے کہ غار میں خدا نے دعا قبول کی مگر انجام سے بے خبر تھا کہ ان لوگوں یعنی خلفائے ثلثہ ہی کے ہاتھ سے ہی لیظھرہ علی الدین کلہ کی تفسیر عملی ہوگی۔ اور حزب اللہ ھم الغالبون کا نقشہ بھی یہی لوگ پیش کریں گے۔ اور خدا کو بدا تو ہو ہی جاتا ہے۔ بالخصوص امامت کے مسئلے میں اور خلافت کے معاملے میں خدا کا بدا انتہا کو پہنچ گیا۔ اگر خدا اس انجام سے واقف ہوتا تو ہرگز غار میں یہ دعا قبول نہ کرتا۔

لیستخلفنھم فی الارض کی صورت قبولیت ظاہر ہے کہ اللہ نے دین اسلام کو غالب کرنے اور سلطنت اسلام کو وسعت دینے اور مخالفین اسلام کو ختم کرنے کے لیے خلفائے ثلثہ کو یکے بعد دیگرے حضورؐ اکرم کا خلیفہ بنایا۔

اگر ان حقائق سے انکار کیا جائے۔ اور حضرت علی کو خلیفہ بلا فصل مان لیا جائے، تو تاریخ اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ حضرت علی نے مرتدین کے خلاف نہ کوئی جنگ کی، نہ ان کا قلع قمع کیا۔ اور انہوں نے اپنے عہد میں ایک انچ کے برابر زمین کا سلطنت اسلامی میں اضافہ نہیں کیا۔ لہذا امام جعفر نے قبولیت دعا کے ثبوت میں جو تین آیتیں پیش کیں ان کا مصداق خلفائے ثلثہ اور جماعت صحابہ ہی قرار پاتی ہے۔ اور اہلِ سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے اور قرآن کریم کی رُو سے دین حق یہی ہے۔

باب سوم

آیت تطہیر

قرآن کریم کی کسی آیت کا حقیقی مفہوم سمجھنے یا کسی آیت کے کسی لفظ کا مدلول معلوم کرنے میں انسان اس وقت ٹھوکر کھاتا ہے جب آیت کو سیاق و سباق سے الگ کر کے کسی جزو سے اپنی پسند کا مفہوم نکالنے کی کوشش کی جائے۔ یہ کوشش دراصل قرآن کے الفاظ سے معنی اخذ کرنا نہیں ہوتا، بلکہ آیت میں اپنی پسند کے معانی داخل کرنا ہوتا ہے۔ اور جب اس کوشش کو وسعت دے کر دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹانے کی مہم شروع کر دی جائے تو اسے انسانیت کے حق میں ظلم عظیم کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اسی قسم کی ایک صورت آیت تطہیر کی تعبیر میں ملتی ہے۔ چنانچہ اس مہم کی ابتداء سارے سلسلہ مضامین سے صرف نظر کر کے اس ٹکڑے سے کی جاتی ہے کہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مفہوم کا پورا منظر پیش نظر رکھا جائے لہذا قرآن کریم سے پورا مضمون نقل کرتے ہیں:

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ
اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ
الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ
اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا
جَمِیْلًا۔ وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ
اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ
فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ

اے نبیؐ اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ اگر
تم دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار
چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع
(دنیوی) دے دوں اور تم کو خوبی کے
ساتھ رخصت کروں اور اگر تم اللہ کو
چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور
عالم آخرت کو تو تم سے نیک کرداروں

مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنۡ يَّاۡتِ مِنۡكُنَّ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفۡ
لَهَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَيۡنِ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيۡرًا۔ وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ
مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ
صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ
وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيۡمًا۔
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ
مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ
فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ
فَيَطۡمَعَ الَّذِيۡ فِيۡ قَلۡبِهٖ
مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا
وَقَرۡنَ فِيۡ بُيُوۡتِكُنَّ وَلَا
تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ
الۡاُوۡلٰى وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتِيۡنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعۡنَ
اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ اِنَّمَا يُرِيۡدُ
اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ
اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ
تَطۡهِيۡرًا۔ وَاذۡكُرۡنَ مَا
يُتۡلٰى فِيۡ بُيُوۡتِكُنَّ مِنۡ

کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا
ہے۔ اے نبی کی بیویو جو کوئی تم میں سے
کھلی ہوئی بے حیائی کرے گی اس کو دوہری
سزا دی جائے گی۔ اور یہ بات اللہ کو
آسان ہے اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی
اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگی
اور نیک کام کرے گی۔ تو ہم اس کو اسکا
دوہرا ثواب دیں گے۔ اور ہم نے اس کے
لیے عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے اے نبی
کی بیویو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر
تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے)
بولنے سے (جب کہ بضرورت بولنا پڑے)
نزاکت مت کرو (اس سے) ایسے شخص
کو (طبعاً) خیال (فاسد) ہونے لگتا ہے۔
جسکے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت)
کے موافق بات کہو اور تم اپنے گھروں میں قرار
سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور
کے مطابق مت پھرو اور تم نمازوں کی
پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا
اس کے رسول کا کہنا مانو اللہ تعالیٰ کو یہ
منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو
دور رکھے اور تم کو ہر طرح (ظاہراً و باطناً) پاک
وصاف رکھے اور تم آیات الٰہی کو اور اس علم

اٰیٰتِ اللّٰہِ وَ الۡحِکۡمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیۡفًا خَبِیۡرًا | (احکام) کو یاد رکھو جسکا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بیشک اللہ رازدان ہے پورا خبردار ہے

اس سلسلۂ مضمون کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب سے ہو رہا ہے اور حضور کو ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنی ازواج مطہرات سے کہئے اگر تمہیں دنیوی آرائش و زیبائش سے لگاؤ ہے تو میں تمہیں رخصت کئے دیتا ہوں۔ اور اگر اللہ و رسول و دار آخرت کی مسرتیں تمہارا نصب العین ہیں تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ پھر ازواج مطہرات سے خطاب ہوتا ہے۔ کہ تمہاری ذمہ داری بھی دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ ہے اور اسی نسبت سے تمہارے لیے صلہ بھی دوسروں سے کہیں بڑھ کر ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم دوسری عورتوں کی طرح من مانی کرنے کے لیے نہیں ہو، بلکہ تمہاری ذمہ داری یہ ہے مرکز نبوت میں بیٹھ کر پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو پوری کرتی رہو، جو اللہ اور رسول کی طرف سے تم پر عائد ہوتی ہیں۔ کیونکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اے نبی کے گھر والو! اللہ تم کو یوں پاک رکھنا چاہتا ہے جیسے پاکیزگی کا حق ہے۔ تمہاری ذات تو علم و حکمت کا منبع ہے کیونکہ وحی الٰہی کا نزول تم ازواج النبی کے گھروں میں ہوتا ہے۔

آیات کی اس سادہ اور مربوط ترجمانی کے بعد چند دقیق نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم نے جہاں بھی امہات المومنین کا ذکر فرمایا ہے ان کی زوجیت اور نکاح کی نسبت ذات رسول موصوف بصفت نبوت کی طرف کی ہے صاف ظاہر ہے کہ زوجیت کی اضافت نبوت کی طرف ہے یعنی ان کی زوجیت کا تعلق نبوت سے ہے اور چونکہ مخلوق میں افضل ترین منصب نبوت کا ہے لہذا ان کی زوجیت میں بھی وہی عورتیں داخل ہوئیں جنہیں نبوت و رسالت سے پوری پوری مناسبت ہے۔
نبی ظاہری اور باطنی گناہ سے معصوم ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم کی پاکیزگی کا ایسا اہتمام کرتا ہے کہ مکھی جسے گندگی سے نسبت ہے اس کے جسم پر نہیں بیٹھ سکتی۔ تو ظاہر ہے کہ جب نبی کی یہ شان ہے تو ازواج النبی دنیا کی محبت و زینت کی غلاظت لے کر نبی کے جسم سے کیسے مس کر سکتی ہیں۔ لہذا اعلان کرایا گیا۔

کہ اگر اس غلاظت کا شائبہ بھی تمہارے نہاں خانۂ دل میں کہیں پایا جائے تو میں تمہیں اپنے سے جُدا کئے دیتا ہوں اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے نبی کریمؐ نے مخاطب ازواج النبی میں سے کسی کو اپنے سے جدا نہیں کیا لہذا نبی کریمؐ کا یہ فعل ازواج مطہرات کی پاکیزگی طہارت اور حفاظت عن المعاصی پر مہر ثبت کر دیتا ہے۔

اسی حقیقت کو دوسرے انداز میں ظاہر کر دیا کہ ازواج مطہرات تمہارے گھر تو مہبط وحی ہیں۔ لہذا محبت دنیا اور زینت دنیا کا یہاں گزر بھی نہیں ہو سکتا یہاں اللہ اور رسول کی اطاعت اور دار آخرت کی فکر کے بغیر کسی چیز کا وجود ہی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے ذات رسول کا ذکر کیا۔ صفت نبوت کا ذکر نہیں کیا چنانچہ فرمایا کہ ضرب اللہ مثلا الذین کفروا امرأۃ نوح وامرأۃ لوط۔ چونکہ ان عورتوں کو شان نبوت سے مناسبت نہیں تھی۔ لہذا اول تو انکی نسبت ذات کی طرف کی گئی پھر ان کو زوجیت سے علیٰحدہ کر دیا گیا اور رہتی دنیا تک مثال قائم کر دی

(۳) یہ صرف حضورؐ کی خصوصیت اور ازواج مطہرات کی خصوصیت ہے کہ انہیں ازواج النبی اور نساء النبی کے الفاظ سے خطاب کیا گیا۔ قرآن کریم میں کسی نبی کی بیوی کو نبوت کی نسبت اور اضافت سے نہیں پکارا گیا۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کیا گیا۔ ولقد جاءت رسلنا ابراھیم بالبشریٰ پھر فرمایا وامرأتہ قائمۃ فضحکت یہاں ہٗ ضمیر کا مرجع بھی ذات ابراہیم مذکور ہے

اسی طرح حضرت ذکریاؑ کے قصے میں ان کی زبانی بیان ہوا کہ وامرأتی عاقر یہاں بھی بیوی کی نسبت نام ذکریاؑ کی طرف ہے مگر قرآن کریم میں حضورؐ کی ازواج کا جہاں ذکر آیا نبی کی اضافت سے آیا۔

(i) یا ایھا النبی قل لازواجك

(ii) ینساء النبی

(iii) النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہٗ امہاتھم نبی کریمؐ کے ساتھ زوجیت کی نسبت اور نبی کریمؐ کے گھر کے ساتھ اہل بیت کی نسبت ان عورتوں کو ہی ہو سکتی ہے جن کے دلوں سے محبت دنیا نکال کر اللہ و رسول کی محبت یوں بھر دی گئی ہو کہ صرف وہی اس گھر میں رہنے کے قابل اور نبوت سے نسبت کی اہل قرار پائیں۔ اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس دل میں اللہ اور رسول کی محبت جاگزیں ہو۔ وہاں کوئی اور محبت یہاں ٹھہر سکتی ہے۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ مملکت دل پر جب اللہ و رسول کی محبت کا حملہ ہو تو وہاں سے دنیوی محبت کو ذلیل کر کے نکال باہر کر دینے کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔

(۴) ان آیات میں رب العالمین نے ازواج النبی کے لیے دو انعامات کا اعلان فرمایا۔ اخروی اور دنیوی۔ ازواج مطہرات نے جب اللہ و رسول اور دار آخرت کا پہلو اختیار فرمایا تو اس کے انعام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ کا اعلان فرمادیا کہ دار دنیا میں انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ جب تم نے اپنے دل سے سب کچھ نکال کے اللہ اور رسول کی محبت کو اس میں بسا لینا پسند کیا تو میں تمہارے دلوں کو اس درجہ پاک کرنے کا اعلان کرتا ہوں کہ تمہاری اس پسندیدہ اور اختیار کردہ چیز کے بغیر ان میں اور کچھ بھی نہ رہنے پائے یہ انعام تمہیں دنیا میں عطا کیا جا رہا ہے۔

رہا دوسرا پہلو تو فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما۔ اس میں "اَعَدَّ" صیغہ ماضی کا ہے یعنی میں نے اپنے علم ازلی سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ تم اللہ و رسول کو ہی اختیار کرو گی اس لیے میں نے اسی وقت سے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے یہ انعام آخروی ہے اس انعام سے واضح ہو گیا ہے کہ امہات المؤمنین کا حضورؐ سے زوجیت کا تعلق صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ عالم برزخ اور عالم آخرت میں بھی یہ تعلق قائم رہے گا۔

اس مقام پر چند ایک اور آیات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہے۔

(۱) قال تعالیٰ لا یحل لک النساء من بعد و لا ان تبدل بھن من ازواج و لو اعجبک حسنھن۔ ترجمہ:- ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کر لیں۔ اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو۔

سنن الکبریٰ بیہقی ۷ : ۷۰ میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

فان المرأۃ فی الجنۃ لآخر ازواجھا فی الدنیا فلذلک حرم اللّٰہ علی ازواج النبی ان ینکحن بعدہ لانھن ازواجہ فی الجنۃ۔

ترجمہ:- یعنی جنت میں عورت اس خاوند کو ملے گی جو دنیا میں اس کا آخری خاوند ہُوا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بیویوں پر بعد رسول نکاح کرنا حرام قرار دیا۔ کہ یہ اپنے نبی کی جنت میں بھی بیویاں ہونگی۔

(۲) لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔

ترجمہ:- یعنی حضورؐ کے بعد کوئی شخص ان سے نکاح نہیں کر سکتا۔ یہ امت کی مائیں ہیں

(۳) وقرن فی بیوتکن۔

نکاح کے بدستور قائم رہنے کی دلیل ہے۔

(۴) ازواج مطہرات کا اللہ و رسول کو اختیار کر لینا بھی ان کی دائمی زوجیت رسول پر دال ہے۔ اگر دنیا کی محبت ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی پائی جاتی۔ تو نبی کریمؐ لازماً انہیں طلاق دے دیتے حضورؐ کا طلاق نہ دینا ان کی حقیقی طہارت کی دلیل ہے۔

پھر آیت کے مذکورہ بالا ٹکڑے میں یعنی

اعد للمحسنات منکن میں "من" بیانیہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں (مدارک)

اور بیضاوی میں ذرا وضاحت ومن للتبیین لانھن کلھن من محسنات یعنی سب کی سب محسنات تھیں۔

جب محبت دنیا اور زوجیت نبیؐ کا یکجا ہونا محال تھا تو یہ اجتماع نقیضین کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شیعہ مفسر علامہ محمد حسین الطباطبائی نے اپنی بے نظیر تفسیر المیزان فی تفسیر القرآن ۱۶: ۳۰۵ پر اس حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے۔

وقد ردد امرھن بین	اللہ تعالیٰ نے ازواج النبیؐ کا حکم
ان یردن الحیاۃ الدنیا و	اور فیصلہ تردید کے طور پر بیان فرمایا
زینتھا و بین ان یردن اللہ	ہے کہ یا تو وہ حیات دنیا اور اس کی
ورسولہ والدار الاخرۃ و	زینت کو اختیار کریں۔ یا اللہ اور
ھذا الترديد يدل اولاً ان	رسول اور آخرت کو اختیار کریں اور
الجمع بین سعۃ الدنیا	یہ تردید اوّل ہی اس پر دلالت کرتی
والعیش وصفائھا بالتمتع	ہے کہ دنیوی خوشحالی، انتفاع دنیوی
من الحیاۃ و زینتھا	اور زینت دنیوی کے ساتھ زوجیت
وزوجیۃ النبی صلی اللہ	رسول اور بیت رسول میں رہنا محال
علیہ وسلم فی بیتہ مما لا	اور اجتماع ضدین ہے۔"
یجتمعان۔	

شیعہ مفسر کی اس وضاحت پر غور کریں۔ کیا ازواج مطہرات بیت میں رہیں یا رسول نے انہیں گھر سے نکالا، یا اگر نہیں نکالا تو اہل بیت رسول کون ہوا اور تاریخ شاہد ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد بیت رسول میں وہی رہیں۔ لہٰذا امت کو جس طرح رسول ایسا مقدس و مطہر ملا امت کی مائیں بھی مقدس اور پاکیزہ ملیں جن کی تطہیر کا اعلان خود خدائے محمدؐ نے کر دیا۔

پھر یہی مفسر اپنی اسی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یا ایھا النبی قل لازواجک	فرمایا اے میرے نبیؐ تم اپنی بیویاں
امر النبی صلی اللہ علیہ	کو ان دو آیتوں کا حکم سنا دو۔ اور خدا
وسلم ان یبلغ الایتین	نے اپنے رسول پر فرض قرار دے دیا۔

ازواجه ولازمه ان یطلقهن ویمتعهن ان اخترن الشق الاول ویبقیهن ان اخترن الله ورسوله والدار الآخرۃ

کہ اگر وہ شق اول یعنی محبت دنیا اور اس کی زینت اختیار کریں تو انہیں نفع دینوی دیکر طلاق دے دو۔ اور اگر وہ شق ثانی یعنی اللہ و رسول اور آخرت کو اختیار کریں تو انہیں زوجیت میں باقی رکھو۔

اور ظاہر ہے کہ نبیؐ نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی۔ جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ انہوں نے اللہ و رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا۔ بیت نبویؐ میں رہیں۔ الفضل ما شھدت به الاعداء۔

احکام کی تفصیل

جب امہات المؤمنین نے شق ثانی اختیار کر لی تو آداب نبوت اور ان کی ذمہ داریوں کے متعلق احکام کا بیان شروع ہوا۔

ینساء النبی من یأت منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین۔

انعام کے مقابلے میں سزا کا بیان فرمایا۔ مگر آیت کے اس حصے سے بھی گمراہی کے سامان فراہم کئے جاتے رہے یہ مادہ قضیہ شرطیہ میں ہے۔ اور شرط اور جزا پر مشتمل ہے۔ اور قضیہ شرطیہ کی شرط یعنی مقدم کا وقوع اور عدم وقوع برابر ہوتے ہیں۔ یعنی وقوع مقدم و شرط ضروری نہیں اس طرح جزا ء و تالی کا وقوع بھی ضروری نہیں۔ جیسا ان کانت الخمسه زوجا کانت منقسمة بمتساویین یعنی اگر پانچ جفت ہوں۔ تو ان کی تقسیم دو امر متساوی کی طرف ہوگی یہ عبارت تو درست ہے مگر اس پر دال نہیں۔ کہ پانچ واقعی جفت ہے جب یہ نہیں تو یقیناً منقسم دو امر مساویین کی طرف بھی نہ ہوگا۔ دونوں کا وقوع محال ہے لہذا یہاں بھی یہی بات ہے کہ امہات المؤمنین سے نہ بے حیائی صدور ہوگا، نہ دو چند عذاب ہوگا۔

یہاں من یأت میں مَن شرطیہ ہے جو وقوع شرط کو مستلزم نہیں تو جزا کیسے مرتب ہو گی۔

اب اس کی مثالیں قرآن کریم سے ملاحظہ ہوں۔

(۱) لئن اشرکت لیحبطن عملک۔ یعنی انبیاء سے کہا گیا ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو اللہ آپ کے عمل ضائع کر دے گا۔

(۲) لو اشرکوا لحبط عنھم ما کانو یعملون اگر انبیاء شرک کریں گے تو اللہ ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔

(۳) ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین اگر اللہ کے اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔

(۴) لو اراد اللہ ان یتخذ ولد الاصطفی مما یخلق ما یشاء اگر اللہ اپنی اولاد بناتا تو مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔

(۵) فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فسئل الذین یقرءون الکتب من قبلک۔ اگر آپ کو اس کے منزل من اللہ میں شک ہے تو سابقہ اہل کتاب کے علماء سے پوچھ لو۔

ان آیات میں شرط اور اجزا دونوں غیر ممکن الوقوع ہیں

دوسرا حکم

وقرن فی بیوتکن۔ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی۔

حکم ہوا کہ تم بیت النبی یعنی مرکز نبوت میں جمی رہو۔ غیر ذمہ دار عورتوں کی طرح بے پردہ گھر سے باہر نہ جاؤ۔ اور جاہلیت کے زمانے کی عورتوں کی طرح زینت کا اشتہار نہ دیتی پھرو۔ اس سادہ سی ہدایت کا مطلب ظاہر ہے مگر جو طبائع لاتقربوا الصلوٰۃ پر رک جانے کی عادی ہیں۔ انہوں نے یہاں بھی گریز کی راہ نکال لی۔ اور دعویٰ کر دیا کہ جنگ جمل میں جانا گھر سے نکلنا اور امام برحق سے لڑنا صریح بدکاری ہے۔

اگر گھر سے نہ نکلنے سے مراد یہی ہے کہ گھر کی چار دیواری سے قدم باہر رکھنے کی ممانعت ہے تو حیرت ہے کہ جس پر قرآن نازل ہُوا اس ہستی نے قرآن کریم کا یہ مفہوم کیوں نہ سمجھا۔ اگر یہی سمجھتے تو حجۃ الوداع میں ام المؤمنین کو گھر سے قدم باہر رکھے بغیر کیونکر شامل کر لیا۔ گھر تو مدینہ میں ہے اور ام المؤمنین حج کے لیئے مکہ پہنچ گئیں۔ اور رسول خدا کو اتنی خبر بھی نہ ہُوئی کہ آپ کی موجودگی میں نص کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی بڑا ہی بے نیاز ہے کہ اپنے نبی کو قرآن کا مفہوم نہ بتایا اور ان لال بجھکڑوں کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا۔

پھر ام المؤمنین کا مسجد نبوی میں نماز پڑھنا ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیا یہ عمل بھی گھر سے باہر قدم رکھے بغیر ہی ہوتا۔ کاش! یہ الٹی سیدھی باتیں بنانے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کچھ لحاظ رکھتے۔

رہا جنگ میں جانا تو اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اسد الغابہ میں حضرت زبیرؓ کے واقعات کا مطالعہ کیا جائے ہم نے اپنی کتاب تحذیر المسلمین میں اس کی تفصیل دے دی ہے۔

آیئے قرآن کریم سے امہات المؤمنین کے مرتبہ اور شان کے متعلق کچھ رہنمائی حاصل کر لیں۔

قرآن کریم نے ازواج النبی کو امہات المؤمنین کا خطاب دیا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت علی بھی مومن ہیں۔ لہذا ان کی ماں ہُوئیں۔ اس حقیقت کا اقرار شیعہ عالم کی زبانی سنیئے۔

معنی الاخبار شیخ صدوق طبع ایران ص ۲۷۵

فدخل عیینه بن حصین	عینیہ بن حصین رئیس قبیلۂ مصر
علی النبی صلی اللّٰه علیه	نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا
وسلم وعنده عائشه	اور حضرت عائشہ صدیقہ نبی کریمؐ کے
فدخل بغیر اذن فقال له	پاس بیٹھی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا اجازت

النبی فاین الا ستیذان	مانگنے کا حکم کیا ہوا؟ عینیہ نے کہا میں
قال ما استأذنت علی رجل	قبیلہ مضر کے کسی مرد کے پاس ان کی
من مضر منذ ادرکت	اجازت نہیں مانگا کرتا جب سے بالغ
ثم قال من هذه الحمیرا	ہوا ہوں۔ پھر کہا کہ اس حمیرا کی وجہ
الی جنبک فقال رسول	سے اذن طلب کروں؟ حضورؐ نے فرمایا
الله صلی الله علیه وسلم	یہ عائشہ ہے ام المؤمنین ہے عینیہ کہنے
هذه عائشه ام المؤمنین	لگا کیا میں آپ کے لئے کوئی حسین
قال عیینه افلا انزل	عورت نہ دے آؤں۔ اور آپ اس کو
لک عن احسن الخلق و	طلاق دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ
تنزل عنها. فقال رسولؐ	اللہ تعالیٰ نے مجھ پر طلاق دینا حرام
الله ان الله عز و جل	کر دیا ہے جب وہ چلا گیا تو حضرت
قد حرم علی ذلک فلما	عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ
خرج قالت له عائشة	صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون تھا۔ حضورؐ
من هذا یا رسول الله	نے فرمایا یہ احمق ہے اور اس
قال هذا احمق مطاع	کے جو لچھن تم نے دیکھے ہیں اس
و انه علی ما تری بین	کے باوجود قوم کا سردار
سید قومه ۔	ہے۔

شیخ صدوق کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ

(۱) حضورؐ نے اپنی زبان سے حضرت عائشہ کو ام المؤمنین فرمایا۔

(۲) شیعہ عالم نے روایت بیان کی ہے جس سے ظاہر ہے انہیں یہ حقیقت تسلیم تھی۔

(۳) اس حقیقت کے دو گواہ اللہ اور رسولؐ ہی کافی تھے۔ مگر ضد کی کوئی حد تو مقرر نہیں لہذا تیسرے گواہ امام ہوئے۔ چوتھا گواہ شیخ صدوق۔

(۴) یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت عائشہ مومنوں کی ماں ہے ظاہر ہے کہ جو اسے

ماں تسلیم نہ کرے اس کا ایمان سے دُور کا بھی رشتہ نہیں۔

یہاں یہ بات پیشِ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریمؐ تمہارے روحانی باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں۔ اگر حضرت عائشہ کو معاذاللہ کافر تسلیم کیا جائے تو اس احسان کا کیا کہنا کہ کافر عورت کو مومنوں کی ماں قرار دے دیا مگر عینیہ پر کوئی حماقت ختم تو نہیں ہو گئی۔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔

چنانچہ حال کا ایک "دانشور" محمد حسین ڈھکو نے اپنی کتاب التجلی میں لکھا ہے کہ "ماں ہونا اور چیز ہے، مومنہ ہونا اور چیز ہے"۔ یہ اور چیز بھی عجیب چیز ہے اس سلسلہ کو وسیع سے وسیع تر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً محمد حسین کا شیعہ ہونا اور چیز ہے انسان ہونا اور چیز ہے یا یوں کہئے شیعہ ہونا اور چیز ہے مومن ہونا اور چیز ہے۔ امام ہونا اور چیز ہے مومن ہونا اور چیز ہے۔ شہدائے کربلا کا قتل ہو جانا اور چیز ہے شہید ہونا اور چیز ہے۔ خدا ہونا اور چیز ہے خالق ہونا اور چیز ہے (معاذاللہ) یہ "اور چیز" ایسی شیطان کی آنت ہے کہ اس کا سرا ڈھونڈے نہیں ملے گا۔

شیعہ کی ایک تحقیق

عیون اخبار الرضا۔ شیخ صدوق طبع مطبع حیدریہ نجف اشرف ص ۱۵۵

"واما محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عز وجل وتخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ فان اللہ عز وجل عرف نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم اسماء ازواجہ فی دار الدنیا واسماء ازواجہ

جہاں تک نبی کریمؐ اور ارشاد باری "تو نے اس بات کو چھپا رکھا تھا۔ جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے"۔ سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو ان کی تمام بیویوں کے نام بتائے تھے جو دنیا اور آخرت میں آپ

فی دار الاخرۃ وانھن امھات	کی ازواج ہونے والی ہیں اور یہ بھی
المؤمنین واحد لھن من	بتا دیا تھا کہ وہ امہات المؤمنین ہیں ان میں
سمی لہ زینب بنت جحش	سے ایک زینب بنت جحش ہے جو اس وقت
وھی یومئذ تحت زید بن	زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں.
حارثہ فاخفی اسمھا فی	حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا
نفسہ ولم یبدہ کیلا	نام ظاہر نہیں کیا تھا۔ منافق یہ نہ
یقول احد من المنافقین	کہیں کہ اس عورت کے متعلق یہ کہتے
انہ قال فی امرأۃ فی بیت	ہیں کہ امہات المؤمنین میں سے ہے
رجل انھا احدی ازواجہ	حالانکہ وہ دوسرے آدمی کے گھر اس
من امھات المؤمنین و	کے نکاح میں ہے. منافقین کے
خشی قول المنافقین.	اس شور سے حضورؐ کو اندیشہ تھا؟

شیعہ محقق کے اس بیان سے معلوم ہوا ہے کہ

(۱) نبی کریمؐ کو ان تمام خواتین کے نام سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا جو آپ کی زندگی میں آپ کے نکاح میں آنے والی تھیں۔

(۲) آپ نے جن سے نکاح کیا وہی امہات المؤمنین ہیں.

(۳) وہی عالم برزخ اور آخرت میں آپ کی ازواج مطہرات ہیں۔

ہاں یہ تو وہ ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

(۱) لستن کاحد من النساء۔

(۲) الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات.

(۳) لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن یعنی ان کے بغیر کسی اور سے نکاح بھی نہیں کر سکتے. اور ان کو طلاق بھی نہیں دے سکتے.

(۴) خانۂ رسول وہی ہے جو ازواج مطہرات کا گھر ہے۔

(۵) گھر والیاں بس وہی ہیں جو خانۂ رسول میں رہتی ہیں۔

یہ روایت بعینہٖ انہی الفاظ میں انوار النعمانیہ ۱ : ۸۶ پر موجود ہے۔

ان تمام وضاحتوں کے بعد یہ عجیب بات ہے کہ نبی کریمؐ کے نکاح میں اس عورت کا آنا مقدر ہو چکا تھا۔ جو معاذ اللہ کافر تھیں۔

رسول خدا کو برزخ اور آخرت میں معاذ اللہ کافر بیوی کا رکھنا مقدر کر دیا گیا اور معاذ اللہ کافر عورت کو امہات المؤمنین میں شمار کیا گیا۔

نتیجہ اس کے بغیر کیا نکل سکتا ہے کہ یہ واقعی حقیقی مومنہ ہے اللہ نے جیسا رسول انتخاب کیا ویسے ہی اس کی بیویاں انتخاب کیں۔ اور وہ واقعی امہات المؤمنین ہیں۔ ہاں کافروں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

ریاض الجنۃ

فروع کافی طبع نولکشور لکھنؤ ۱ : ۵۸۵ پر امام جعفر سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔

ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔

یعنی میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔

اسی کے صفحہ ۵۸۶ پر ہے کہ جمیل ابن دراج کہتا ہے۔

سمعت اباعبد اللہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ ما بین منبری و بیتی روضۃ من ریاض الجنۃ۔

پھر اسی صفحہ پر عن مرازم قال سألت اباعبد اللہ علیہ السلام عما یقول الناس فی الروضۃ فقال قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم فیما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔

اسی کے صفحہ ۵۸۵ پر ابو بجہ خضری کا سوال اور امام جعفر کا جواب درج ہے :

قال قلت ھی روضۃ الیوم قال نعم انہ لو کشف الغطاء لرأیتم۔

یعنی امام کی زبان سے نبی کریمؐ کا یہ ارشاد کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا

حصہ جنت کا باغ ہے۔ ابو بجر حضرمی نے سوال کیا کہ جس گھر کا یہاں ذکر ہے وہاں تو آج روضۂ رسولؐ ہے تو امام نے فرمایا ہاں یہی روضۂ رسول جنت کا ٹکڑا ہے اگر تمہاری آنکھوں سے پردہ اٹھ جائے تو تم دیکھ لو کہ یہی روضۂ جنت کا باغ ہے۔ امام نے تو بتا دیا کہ یہی جنت کا باغ ہے جس میں آج ابو بکر اور عمر اپنے محبوب کے ہمراہ موجود ہیں۔ مگر من مانی کرنے والے امام کی بات بھلا کہاں مانتے ہیں۔ انہیں تو اصرار ہے کہ معاذ اللہ دو کافر یا منافق بھی جنت میں معیت رسول سے مشرف ہو رہے ہیں۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون نہیں بدلا البتہ ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ جنہیں ان کے ایمان میں شک ہے

امام کے اس فرمان کے مطابق جن لوگوں کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ وہ روضۂ اقدس کی ظاہری حقیقت بھی نہیں جانتے۔ اس کے اندر کی حقیقت کیونکہ پہچانیں مگر امام نے اس کے اندر کے حالات بھی کچھ تو بیان فرما دیئے۔

اصول کافی طبع نولکشور لکھنؤ طبع ۱۳۰۲ھ

عن جعفر بن المثنی الخطیب	خلاصہ یہ ہے کہ روضۂ اقدس کی چھت
قال كنت بالمدينة وسقف	گر گئی تعمیر کا کام شروع ہو گیا جعفر بن
المسجد الذی یشرف علی	المثنی خطیب نے یہ منظر دیکھا ساتھیوں
القبر قد سقط والفعلة	سے کہا کہ کون ہے جو امام جعفر کے پاس
یصعدون و ینزلون ونحن	جا کر اجازت طلب کرے کہ اوپر چڑھ کر
جماعة فقلت من منكم	روضۂ اقدس کے اندر ذرا جھانک لیں۔
موعدان یدخل علی ابی	مہران اور اسمٰعیل نے حامی بھری۔
عبد الله الليلة فقال مهران	دوسرے روز پھر جماعت شیعہ اکٹھی
بن ابی نصر انا و قال	ہوئی تو اسماعیل نے کہا میں نے تمہارے
اسمٰعيل بن محمد الصيقل	لیے امام سے اجازت طلب کی مگر امام
انا. فقلنا لهما سلاه لنا	نے فرمایا کہ میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تم
من الصعود لنشرف على	شیعہ میں سے کسی کے لیے اچھا نہیں

قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما کان من الغد لقیناھما و اجتمعنا جمیعا فقال اسمٰعیل قد سألناہ لکم عما ذکرتم فقال ما احب لاحد منکم ان یعلوا فوقہ و لا امنہ ان یریٰ شیأ یذھب منہ بصرہ او یراہ قائما یصلی او یراہ مع بعض ازواجہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سمجھتا کہ اوپر چڑھ کر روضہ کے اندر کے منظر کو دیکھے۔ (یعنی حضورؐ کو، شیخین کو یا ازواج مطہرات کو) اور اندھا ہو جائے یا یہ منظر دیکھے کہ حضورؐ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یا یہ دیکھے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج مطہرات کے ساتھ بیٹھے ہیں۔

(باب النہی عن الاشراف علی قبر النبیؐ)

اس روایت میں جعفر بن المثنی اور اس کی جماعت کے متعلق ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں روضۂ اقدس کے اندر جھانک لینے کا اشتیاق تھا۔ دوسری طرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ان کے حالات سے واقف تھے کہ لوگ دل کے اندھے تو ہیں ہی کہ روضۂ اقدس کی ظاہری حیثیت بھی پہچان نہیں سکے۔ اندر دیکھیں تو کہیں بصارت بھی جاتی نہ رہے۔ امام کے الفاظ لا احب لاحد منکم بڑے معنی خیز ہیں کیونکہ کام کرنے والے تو برابر کبھی اوپر جاتے، کبھی نیچے اترتے مگر منکم کہہ کر امام نے واضح کر دیا کہ تمہارے لئے موزوں نہیں کیونکہ جب تم نے دیکھا کہ حضورؐ اندر نماز پڑھ رہے ہیں یا اپنی ازواج مطہرات کے پاس بیٹھے ہیں تو تم بھلا کہاں اس منظر کی تاب لا سکتے ہو۔

پھر یہ واضح ہو گیا کہ امام نے بتا دیا کہ یہ حصہ جنت کا باغ ہے۔ اور اس باغ میں حضورؐ اکرم بھی ہیں اور ازواج مطہرات بھی ہیں۔ یعنی دنیا میں حضورؐ کی بیویاں برزخ میں بھی حضورؐ کی بیویاں ہیں۔ اور یہی بیت رسولؐ ہے اور یہی اہل بیت رسولؐ ہے۔

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ اور اقوال آئمہ سے ثابت ہو گیا۔ کہ ازواج مطہرات

امہات المؤمنین ہیں اور برزخ اور آخرت میں بھی وہ حضورؐ کے ساتھ ہیں۔ مگر حیلہ جو طبائع کب چین سے بیٹھ سکتی ہیں ؎

بیکار نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریبان چاک یا دامن یزداں چاک

چنانچہ ایک شیعہ مجتہد علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب جلاء العیون اور حیاۃ القلوب میں ایک راز سے پردہ اٹھایا ہے۔

"کہ رسولؐ خدا نے حضرت علی کو حکم دیا تھا کہ میرے بعد عائشہ کو طلاق دے دینا"

نکتہ بہت باریک ہے مگر اس میں الجھاوے پڑے ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ممانعت فرما دی تھی کہ آپ طلاق نہیں دے سکتے۔

گذشتہ اوراق میں شیخ صدوق کی معنی الاخبار سے عیینہ کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔ جس میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ان اللہ قد حرم علیّ مگر ملا باقر کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ اس حکم سے خوش نہیں تھے۔ بلکہ اپنے اوپر جبر کر کے اس کی تعمیل کرتے رہے کہ طلاق نہ دی۔ کیا نبیؐ کا مقام یہی ہے؟

دوسری بات یہ کہ اللہ کی پسند کے خلاف عمل کرنے کے لیے معاذ اللہ حضورؐ نے یہ حیلہ نکالا کہ چلو حضرت علی کے ذریعے یہ کام کر دو۔ جو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کیا دنیا میں کبھی کوئی واقعہ پیش آیا ہے کہ بیوی کسی کی ہو اور طلاق کوئی اور دے۔ اور وہ طلاق واقع ہو جائے۔ یعنی جو کام دنیا کا کوئی ذی ہوش انسان نری حماقت سمجھے اسے حضرت علی سے منسوب کر دیا جاتے۔ کیا حضرت علی کا یہی مقام ہے؟ بات وہی بنی کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا اور وہ بھی ادھ موا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ "میرے بعد" کے لئے کوئی مدت کا تعین بھی تھا یا نہیں؟ اور حضرت علی نے حضورؐ کے حکم کی تعمیل کی یا نہیں۔ اگر تعمیل کی تو کب؟ جنگ جمل میں تو شیعہ کے مطالبہ کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا کہ کون ام المؤمنین عائشہ کے لیے قرعہ ڈالتا ہے۔ مگر ان لوگوں کو شرم آہی گئی اور اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو گئے۔ پھر اسی

حکم کی تعمیل کا موقع کب آیا؟

اُمہات المومنینؓ کے متعلق چند شیعی روایات

انوار نعمانیہ طبع ایران ۱ : ۲۸۲

ومن ھذا کان صلی اللہ علیہ وسلم ابا المؤمنین وزوجاتہ امہات المؤمنین

اور یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ مومنوں کے باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔"

یہاں شیعہ محدث نے باپ اور ماں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔ اگر محمد حسین ڈھکو کی منطق ایک حصے میں یوں چلی کہ ماں ہونا اور بات ہے اور مومنہ ہونا اور بات ہے اور کیا دوسرا حصہ ان کی زد سے بچ سکتا ہے کیا عجب کل وہ یا ان کا کوئی خلف یہ بھی کہدے کہ باپ ہونا اور بات ہے اور مومن ہونا اور بات ہے۔

(نعوذ باللہ من ذلک الخرافات)

بہر حال جسطرح اللہ پاک نے مومنوں کی معنوی ابوت کے لئے نبی کریمؐ کا انتخاب فرمایا اسی طرح امومت کے لیے ازواج مطہرات کا انتخاب فرمایا۔

(۱) طلاق والی بڑ ہانکنے کی نسبت اگر ملا باقر مجلسی یہی کہہ دیتے کہ خدا کو بدا ہو گیا۔ پہلے اسے علم نہیں تھا کہ حضرت عائشہ بعد میں (معاذاللہ) کافر ہو جائیں گی اسلیے غلطی سے پہلے ان کا نام حضورؐ کی ازواج کی فہرست میں داخل کر دیا۔ ایسے معذور اور ناقص العلم خدا کے ماننے والے بھی تو ایسے ہی بے پیندے کے لوٹے ہی ہو سکتے ہیں۔

(۲) انوار نعمانیہ ص ۱۲۵

وکانت سودۃ قد وھبت لیلتھا لعائشہ حین اراد رسول اللہ طلاقھا وقالت

یعنی حضرت سودہؓ کو جب رسولؐ کریم نے طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو

لارغبة لی فی الرجال وانا اریدان احشر فی ازواجك۔	دے دی اور حضورؐ کی زوجیت میں رہنا اس لیے پسند کیا کہ قیامت میں حضورؐ سے زوجیت کا تعلق موجود ہو اور زوجۃ النبیؐ کی حیثیت سے حشر ہو۔

محدث الجزائری نے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ دنیا میں حضورؐ سے زوجیت کا تعلق حشر میں بھی رہے گا۔ برزخ اور جنت دو ہی تو مرحلے ہیں جو حیات دنیوی کے بعد پیش آنے والے ہیں۔ اور تاریخی حقیقت ہے کہ حضورؐ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت عائشہ کے گھر میں تھے۔ بلکہ سر ان کی گود میں تھا۔ تو ظاہر ہے کہ جنت اور برزخ میں بھی ان کو معیت حاصل ہو گی۔ غالباً یہی وجہ تھی۔ کہ امام جعفر صادق نے شیعوں کو روضۂ رسول میں جھانکنے سے منع کیا کہ جب یہ حضورؐ کو حضرت عائشہ کے پاس حضرت عائشہ کے گھر میں دیکھیں گے۔ تو بغض کی آگ میں جل جائیں گے۔

(۳) مناقب آل ابی طالب۔ ابو جعفر رشید الدین محمد بن علی شہر ابن آشوب ۵۸۸ھ (۱: ۲۶۸)

خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے حضرت علی نے اپنے شاگرد ابن عباس کو ان کے پاس بھیجا تھا۔ تو خوارج نے سوال کیا کہ حضرت علی نے اصحاب جمل سے کیوں جنگ کی؟ اور مال غنیمت کیوں نہ لیا؟ قیدیوں کو لونڈی غلام کیوں نہ بنایا۔ تو ابن عباس نے جواب دیا۔

افتسبون امکم عائشه ثم تستحلون منها ما یستحل من غیرها فلئن فعلتم لقد کفرتم وهی امکم وان قلتم لیست بامنا لقد کذبتم لقوله تعالیٰ وازواجه امهاتهم۔	کیا تمہارے لیے جائز ہے کہ حضرت عائشہ کو تمہاری ماں ہے قید کرتے پھر وہ پھر ان سے وہ سلوک کرو جو دوسری کنیز عورتوں سے کیا جاتا ہے اگر تم ایسا کرو تو کافر ہو اور اگر تم یہ کہو کہ ماں نہیں ہے تو تم نے قرآن کی تکذیب کی کیونکہ ارشاد باری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

روایت سے ظاہر ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ کی توہین کرنا کفر ہے اور ماں نہ کہنا قرآن کی تکذیب ہے۔

معلوم ہوتا ہے جناب ڈھکو صاحب نے قرآن کی تکذیب سے بچنے کے لیے ماں تو کہہ دیا ہے مگر کفر سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر ہاتھ نہ آئی اس بے چارے سے یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ قید کرنا تو توہین ہے کیا انہیں غیر مومنہ کہنا بھی توہین ہے یا نہیں؟ لہذا بڑی بے باکی سے کہہ دیا کہ مومنہ ہونا اور چیز ہے انہوں نے سوچا ہوگا کہ کفر کوئی توپ تو نہیں کہ جان چلی جائے ان تین حرفوں سے مرکب لفظ میں کہاں کوئی بارود بھرا ہے۔

حقوق والدین

جو مرد اور عورت شرعی قواعد کے تحت خاوند بیوی بنتے ہیں اور طبعی قانون کے تحت ماں باپ بنتے ہیں ان کی تعظیم و تکریم کا یہاں تک اہتمام ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کے ذکر کے بعد اس کا بیان فرمایا۔

وقضی ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا اما یبلغن عندك الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما الخ۔

(خلاصہ)
یعنی اولاد کا فرض ہے کہ ماں باپ کو اف تک نہ کہیں۔ یعنی ذرا سی ایذا بھی نہ پہنچائیں۔ خواہ وہ جسمانی ہو یا ذہنی۔

اب ذرا اس حقیقت کو سامنے رکھیے کہ باری تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں اعلان کر کے جن عورتوں کو مائیں قرار دیا ہے۔ ان کی تعظیم و تکریم کس درجے کی ہونی چاہیے۔ اس اصول کو سامنے رکھتے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ :-

(۱) کیا حضرت علی مومن نہ تھے۔؟ جواب ظاہر ہے کہ بڑے اونچے درجے کے مومن تھے۔

(۲) کیا حضرت عائشہ ان کی ماں نہ تھی؟ کیوں نہیں۔

(۳) تو پھر آپ نے اپنی ماں کے خلاف جنگ کیوں کی؟

اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو خلیفۂ برحق کے خلاف خروج کر بیٹھی تھیں۔ اگر اسے صحیح فرض کر لیا جائے گو یہ واقعۃً غلط ہے پھر بھی ولا تقل لھما اف کا تقاضا یہ تھا کہ بیٹا ماں کے پاس جاتا۔ واقعات کا صحیح نقشہ پیش کرتا اور ادب سے حالات کو بہتر بنانے کی تجویز پیش کرتا تو حضرت علی نے یہ رویہ کیوں نہ اختیار کیا؟

جب جنگ کے بعد ماں کی تکریم کا لحاظ رکھتے ہوئے لونڈی نہ بنایا تو پہلے جنگ ہی کیوں کی؟

ان سوالات کا جواب اس کے بغیر اور کوئی نہیں کہ نہ تو حضرت عائشہ کی طرف سے عمداً جنگ چھیڑی گئی، نہ حضرت علی کی طرف سے عمداً پایا جاتا ہے دونوں کو دھوکہ دیا گیا اور دھوکہ دینے والے وہی تھے۔ جنہیں ان کی صلح میں اپنی موت نظر آ رہی تھی۔

کتاب الٰہی سے مذاق

اس سلسلہ مضمون کی ابتداء اس دعوت سے ہوتی ہے کہ ازواج النبیؐ کے سامنے راحت دنیا اور محبت خدا و رسول دو طرز زندگی پیش کر کے اختیار دیا گیا کہ ان میں سے جو پہلو چاہیں اختیار کر لیں۔ انہوں نے دوسرا پہلو اختیار کیا تو اس طرز زندگی کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں ہدایات دی گئیں۔ درمیان میں ان کے اس حسن انتخاب سے خوش ہو کر انعامات کا اعلان کیا گیا۔ ان تمام کڑیوں کا اجمالی بیان ہو چکا مگر درمیان میں ایک آیت کے ایک خاص حصہ کی تعبیر کچھ انداز سے عرصہ سے کچھ لوگوں کی طرف سے کی جا رہی ہے کہ اسے قرآن کے ساتھ مذاق کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وھو ھذا۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔

اس حصہ کی تعبیر کچھ اس انداز سے کی گئی کہ اگر اسے موجودہ عدالتی زبان میں ادا کیا جائے تو اسے "قبضہ مخالفانہ" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک گھر میں کچھ لوگ بس رہے ہوں، اور ان سے کہا جائے اپنے ان چند عزیزوں کو بھی اپنے ہاں بسا لو تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں مگر صورت یوں ہو کہ کچھ لوگ گھر والوں کو نکال باہر کریں اور اپنی پسند کے کچھ آدمی لا کر بسا دیں اور شور مچانا شروع کر دیں کہ گھر والے تو یہی ہیں۔ تو ان کے اس شور سے متأثر ہو کر شاید وہ لوگ تو مان لیں جنہیں حقیقت کا علم نہ ہو مگر ان کے مان لینے سے حقیقت اپنی جگہ قائم رہے گی۔

اسی قسم کی صورت یہاں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے جن کو گھر والے فرمایا ان اللہ کے بندوں نے کہا ہرگز نہیں بلکہ گھر والے تو وہ ہیں جو گھر سے باہر ہیں۔ اندر والوں کو گھر والے کون کہہ سکتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیے آیت کے اس جزو کے چار امور قابل غور ہیں۔

اول ارادۂ الٰہی دوم اذہاب الرجس سوم اہل بیت چہارم تطہیر ان چاروں امور پر تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔

یار لوگوں کا کہنا ہے کہ اہل بیت سے مراد صرف چار اشخاص ہیں (جو دوسرے الگ گھر میں رہنے والے ہیں) اور اذہاب رجس سے مراد معصوم بنا دینا ہے۔ یعنی دل ہی دل میں اللہ میاں سے سودا ہو گیا کہ اہل بیت ہم بناتے ہیں معصوم تم بنا دے۔ مگر لطف یہ کہ نہ یہ ہوا نہ ہوا۔ اور اللہ کی بات جہاں تھی وہاں رہی۔

(۱) **ارادہ :-** اس لفظ کی تفسیر میں شیعہ مفسر محمد حسین طباطبائی نے اپنی تفسیر المیزان فی تفسیر القرآن میں لکھا ہے کہ ارادہ سے مراد ارادہ تکوینی ہے شرعی نہیں۔ یعنی ان چار حضرات کو اللہ تعالیٰ نے تقدیر ازلی میں روز ازل سے ہی معصوم بنا دیا تھا۔

مگر یہ علمی بات ہے اور علمی بات میں اٹکل سے کام نہیں چلا کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تکوین اور ارادہ اللہ تعالیٰ کے دو اوصاف ذاتیہ ہیں۔ ان دو کو ایک وصف سمجھنا نری خوش فہمی ہے۔ امر تکوینی سے ہی مکونات وجود میں آتے ہیں مگر جب تک ارادہ کا تعلق قائم نہ

ہو جائے وجود کا ہونا محال اور ترجیح بلا مرجح ہے۔ کسی وجود کا موجود ہونا ارادہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ارادہ ہی ترجیح پیدا کرتا ہے پھر ارادہ سے مراد متخلف نہیں ہو سکتی۔ ارادہ باری تعالیٰ کی صفتِ قدیم ہے مگر یہ تعلق حادث ہے کیونکہ وہ مراد و مکون حادث ہے۔ ارادہ کا تعلق اس کے ساتھ اپنے زمانہ اور وقت مقررہ پہ ہوتا ہے۔ جیسے ثواب و عذاب کا ایک وقت ہے۔

کما قال تعالیٰ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔

پھر عصمت ایک صفت ہے جو اپنے آپ سے پہلے موصوف کو چاہتی ہے بغیر موصوف کے صفت کا قیام محال ہے اور صفت کے موصوف کے لیے عاقل بالغ ہونا فرض ہے۔ کیونکہ اوامر و نواہی، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا تعلق عاقل بالغ سے ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ عصمت کا وجود احکام باری کے وجود پر موقوف ہے تو ظاہر ہے کہ عصمت کا تعلق بھی امور شرعیہ سے ہوا کوئی فرضی اور تقدیری نہیں، جیسا کہ شیعہ کا خیال ہے لہذا ارادہ سے مراد ارادۂ شرعی ہوا تقدیری نہیں۔ اگر اس کے برعکس تسلیم کیا جائے تو الفاظ یوں ہوتے انما اراد اللہ و اذھب عنکم الرجس و اطھرکم۔ یعنی سب ماضی کے صیغے ہوتے۔ مگر یہاں تو سب مضارع کے صیغے ہیں۔ جو اس حقیقت پر دال ہیں کہ ان انسانوں کے حق میں نازل ہوئے ہیں۔ جن سے گناہ، برائی خلاف شرع محمدیؐ اور مخالفت خدا اور رسول کا صدور ہو سکتا ہے۔ اگر ان سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہی نہیں تو ان سے کس رجس کو دور کرنے کا ارادہ ہے۔ جس کے دور کرنے کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ وہ چیز ہی موجود نہیں تو دور کیسے کیا جائے گا۔ جب یہ چار حضرات نزول قرآن سے پہلے ہی پاک تھے تو اب نزول قرآن کے وقت ان کو پاک کرنے کا ارادہ کرنے کے کیا معنی؟ یہ الفاظ تو وجود ذنب کو چاہتے ہیں جن سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے۔ ورنہ پاک کو پاک کرنے کا ارادہ تو تحصیل حاصل ہے۔

چونکہ یہ حکم مکلفین کے لیے ہے۔ نابالغوں کے لیے نہیں لہذا چار میں سے دو یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین تو اس کے تحت آ ہی نہیں سکتے۔ ان کی پیدائش ۳ھ، ۴ھ ہجری میں ہوئی اور آیت ۵ھ میں نازل ہوئی۔ شیعہ کے نزدیک ۷ھ میں نازل ہوئی۔ تین چار سال کا بچہ تو بہر حال غیر مکلف ہے لہذا اسے پاک کرنے کا کوئی مطلب ہی نہ ہوا۔

پھر ایک اور الجھن پیدا ہوتی ہے کہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ امام تو وقت پیدائش سے پہلے معصوم ہوتا ہے۔ اور معصوم ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ نزول آیت کے وقت سے پاک ہوں گے۔ پھر اس وقت بھی ارادہ کیا ہے اس ارادہ کو عمل میں کب لایا گیا اس کا کوئی ذکر نہیں۔

پھر ایک اور سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کہ اگر اذھاب رجس اور تطہیر کے معنی معصوم بنانا ہے۔ تو تمام صحابہ کرام معصوم ہوں گے۔ کیونکہ ارشاد باری ہے۔ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ پھر فرمایا وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ۔

یعنی صحابہ کے حق میں تو صرف تطہیر کا اعلان نہیں ہوا، بلکہ اتمام نعمت کا ذکر بھی ہے جو ایک جامع کلمہ ہے تمام انعام باری کو شامل ہے اور آیت تطہیر میں تو اس کا ذکر نہیں۔ اور یہ انعام تو حضرت انبیاء صدیقین شہدا اور صالحین پر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ مخاطب حضرت یوسفؑ ہیں۔ ولیتم نعمتہ علیك وعلیٰ ال یعقوب كما اتمها علیٰ ابویك من قبل ابراهیم واسحٰق۔

پھر ایک اور گرہ پڑجاتی ہے کہ آیت میں خطاب حاضرین سے ہے عنکم، یطہرکم لہذا ائمہ امام تو اس آیت کے تحت آ ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت وہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ معدوم کو مخاطب کون کرتا ہے۔ ائمہ کی تطہیر تو خیر دوسری چیز ہے۔ ہماری تحدی ہے کہ شیعہ کتب سے ائمہ کا مذہب ہی کوئی ثابت کر دے۔ کسی خاص مذہب کی تخصیص نہیں کوئی مذہب ہی ہو۔ ثابت نہیں کیا جاسکتا

اھل بیت :۔ اہل اور آل شئی واحد ہیں۔ آل کی تصغیر اُھَیل آتی ہے۔ اور تصغیر شے کو اپنے اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ لغت میں تفسیر میں عرف میں اہل بیت سے کیا مراد لی جاتی ہے۔

(۱) درۃ النجفیہ شرح نہج البلاغۃ طبع نجف اشرف صہ ۱۵۔

المطلب الثانی فی بیان المراد با ھل البیت المذکور

آیت تطہیر میں جو اہل بیت کا لفظ آیا ہے۔ اس کی دلیل شروع کرنے سے پہلے

في قوله تعالى انما يريد
الله الخ وقيل الشيء وع
في استدلال لابد ان يعلم
ان نزاع الخاصة والعامة
العميا ليس في صدق
اللفظ بحسب العرف
واللغة لظهور صدق
اهل البيت لغةً وعرفاً
على النساء وغيرها لان
اهل البيت في اللغة
سكانه . بل في المراد
واستدل الجمهور على
ان المراد في الآية ازواج
النبيؐ باسلوب الكلام
قبلها وبعدها وذلك
مخالف رواية ودراية.

یہ معلوم کیا جائے کہ خواص و عوام جو اندھے
ہیں۔ ان کا اختلاف لفظ اہلِ بیت کے ان
معنوں میں نہیں جو لغت یا عرف میں لئے
جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ اہلِ بیت
کا لفظ لغت اور عرف دونوں میں عورتوں
پر بولا جاتا ہے۔ اس بنا پر کہ لغت میں یہ
لفظ گھر میں رہنے والوں پر بولا جاتا ہے
بلکہ تنازعہ اس میں ہے کہ اس سے مراد کون ہیں
اور جمہور اسلام کا مذہب ہے کہ آیت قرآنی
سے حضورؐ کی ازواج مطہرات مراد ہیں
اور یہ استدلال قرآن کریم کی ظاہر
آیت اور راندش کلام سے جو ما قبل اور
ما بعد ہے۔ واضح ہے اس پہ
مبنی ہے۔ اور یہ دلیل ٹھیک نہیں
کیونکہ روایت اور درایت کے
خلاف ہیں۔

اس بیان میں تین امور تسلیم کئے گئے۔

(۱) لغت کے اعتبار سے اہلِ بیت سے مراد عورتیں ہیں جو گھر میں رہنے والی ہیں۔

(۲) عرف کے لحاظ سے مراد یہی ہے۔

(۳) جمہور اسلام راندش کلام اور لغت و عرف بنا پر یہی معنی لیتے ہیں۔

مگر آخر میں کہہ دیا "میں نہ مانوں"۔

(۲) شرح نہج البلاغہ۔ علامہ میثم بحرانی طبع ایرانی ۱: ۱۰۰

اقول اختلف الناس في

میں کہتا ہوں کہ آیت تطہیر میں جو

المراد باهل البيت فی قوله	اہلِ بیت کا لفظ آیا ہے اس کی مراد
تعالیٰ انما یرید الله الخ	میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے جمہور
فقال الجمهور ان نساء	اہل اسلام نے کہا ہے کہ اس سے
النبیؐ صلی الله علیه وسلم	مراد ازواج مطہرات ہیں اور بعض
مرادات بهذا الاٰية	نے اہل بیت کا لفظ نبی کریمؐ کی بیویوں
و من الناس من خصصها	سے خاص کیا ہے۔ ان کی دلیل قرآن
بهن مستدلين بسياق	کا سیاق وسباق ہے، مگر شیعہ کا اس پر
الکلام قبلها و بعدها	اتفاق ہے۔ کہ اس سے مراد
واتفقت الشيعة على انها	صرف چار آدمی ہیں۔ اس کی
خاصة بالاربعة وهو	بنیاد ابو سعید خدری کا قول
قول ابی سعيد الخدری۔	ہے۔"

(۱) یعنی جمہور نے اہل بیت سے مراد نبی کریمؐ کی ازواج مطہرات لی ہیں۔

(۲) قرآن کریم کے سیاق وسباق سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

مگر ہم شیعہ نہیں مانتے کیونکہ ابو سعید نے کہا ہے جسے خدری بنا لیا گیا ہے۔

(۳) **المنجد** | اهل الرجل زوجته۔ اہل سے داد آدمی کی بیوی ہوتی ہے۔

(۴) **تفسیر کشاف** | زمخشری جو معتزلہ تھا۔ امام لغت ہے۔ آیت کی تفسیر میں۔

امرهن امرا خاصا	اللہ تعالیٰ نے ازواج النبیؐ کو پہلے خاص
بالصلوٰة والزكوٰة ثم	نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا پھر عام حکم تمام
جاء به عاما فی جميع	عبادات کے متعلق دیا کیونکہ یہ دونوں
الطاعات لان هاتين	بدنی اور مالی عبادتیں تمام عبادات
الطاعتين البدنية و	کی اصل ہیں۔ جو شخص ان دونوں عبادتوں

المالية هما اصل سائر
الطاعات من اعتنى
بهما حق اعتنائه جرتاه
الى ما وراءهما ثم بين
انه انما نهاهن و
وعظهن لئلا يقارف اهل
بيت رسول الله صلى الله
عليه و سلم المآثم وليتصونوا
عنه بالتقوى و استعار
للذنوب الرجس وللتقوى
الطهر لان عرض المقترف
للقبيحات يتلوث بها و
يتدنس كما يتلوث بدنه
بالارجاس و اما الحسنات
فالعرض معها نقي مصون
كالثوب الطاهر .....
واهل البيت نصب على
النداء وعلى المدح و في
هذا دليل بين على ان
نساء النبيؐ من اهل بيته
..... ان الله كان لطيفا
خبيرا حين علم من
يصلح لنبوته و من

کی طرف کماحقہٗ توجہ کرے۔ تو یہ دونوں
اسے دوسری عبادات کی طرف پہنچا دیں
گی۔ پھر فرمایا کہ اس نے انہیں امر اور
نصیحت اس لئے کی کہ اہل بیت نبیؐ
گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔ اور بذریعہ
تقویٰ گناہوں سے بچیں اور اللہ تعالیٰ
نے گناہ کو ناپاکی کے استعارہ سے بیان
فرمایا ہے لہذا ورع تقویٰ کو طہارت
کے استعارہ سے۔ اس لیے کہ جو شخص
گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اسکی عزت و
آبرو ملوث و مکدر ہو جاتی ہے جیسے کپڑا
یا بدن نجاست سے ملوث و مکدر ہو جاتا ہے
اور نیکوکار عورتوں کی عزت ایسے محفوظ رہتی ہے
جیسے پاک کپڑا۔ اور یہ استعارہ کے رنگ
میں یہ کلام جو بیان ہوئی یہ اہل دانش کو
ان چیزوں سے نفرت دلانے کے لیے
جو اللہ کو ناپسند ہیں ..... لفظ اہل بیت
کو نصب سے بیان کیا بوجہ ندا کے
یا بوجہ مدح و ثنا۔ اور یہ آیت اس امر کی
واضح دلیل ہے کہ ازواج النبیؐ
آپ کے اہل بیت سے ہیں۔ یعنی قرآن
نے واضح فرما دیا کہ ازواج النبیؐ اہل بیت
نبیؐ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون

یصلح لان یکونوا اھل بیتہ۔ نبوت کے اہل ہے اور کوئی عورت اہل بیت نبیؐ بننے کے لائق ہے۔
معلوم ہوا کہ لغت میں۔ کلام عرب میں اور کلام الہٰی میں اہل بیت سے مراد بیویاں ہوتی ہیں۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کیا لغت عرب میں نازل ہوا ہے یا کسی اور زبان میں؟ اگر یہ زبان میں ہے اور عربی میں اہل بیت کا لفظ عورتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے تو ان سب حقائق کے برعکس ازواج النبیؐ کو اہل بیت سے خارج کر کے ائمہ کو جو یقیناً مرد ہی ہیں۔ کس منطق سے اہل بیت میں داخل کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم اور اہل بیت

لغت۔ عرف اور تفسیر قرآن سے واضح ہو گیا کہ اہل بیت سے مراد بیویاں ہوتی ہیں۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیت زیر بحث کے علاوہ قرآن کریم میں یہ ترکیب کن معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔

(۱) واستبقا الباب وقدت قمیصہ من دبر والفیا سیدھا لدا الباب قالت ماجزاء من اراد باھلك سوءا۔ الخ	یہ حضرت یوسفؑ کے واقعے کے سلسلہ میں بیان ہو رہا ہے۔ عورت نے جب اپنے خاوند کو دیکھا تو اسے کہا کہ اس کی سزا کیا ہے۔ جو تیرے اہل کے متعلق برا ارادہ رکھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اھل سے مراد بیوی ہے یہاں۔ بیوی کو خارج کر کے کوئی اور تین چار داخل کر دیں۔ تو کیا معنی ہوں گے۔

تفسیر صافی طبع ایران میں اس آیت کی تفسیر میں بیان ہوتا ہے۔

والفیا سیدھا ای صادفا زوجھا لدا الباب۔ قالت الخ بادرت الی ھذا بقول ایھاما مبا نھا	زلیخا نے اپنے خاوند کو دروازے پر پایا تو کہنے لگی کیا جزا ہے یہ کہنے میں زلیخا نے جلدی کی کیونکہ وہ کہنا چاہتی تھی کہ یوسفؑ سے بھاگ کر باہر آئی ہے اور اپنے آپ

فرت مند تبريته — کو خاوند کے سامنے پاک دامن ظاہر
لساحتها عند زوجها. — کرنا چاہتی تھی"

اور ملا محمد حسین طباطبائی کی تفسیر المیزان میں ہے۔

فبدأت امرأة العزيز — خلاصہ یہ ہے کہ خاوند سے
تشكو يوسف اليه و تسأله — شکایت کرتے ہوئے اپنا نام
ان يجازيه فذكرت — نہیں بتایا، بلکہ اهلك
انه اراد بها سوءا و لم — کہا تو ظاہر ہے کہ اہل سے مراد
يصرح باسم نفسها و — بیوی ہے۔"
هي الاهل و لا باسم.

تفسیر قمی میں ہے کہ

فبادرت امرأة العزيز — یعنی عزیز کی بیوی ہے اور اپنے
ماجزاء من اراد باهلك — متعلق شکایت کرتے ہوئے۔
سوءا. — باهلك کہہ رہی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے۔

ماجزاء ...... يعني ان المرأة سبقت بالكلام لتترك
الذنب على يوسف فقالت لزوجها.

شیعہ مفسرین متفق ہیں کہ لفظ آل کی اضافت مرد کی طرف ہو تو اس کی زوجہ مراد ہوتی ہے۔ جب بیت کی طرف ہو تو خاوند کا وہ گھر ہے اس گھر میں سکونت پذیر عورت مراد ہوگی۔

(۲) واذ غدوت من اهلك
شیعہ مفسر فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر میں لکھتا ہے۔
من اهلك —— از منزل عائشہ.

تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جب آپ اپنی بیوی (عائشہؓ) کے گھر سے نکلے۔

ہاں ایک شیعہ مولوی صاحب نے کہا تھا کہ من اھلک سے مراد من خواصک ہے۔ میں نے سوال کیا وہ خواص کون تھے؟ یہ آیت تو جنگ احد سے متعلق ہے۔ جسنین تو بعد کی پیدائش ہیں۔ خواص تو وہی تھے جو ہمراہ گئے حضرت علی، حضرت حمزہ اور صحابہ کرام۔ وہ خواص کون تھے جن کے ہاں سے نکل کر حضورؐ جنگ کے لیے چلے تھے سو

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

(۳) قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنّہٗ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ماشھدنا مھلک اھلہ۔ — انہوں نے باہم قسم کھا کر کہا کہ ہم حضرت صالحؑ اور ان کی بیوی کو ضرور قتل کریں گے اور اس کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم تو اس کی بیوی کے قتل میں شریک نہیں ہوئے۔"

یہاں اھل کا لفظ حضرت صالحؑ کی بیوی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قریبی رشتہ داروں کو "ولی" کہا گیا ہے۔ یعنی وہ اھل کے لفظ کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں۔

(۴) لاتدخلوا بیوت النبیؐ الا ان یؤذن لکم۔ — بغیر اذن نبیؐ کے گھروں میں داخل نہ ہونا

یہاں زوجۂ رسولؐ کے بیت کو بیت النبیؐ۔ اور ازواج النبیؐ کے گھروں کو بیوت النبیؐ کہا گیا ہے۔

یہ خیال رہے کہ اہل بیت کا لفظ اسم جنس ہے۔ جس کا اطلاق قلیل و کثیر پر ہوتا ہے۔ باعتبار اضافت کے۔ مثلاً

لاتدخلوا بیوت النبیؐ۔

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات۔

اور یہاں جب تمام گھروں کو بوجہ رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک گھر سمجھا گیا تو اھل بیت فرمایا۔ جب گھر ہر بیوی کا ہے تو اضافت بیویوں کی طرف کر دی۔ اور فی بیوتکن فرمایا اور تمام بیویوں کے گھروں کو نبی کریمؐ کا گھر سمجھا گیا تو بیوت النبیؐ فرمایا

حقیقت اور مجاز

اہل بیت کا لفظ بنیادی طور پر اور حقیقت کے اعتبار سے بیوی کے لیے بولا جاتا ہے مگر وقتی طور پر بالتبع اولاد کو بھی مجازاً شامل کر لیا جاتا ہے کیونکہ بچے جوان ہو کر علیحدہ گھر بنا لیتے ہیں۔ اور بچیاں جوان ہو کر دوسرے گھروں میں جا بستی ہیں۔ اور باقی وہی رہ جاتا ہے جو حقیقی اہل بیت ہے یعنی بیوی۔ اس کی مثالیں بھی قرآن کریم میں جا بجا ملتی ہیں، مثلاً

(۱) وأتونی باھلکم اجمعین۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ میرے بھائی اپنے بال بچوں کو مصر لے آئیں۔

(۲) یا ایھا العزیز مسنا واھلنا الضر۔

ہم اور ہمارے بیوی بچے قحط سالی کی زد میں ہیں۔

(۳) قال لفتیانھم اجعلوا بضاعتھم فی رحالھم لعلھم یعرفونھا اذا انقلبوا الی اھلھم۔

"حضرت یوسفؑ نے جوانوں کو حکم دیا کہ ان کی رقم ان کے سامان میں رکھ دو۔ جب وہ اپنے بیوی بچوں میں جائیں تو شاید پہچان لیں۔"

(۴) قال اخرقتھا لتغرق اھلھا

"کہا کیا تو نے اس لیے کشتی پھوڑی کہ اہل کشتی غرق ہو جائیں۔

ظاہر ہے کہ اہل کشتی وہی تھے جو کشتی میں موجود تھے۔ کنارے پر کھڑے یا گھر بیٹھے لوگوں کو اہل کشتی تو نہیں کہا گیا۔ لہذا اہل بیت وہی ہوتے ہیں، جو گھر میں مقیم ہوتے ہیں۔ اور اہل بیت النبیؐ وہی ہوئے جو نبی کریمؐ کے گھر میں مقیم رہتے تھے۔ اور وہ حضورؐ کی ازواج کے بغیر اور کون ہے۔ بیٹیاں تو پرایا مال ہوتی ہیں۔ حضرت فاطمہؓ اپنے شوہر حضرت علی کے گھر مقیم تھیں۔ وہ ان کی اہل بیت ہوئیں۔ اور حسنین اولاد ہونے کی وجہ سے بالتبع حضرت علی کے اہل بیت ہوئے۔ بیت نبیؐ میں نہ مقیم نہ اہل بیت کہلائے

ہاں یہ درست ہے کہ حسنین کا بیت النبیؐ میں آنا جانا تھا۔ مگر وہاں تو تمام صحابہ کے بچوں کا آنا جانا تھا۔ اگر محض آنے جانے سے اہل بیت بنتے ہیں تو سب صحابیات اور سب صحابہ کے بچے اہل بیت کیوں نہ قرار پائیں حسنین کی تخصیص کیوں ہو ؟

(۵) فاسر باهلك بقطع من الليل و لا يلتفت احد منكم الا امرأتك ۔

اس آیت کی تفسیر، تفسیر قمی ۲ : ۳۳۵

ثم مضوا الی لوط فی ذٰلك الوقت و هو یسقی زرعه فقال لهم لوط من انتم قالوا نحن ابناء السبیل اضفنا اللیلة فقال لهم یا قوم ان اهل هذه القریة قوم سوء لعنهم الله و اهلکهم ینکحون الرجال و یأخذون الاموال فقالوا فقد ابطأنا فاضفنا فجاء لوط الی اهله و کانت منهم. فقال لها انه قد اتانا اضیاف فی هذه اللیلة فاکتمی علیهم قالت افعل ۔

آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ "اے لوط! کہ رات کے ایک حصہ میں اپنی اہل کو لے کر اس بستی سے نکل جا ......"

تفسیر :- " ملائکہ، حضرت لوطؑ کے پاس جا کھڑے ہوئے ۔ وہ اس وقت اپنی کھیتی کو پانی دے رہے تھے ۔ حضرت لوطؑ نے پوچھا تم کون ہو ؟ کہا ہم مسافر ہیں آج رات کے لیے آپ کے مہمان ہیں ۔ حضرت لوطؑ نے فرمایا کہ اس بستی کے لوگ بہت برے لوگ ہیں ۔ اللہ ان پر لعنت کرتے انہیں ہلاک کرے لواطت کرتے ہیں ۔ اور مال لوٹتے ہیں ۔ فرشتوں نے کہا ہم انتظار کرتے ہیں ۔ آپ جا کر مہمانداری کا انتظام کریں ۔ حضرت لوطؑ اپنی بیوی کے پاس آئے ۔ جو اہل سدوم میں سے تھی ۔ فرمایا آج رات کچھ مہمان آرہے ہیں ۔

قوم سے یہ بات پوشیدہ رکھنا اس نے کہا ایسا ہی کروں گی"۔
شیعی مفسر علی بن ابراہیم قمی نے تسلیم کیا ہے اہلہ سے مراد ان کی بیوی ہے۔
یہاں شیعہ ایک اور لغزش کا شکار ہوتے ہیں کہ الا امرأتک میں استثناء منقطع ہے مگر درحقیقت یہ استثناء متصل ہے۔ لہٰذا فاسر باھلک میں داخل ہے اسی لئے کہا کہ اپنی اہل کے پاس یعنی بیوی کے پاس آئے۔

اھل بیت

اب تک قرآن کریم کی وہ آیات پیش کی گئیں جن میں صرف اہل کا لفظ استعمال ہُوا ہے۔ آیت ذیل میں یہ پوری ترکیب یعنی اہل البیت استعمال ہوئی ہے۔
وامرأتہ قائمۃ فضحکت فبشرناھا باسحاق ......
(ا) قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمتہ اللہ علیکم وبرکاتہ اھل البیت انہ حمید مجید۔
"حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کھڑی مسکرا رہی تھی۔ تو اسے ہم نے اسحاق کی بشارت دی ...... ملائکہ نے کہا اے اہل بیت ابراہیمؑ یعنی زوجۂ ابراہیمؑ کیا آپ کو اللہ کی رحمت پر تعجب ہو رہا ہے ...."
ظاہر ہے ملائکہ کا کلام زوجۂ ابراہیمؑ سے ہو رہا ہے۔ یہاں نہ کوئی بچہ ہے اور نہ کوئی دوسرا شخص ہے جو واضح دلیل اس امر کی ہے۔ کہ "اہل بیت صرف بیوی کے لئے بولا گیا۔
یہاں شیعہ ایک اور پیچ ڈالتے ہیں کہ یہ خطاب زوجۂ ابراہیمؑ کی حیثیت سے نہیں ہو رہا بلکہ وہ تو ان کی خالہ زاد یا ماموں زاد تھیں۔
آدمی اگر ٹیڑھے عقل کے پیچھے پڑ جائے، تو اس سے بھی اونچی باتیں کر گزرتا ہے۔ حالانکہ اس مکالمہ کی ابتدا سے ہی بیان ہو رہا ہے۔ وامرأتہ پھر فضحکت اور پھر فبشرناھا۔ یہ خطاب بحیثیت زوجہ کے ہو رہا ہے۔ یا خالہ زاد کی حیثیت سے؟ اگر یہ بات

ہوتی تو الفاظ یہ ہوتے ابنت عمہ قائمۃ - یا بنت خالہ قائمۃ ۔

اگر اس بات پر بھی ٹھہرتے تو حالات یوں ہوتے کہ شیعہ کے نزدیک حضرت عباس کی اولاد حضرت عقیل کی اولاد بھی اہل بیت میں شامل ہوتی۔ ادھر اتنی وسعت اور ادھر حال یہ ہے کہ حضرت حسن کی اولاد کو اہل بیت سے خارج، بلکہ بدترین انسان سمجھا گیا۔ احتجاج طبرسی ملاحظہ کر لی جائے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مخاطب صرف زوجۂ ابراہیمؑ ہے۔ مگر الفاظ ہیں علیکم اھل بیت - یعنی عورت کے لئے صیغہ مذکر استعمال کیا گیا ہے۔ کلام عرب میں کبھی لفظ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، کبھی معنی کو۔ جیسے مَنْ لفظ کے لحاظ سے مفرد ہے۔ اور معنی کے لحاظ سے جمع ہے۔ اسی طرح کسی چیز کو جو واقع میں مؤنث ہے مگر عرب اسے مذکر سے تعبیر کرنا چاہتے ہیں تو صیغہ مذکر استعمال کرتے ہیں۔

تفسیر قرطبی ۹ : ۷۱

رحمتہ اللہ و برکاتہ علیکم اھل البیت ھذہ الآیۃ ...... ان زوجۃ الرجل من اھل البیت فدل ھذا علی ان ازواج الانبیاء من اھل البیت فعائشۃؓ وغیرھا من جملۃ اھل البیت النبیؐ۔

"یہ آیت اس امر پر قطعی دلالت کرتی ہے کہ آدمی کی بیوی اہل بیت ہوتی ہے۔ سو انبیاء کی بیویاں اہل بیت ہیں اس لئے حضرت عائشہ اور دوسری ازواج مطہرات حضورؐ کی اہل بیت ہیں"

تفسیر قرطبی ۱۴ : ۱۸۴

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن الخ ...... والصحیح ان قولہ ما یتلی فی بیوتکن

صحیح بات یہ ہے کہ فی بیوتکن ماقبل سے متصل ہے اور لیذھب عنکم الرجس میں عنکم ضمیر مذکر لانے کی

علی ما قبلہ و قال عنکم لقول	وجہ لفظ اھل ہے۔ یہ لفظ مذکر
اھل فالاھل مذکر فسما	ہے اس وجہ سے ضمیر مذکر لائی گئی
ھن و ان کن اناثا باسم	ہے۔ اگرچہ وہ مخاطب عورتیں
التذکیر فلذلک صار عنکم	تھیں۔"

۲۔ ھل ادلکم علی بیت یکفلونہ لکم و ھم لہ ناصحون۔ فرددنہ الی امہ کی تقر عینھا۔

"کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی نشاندہی کروں۔ جو تمہارے لئے اس کی کفالت کریں۔"

پھر ہم نے اسے اپنی ماں کی طرف لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔"

یہاں اہل بیت کا لفظ والدۂ موسیٰ کے لئے لایا گیا، پھر اس کی تائید آیت کے دوسرے حصے سے ہو گئی کہ ہم نے اسے والدہ کے پاس لوٹا دیا۔

شیعہ مفسر علامہ طباطبائی اپنی تفسیر المیزان میں اس آیت کی تفسیر لکھتا ہے

والمحصل انہا قالت ھل	حاصل کلام یہ ہے کہ اس لڑکی نے کہا
ادلکم علی اھل بیت کذا	کیا میں تمہاری رہنمائی ایسے گھرانے کی
الفوا بالقبول خذ متھم	طرف نہ کروں۔ جو اسطرح کا ہو یعنی اہل بیت
علی امہ فسلموہ الیہ فردو	کی طرف۔ اسکی ماں کی خدمت کو انہوں نے
ابنہ الی امہ بنظم القرآن	قبول کر لیا اور اسکو ماں کے سپرد کر دیا۔
	نظم قرآن سے واضح ہے۔"

یعنی اہل بیت سے مراد والدۂ موسیٰؑ ہے۔

اور تفسیر منہج الصادقین۔

ھل ادلکم علی اھل بیت۔ بر اہل خانہ کہ از روئے شفقت یکفلونہ در پذیرند ایں کودک را لکم برائے شما وھم وآں اھل بیت۔

ظاہر ہے کہ مراد اھل بیت سے اہل خانہ اور یہ وہی ہے جسے دودھ پلانا سونپا گیا۔

اور وہ والدۂ موسیٰ ہے۔

ان دونوں مفسرین نے اہل بیت کی تفسیر کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ

(۱) اہل بیت سے مراد والدۂ موسیٰ ہے۔

(۲) اہل بیت کا لفظ اسم جنس ہے۔ قلیل وکثیر پر صادق آتا ہے۔

(۳) اہل کا لفظ مذکر ہے اس لئے مذکر کی ضمیر اہل بیت کی طرف راجع ہوئی۔

واحد۔ جمع

گزشتہ بحث سے واضح ہو گیا کہ مؤنث کے لئے مذکر کی ضمیر کا استعمال لفظ اھل کے مذکر ہونے کی وجہ سے قرآن مجید میں جابجا ہوا ہے۔

اب یہ دیکھتے ہیں کہ واحد کے لیے جمع کی ضمیر کا استعمال بھی ہوا ہے۔

۱:۔ انی آنست نارا۔ سآتیکم منها بخبر ......

۲:۔ اذ قال لاهله امکثوا ....

دونوں جگہ مخاطب صرف بیوی ہے مگر ضمیر جمع استعمال ہوئی ہے۔

شیعہ مفسر طباطبائی اس کی تفسیر کرتے ہیں۔

اذ قال موسیٰ لاهله امرأته وهی بنت شعیب علی ما ذکره الله تعالیٰ فی سورة قصص ان خطابها بقوله آتیکم بصیغة الجمع لاقامتها مقام الجماعة۔	جب موسیٰؑ نے اپنی اہل یعنی بیوی سے فرمایا جو شعیب کی بیٹی تھی جیسا کہ سورۃ قصص میں بیان ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو صیغہ جمع سے خطاب کرنا اس وجہ سے تھا کہ بیوی کو قائم مقام جماعت کے رکھا۔"

اور شیعہ مفسر علی طبرسی کی تفسیر مجمع البیان میں ہے۔

اذ قال لاهله وهی امرأته • خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے

بنت شعیب	بیوی کو جمع کے صیغے سے خطاب اس
وانما قال لامی أته اٰتیکم	لیے کیا کہ اسے قائم مقام جماعت
علی لفظ خطاب الجمع	کے سمجھا۔ بوجہ انس کے۔ وحشت ناک
لانه اقامه مقام الجماعة	مقام پر اس وجہ سے انہیں جو سکون
فی الانس بها والسکون	ملتا تھا وہ ایسا تھا جو کسی جماعت
الیها فی الاماکنة المؤحشة.	کی وجہ سے ہو۔

شیعہ مفسرین نے یہ تسلیم کر لیا کہ:

(۱) اہل بیت کا لفظ بیوی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۲) اولاد کے لئے تبعاً و مجازاً استعمال ہوتا ہے۔

(۳) مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیر کا استعمال ہوتا ہے۔

(۴) واحد کے لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ واحد کو قائم مقام جماعت کے تصور کیا جاتا ہے۔

علمائے اہل سنت کا عقیدہ ہے نص قرآن سے تو اہل بیت صرف اور صرف حضورؐ کی ازواج مطہرات ہیں۔ ازواج مطہرات کے علاوہ قرآن کریم نے کسی کو اہلبیت نہیں کہا۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین حضورؐ کی دعا کی وجہ سے اہل بیت میں داخل ہوئے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ازواج مطہرات اہل بیت سے خارج ہو گئیں۔ یہ ادعائی اہل بیت ہیں۔ جو حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے اہل بیت میں داخل کرائے۔ یہ نص قرآن سے خارج ہیں۔!!

امام قرطبی نے اپنی تفسیر ۱۴ : ۱۸۴ میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔

حضورؐ نے دعا کی۔

اللھم ھؤلاء اھل بیتی۔	حضورؐ نے دعا کی کہ اللہ یہ میرے
اذھب عنھم الرجس و	اہلِ بیت ہیں۔ ان سے ناپاکی دور
طھرھم تطھیرا۔ فھذا	کر، اور ان کو کما حقہٗ پاک کر، نزول

دعوة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد نزول الآیۃ احب ان یدخلھم فی الآیۃ التی خوطب بھا الازواج فذھب الکلبی ومن وافقہ فصیرھا لھم خاصۃ وھی دعوۃ لھم خارجۃ من التنزیل۔	آیت کے بعد حضورؐ نے یہ دعا کی۔ حضورؐ کی خواہش تھی کہ جس آیت قرآنی میں ازواج مطہرات کو خطاب کیا گیا ہے اس میں یہ بھی داخل فرمادیں۔ شیعہ کلبی اور اس کے ساتھی کہتے ہیں ان کو ہی مختص کرتے ہیں حالانکہ یہ دعا ہے۔ ان چار کے لیے جو نص قرآن سے خارج ہے۔"

کلبی وغیرہ نے خدا جانے یہ کیسے سمجھ لیا کہ حضورؐ نے دعا کی کہ اللہ! جن کو آپ نے اہل بیت میں داخل کیا ہے۔ ان کو تو خارج کر دیجئے۔ اور جب گھر خالی ہو جاتے تو ان چار کو داخل کر دیجئے۔ پھر بیت وہ ہوگا اور اہل بیت یہ ہوں گے۔

حضورؐ کی دعا سے تو محبت و شفقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ نے جب میری بیویوں کو اس قدر انعامات سے نوازا ہے تو میرے ان عزیزوں کو بھی ان انعامات کا مورد بنانے کے لیے اسی دائرے میں داخل فرما دیجئے۔

اگر یہی مختص اہل بیت ہیں تو حضورؐ نے یہ دعا کیوں کی کہ اذھب عنھم الرجس وطھرھم، جب کہ اس سے پیشتر اللہ تعالیٰ اعلان کر چکا ہے۔ یہ کیا کہ جو دے چکا ہے وہی مانگا جا رہا ہے۔

پھر یہ بھی ایک پہیلی ہے کہ چار تو چادر اوڑھ لینے سے اہل بیت میں شامل ہی نہیں، بلکہ یہی اہل بیت ہو گئے تو نو امام جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوتے ہوئے تھے وہ کیسے اہل بیت میں شامل ہوتے۔

کلبی وغیرہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلے دعا ہوئی پھر آیت نازل ہوئی مگر صرف کہہ دینے سے حقائق تو نہیں بدل جایا کرتے۔ اس قول کے لئے کوئی صحیح حدیث مسلم جانبین۔

آج تک پیش نہیں کی جا سکی۔

شانِ نزول

قرآن کریم کی کسی آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے یہ امر صرف ممد ہی ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس کا لحاظ رکھنا فہم قرآن کے لیے اور دیانت کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے کہ: وہ کون سے حالات تھے جن میں یہ آیت نازل ہوئی؟ وہ کیسا ماحول تھا؟ وہ کیسے اور کون لوگ تھے جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اس اصول کے تحت اس آیت کے متعلق بھی دیکھ لینا ضروری ہے۔

تفسیر ابن کثیر ۳ : ۴۸۳ ۔

انما یرید اللہ لیذھب ..... الخ ۔ و ھذا نص فی دخول ازواج النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی اھل البیت ھھنا لانھن سبب نزول ھذہ الآیۃ و سبب النزول داخل فیہ ۔	یہ آیت ازواجِ رسولؐ کے اس جگہ اہلِ بیت میں داخل ہونے کے بارے میں نص صریح ہے. چونکہ آیت کے نزول کا سبب ہی ازواج مطہرات ہیں لہذا آیت کا سبب نزول آیت میں داخل ہے ۔

شیعہ کو یہ حقیقت تسلیم نہیں تو وہ کہتے ہیں کہ

(۱) یہ جملہ ندائیہ خبریہ ہے ۔

(۲) اس جملے کے ماقبل اور مابعد امر و نہی ہے جو جملہ انشائیہ ہے ۔

(۳) جملہ انشائیہ کا عطف خبریہ پر نا جائز ہے ۔

لہذا جملہ انما یرید اللہ الخ کا تعلق نہ ماقبل سے ہے نہ مابعد سے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ یہاں اجنبی ہے ۔

اس دعویٰ کی جان تو یہ ہے کہ عطف نا جائز ہے مگر کوئی لاکھ کوشش کرے ۔

یہاں عطف دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اوّل تو کہیں واوٴ عاطفہ موجود نہیں اور اگر اپنے پاس سے واوٴ عاطفہ لگالو تو دیکھو کہ جملے کی کیا گت بنتی ہے۔ جب عطف موجود نہیں تو معلوم ہوا کہ دعوے میں جان ہی نہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انما یرید اللہ الخ جملہ خبریہ ندائیہ۔ سابقہ جملہ انشائیہ کی علت واقع ہوا ہے۔ سابقہ جملہ واقمن الصلوٰۃ ..... ورسولہ۔ معلل ہے۔ یعنی تم نماز پڑھو، زکوٰۃ دو ..... الخ۔ اس کے بدلے میں تمہیں یہ انعام دیا جائے گا۔ انما یرید اللہ الخ۔ ان دونوں جملوں کا تعلق معلوم کرنا ہو تو ذرا چشم تصوّر کے سامنے وہ منظر لاوٴ، کہ چھ سات فٹ اونچے کچے مکان رہائش کے لئے۔ پیوند لگے کپڑے لباس کے لیے۔ فاقوں پر فاقے غذا کے لیے۔ پھر حکم یہ کہ ان حالات میں بھی اللہ ورسول کی اطاعت پر ڈٹی رہو۔ دنیوی آسائش کا نام بھی زبان تک نہ لانا۔ ازواج مطہرات نے یہ سب کچھ منظور کیا اور کرکے دکھایا۔ اور انعام کا ذکر آیا، تو یہ اجنبی معلوم ہونے لگے۔ اور انعام کے مستحق وہ ٹھہرے جنہیں سرے سے خطاب ہی نہیں کیا گیا یا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔

اگر یہ جملہ یہاں اجنبی ہے تو اس کی اصلی جگہ کونسی ہے؟ کہاں سے اٹھایا گیا کب اٹھا کہ یہاں رکھا گیا کسی کو کانوں خبر بھی نہ ہوئی۔ اور انا لہ لحافظون کی ضمانت دینے والا خدا بس دیکھتا رہ گیا۔

کلام عرب میں جملہ خبریہ ندائیہ علت جملہ انشائیہ کی واقع ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث اور کلام بلغاء میں جاری وساری ہے۔ مثلاً

اضرب زیدا انہ فاسق فاجر۔

یا اطعنی یا غلام انی ارید ان اکرمک۔

چلیئے ازواج مطہرات کا ذکر آئے تو یہ جملہ اجنبی ہو تو سیاق وسباق میں کہیں ائمہ کا ذکر ڈھونڈو اور وہاں اس جملہ کو فٹ کرکے دیکھو۔ ایسا کرنے سے ایک اور دقت پیش آئے گی۔ کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق تو امام پیدائش سے پہلے ہی معصوم ہوتا ہے، اور اس معصوم کو پاک کرنے کے ارادہ کا اظہار تو اجنبی نہیں

ہوگا بالکل برمحل ہوگا۔؟

پھر یہ عمل قابل غور ہے کہ اگر یہ اجنبی ہے تو منافی فصاحت و بلاغت ہے۔ کیا قرآن کریم کے متعلق کسی مومن کا یہ عقیدہ ہو سکتا ہے؟

معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کسی ایسے فاصل کا رہ جانا جو باعتبار اعراب کے اجنبی ہو نحویوں کے نزدیک باتفاق جائز ہے۔ مگر انما یرید اللہ ۔۔۔ میں اول تو عطف نہیں پھر یہ فاصل بلحاظ اعراب کے اجنبی نہیں بلکہ یہ تو بلحاظ موارد مضامین اور موضوع کے اجنبی ہوگا۔ اس کے ماقبل اور مابعد موضوع و مضمون ایک چلا آ رہا ہے۔ ابھی وہ ختم نہ ہوا درمیان میں ایک غیر متعلق موضوع شروع کر دیا۔ پھر وہ پہلا موضوع شروع کر دیا۔ یہ متکلم بلیغ کی شان کے خلاف ہے۔ تعالی من ذلك علوا کبیرا۔

ازالہ رجس اور تطہیر

ان دو الفاظ کے متعلق شیعہ کے نزدیک اس سے مراد عطائے عصمت ہے یعنی معصوم بنانا ہے۔ اور اہل سنت کا یہ کہنا ہے کہ اس سے مراد مغفرت ذنوب ہے۔

دوسری بات جو اسی کا تتمہ ہے کہ اہل بیت سے مراد یہ چار حضرات ہیں۔

مگر ان دعووں کا ثبوت لغت عرب۔ کلام عرب۔ قرآن کریم اور عرف کسی ذریعے سے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا نہ اب تک ان سے ہوا، نہ آئندہ ہونے کا امکان ہے۔

شیعہ علماء کے بے بنیاد دعوے

۱۔ کہتے ہیں کہ "مفسرین اہل سنت اس بات کے قائل ہیں۔ کہ یہ آیت ان چار حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس امر میں روایات متواترہ اور کثیرہ ہیں خاص طور پر ابو سعید خدری رضی نے بیان کیا ہے۔ کہ آیت ان کے ساتھ خاص ہے۔"

پہلی بات یہ ہے کہ قائل ہونا اور ناقل ہونا دو مختلف چیزیں ہیں نقل میں رطب

دیا بس شامل کر دیا جاتا ہے۔ مگر قائل ہونا کسی دلیل کی بنا پر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے اگر ایسی روایات نقل کر دیں تو ان سے یہ کب ثابت ہوا کہ وہ قائل ہیں۔ کسی ایک محقق مفسر نے آج تک یہ بیان نہیں کیا کہ یہ آیت ان چار کے حق میں نازل ہوئی۔

روایات جو پیش کی جاتی ہیں۔ وہ شیعہ کی روایات ہوتی ہیں۔ ان میں بھی یہی بات ہے، کہ حضورؐ نے یہ دعا کی کہ اصل اہل بیت میں ان چار کو داخل کیا جائے۔ یہ دعا ہی توان حضرات کو نص سے خارج قرار دیتی ہے۔

رہا ابو سعید کا سوال تو یہ ایک دام ہمرنگ زمین ہے۔ ابو سعید کنیت ہے۔ کلبی کی جو مستند تقیہ باز شیعہ تھا۔ عطیہ کوفی جو خود مستند شیعہ ہے اس سے نقل کرتا ہے کبھی ابو سعید کی کنیت سے کبھی ابو الہشام کی کنیت سے اور ابو النضر کی کنیت سے۔ اور دنیا کو دھوکا دینے کے لئے ابو سعید خدری کا لفظ بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ذات شریف کا اصلی روپ دیکھنا ہو تو ہماری کتاب تحذیر المسلمین کا مطالعہ کریں۔

۲۔ کہتے ہیں" کہ آیت انما یرید اللہ الخ مقام مدح وشان اہل بیت میں واقع ہوئی ہے۔

مدح وشان اپنی جگہ مگر مدح کا بھی محل ہوتا ہے۔ بے محل مدح کیا معنی ازواج مطہرات کو نصیحت کی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ نصیحت کرنے والا کتنا شفیق ہے۔ تاکہ مخاطب اسے سن کر شوق ورغبت سے قبول ہے۔ تو اس کا نزول مقام نصیحت ازواج مطہرات ہے۔

۳۔ کہتے ہیں" انما یرید اللہ میں ارادہ خاص ہے۔ اہل بیت سے اور وہ بھی خاص اہل بیت سے۔

یہ دعویٰ بے سروپا ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔ بلکہ ارادہ کا تعلق تطہیر سے ہے۔ شیعہ کے دعویٰ کے مطابق تو یہ مطلب نکلے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان چار کے سوا نہ کسی کو پاک کیا ہے نہ پاک کرنے کا ارادہ ہے۔

۴۔ ارادہ ازالہ رجس میں وہ ارادہ ہے جو علت تامہ ہو کیونکہ مطلق ارادہ کا تعلق تو تمام

مکلفین سے ہے۔

ارادہ کے علت تامہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں نہ قرینہ ہے۔

تمام مکلفین کے متعلق ارادہ ازالہ رجس ہونا بھی فحش غلطی ہے۔ اگر ایسا ہو تو یغفر لمن یشاء غلط ثابت ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب ازالہ رجس سے مراد عطائے عصمت ہے تو تمام مکلفین معصوم ہو جائیں گے۔

۵۔ حضورؐ نے صرف ان چار کو کملی اوڑھائی لہٰذا یہی چار تطہیر کا محل ہیں۔

حضورؐ کی کملی کی برکت میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ مگر یہ بھی دیکھو ایک روز چند لمحوں کیلئے حضورؐ کی کملی اوڑھی تو اتنی برکت ہوئی۔ تو جو عمر بھر حضورؐ کے ساتھ حضورؐ کی کملی اوڑھے رہیں وہ برکت سے محروم رہیں۔ آخر یہ کیوں؟

سلیم بن قیس ہلالی سے سنیئے۔

کتاب سلیم بن قیس ہلالی طبع مطبع حیدریہ نجف اشرف ص ۱۹۶۔

وکان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحاف لیس لہ لحاف غیرہ و معہ عائشہؓ۔	یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف ایک لحاف تھا۔ اور اسی لحاف میں حضورؐ حضرت عائشہ کے ہمراہ سوتے تھے۔

یہ شیعہ مذہب کی پہلی کتاب ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تحذیر المسلمین)

آیت تطہیر میں سے ازواج النبیؐ کو خارج کر کے صرف چار کو مختص کر دیا جائے۔ تو بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے بڑھتی ہے۔ چنانچہ فروع کافی کتاب الجہاد میں باب من یجب علیہ الجہاد ومن لا یجب میں امام جعفر صادق سے ایک طویل روایت درج ہے جس کا بقدر ضرورت حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم۔ ای یدعوا

یبشر المؤمنین ثم ذکر من اذن له فی الدعاء
الیه بعده و بعد رسوله فی کتابه فقال و لتکن
منکم امة یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف
و ینهون عن المنکر و اولئك هم المفلحون ثم
اخبر عن هذه الامة و ممن هی و انها من ذریة
ابراهیم و من ذریة اسمٰعیل من سکان الحرم
ممن لم یعبدوا غیر الله قط. الذین وجبت لهم
الدعوة ابراهیم و اسمٰعیل من اهل المسجد
الذین اخبر عنهم فی کتابه انه اذهب عنهم
الرجس و طهرهم تطهیرا۔ الذین وصفناهم قبل
هذا۔"

"دعوت الی الحق میں اللہ اور رسول کے بعد قرآن کو رکھا یعنی پہلے اپنی ذات کو رکھا کہ واللہ یدعوا الی دار السلام پھر نبی کریمؐ کو رکھا کہ ادع الی سبیل ربك پھر قرآن کو رکھا کہ ان هذا القرآن الخ)
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان لوگوں کا ذکر کیا جنہیں اپنے اور اپنے رسولؐ کے بعد اپنی طرف بلانے کی اجازت دی اور فرمایا ولتکن منکم الخ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کا ذکر کیا کہ وہ کس خاندان سے ہوگی۔ اور فرمایا وہ جماعت حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے ہوگی۔ یہ لوگ حرم مکہ کے رہنے والے ہوں گے۔ انہوں نے کبھی غیر اللہ کی عبادت نہیں کی ہوگی۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جن کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی دعا قبول ہوئی۔ یہ لوگ مکہ کے رہنے والے ہوں گے۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا کہ ان سے اللہ نے ناپاکی کو دور کیا۔ اور ایسا پاک کیا جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ یہ وہی جماعت

ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔"

ظاہر ہے کہ وہ جماعت جس کا اس روایت میں ذکر ہے۔ تمام صحابہ مہاجرین کی جماعت ہے۔ مکے کی یہی جماعت ہے۔ جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اذہاب رجس اور تطہیر کی بشارت دی ہے۔ جب بقول شیعہ اذہاب رجس اور تطہیر سے مراد عطائے عصمت ہے۔ تو امام جعفر کے قول کے مطابق تمام صحابہ مہاجرین معصوم ثابت ہوئے۔ پھر ائمہ کی تخصیص کہاں رہ گئی۔

قرآن کریم کی آیت اور امام جعفر کے قول میں اتنا فرق ہے کہ قرآن کریم میں صیغہ مضارع استعمال ہوا ہے اور امام کے قول میں صیغہ ماضی۔ اب شیعہ کو امام کا راستہ اختیار کرنے کے لیے دو پہلوؤں میں سے ایک پہلو لازماً اختیار کرنا پڑے گا۔ ورنہ امام کا راستہ اور شیعہ کا راستہ اور۔ اول یہ کہ اذہاب رجس اور تطہیر کے معنی مغفرت ذنوب لیں۔ جیسا کہ مفسرین اہل سنت بیان کرتے ہیں۔

دوم۔ اگر یہ نہیں بلکہ اس کا مفہوم عطائے عصمت ہے۔ تو تمام صحابہ مہاجرین کو معصوم تسلیم کریں۔

اگر یہ دونوں منظور نہیں تو اعلان کریں یا نہ کریں۔ ان لوگوں کا امام جعفر سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن سے تو یہ پہلے ہی دست بردار ہو چکے ہیں۔

اگر یہ بہانہ کیا جائے کہ حضورؐ نے ان چار کو تو اپنی چادر میں لیا تھا۔ مگر سب مہاجرین صحابہ کو کب چادر اوڑھائی تو ماننا پڑے گا کہ اہل بیت بننے کا مدار چادر اوڑھنا ہے تو اس اصول کو ذرا اپنا کر دکھا دو۔

بیہقی اور ابن ماجہ وغیرہ کتب میں ایک واقعہ موجود ہے۔

اخرج البیہقی عن ابی سعید الساعدی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"امام بیہقی نے ابو سعید ساعدی سے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

العباس بن عبدالمطلب	عباس بن عبدالمطلب سے
یا ابوالفضل لا تبرح	فرمایا کہ آپ اور آپ کے بیٹے
منزلك انت و بنوك	میرے آنے تک گھر سے نہ نکلنا
غدا حتی اتیکم فان لی	مجھے تم سے کام ہے۔ سب نے
فیکم حاجة فانتظروه	حضورؐ کا انتظار کیا دوسرے
حتی جاء بعد ما اضحی	دن حضورؐ تشریف لائے سلام
فدخل علیهم فقال السلام	دعا کے بعد فرمایا۔ میرے قریب
علیکم فقالوا و علیك السلام	ہو جاؤ۔ وہ سب سرک کر
و رحمة الله و برکاته	قریب ہو گئے۔ تو آپ نے
قال کیف اصبحتم	ان سب کو اپنی چادر میں لے
قالوا اصبحنا بخیر و	لیا اور دعا کی کہ الٰہی یہ
نحمد الله تعالیٰ۔ فقال	میرا چچا ہے اور میرے والد
لهم تقاربوا فزحف	کی جا بہ جا ہے اور یہ میرے
بعضهم الی بعض اذا	اہل بیت ہیں انہیں دوزخ
امکنوا۔ اشتمل علیهم	سے یوں محفوظ رکھنا جیسے
بملائه ثم قال یارب	میں نے انہیں اپنی چادر
هذا عمی و صنو ابی	میں چھپا لیا ہے۔ اس پر
و هؤلاء اهل بیتی	کواڑوں اور دیواروں سے
استرهم من النار	آمین آمین کی آواز آنے
کستری ایاهم بملائی هذه	لگی۔“
قال فامنت اسکفة الباب	
وحوائط البیت وقالت	
آمین، آمین۔	

لیجئے ۔ چادر میں لپیٹ لیا گیا۔ دعا بھی کی۔ ھؤلاء اھل بیتی ۔ بھی کہا۔ پھر بھی حضرت عباس اور ان کی اولاد اہل بیت نہ کہلا سکی، اہل بیت چار ہی رہے ۔ یہ چادر بھی حضورؐ کی ہی تھی۔ دعا بھی حضورؐ کی زبان سے نکلی پھر بھی قبول نہ ہوئی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قبولیت دعا کا تعلق اللہ کریم سے نہیں تھا بلکہ شیعہ سے تھا جسے یہ قبول کریں تو وہ دعا قبول اور جسے یہ حضرات رد کر دیں، وہ دعا غیر قبول ۔ شیعہ نے اپنے لئے کتنا اونچا مقام تجویز کیا ہے ۔ حقیقت ہے کہ سفر پہ روانہ ہوتے ہی آدمی کا رُخ ذرا بھی مڑ جائے تو ہر قدم پر منزل سے دور ہی ہوتا چلا جاتا ہے ۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس کو توفیق نہ دے ۔ اپنی سمت سفر درست کرلے ۔

قرآن کریم کی آیت ۔ اس کا سیاق وسباق ۔ نفس مضمون جو مفہوم پیش کرتا ہے روایات جسکی تائید کرتی ہیں ۔ لغت اور عرف جس کو درست کہتا ہے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ٹھیک وہی ہے کہ اہل بیت نص قطعی کے اعتبار سے ازواج النبیؐ ہیں ۔ اور حضورؐ نے شفقت کی بنا پر ان چار حضرات کے لیے دعا کی کہ انہیں بھی اہل بیت میں شامل کر لیا جائے ۔

مگر شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آیت کا یہ ٹکڑا یہاں اجنبی ہے ازواج النبیؐ قطعاً اہل بیت نہیں ۔ بلکہ وہی چار اہل بیت ہیں جن کے لیے دعا کی گئی ۔ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ۔ لغت کے برعکس اور عرف کے مخالف ہے ۔

لہذا عقیدہ اہل سنت صحیح اور اسلامی عقیدہ ہے ۔

اصل مسئلہ تو طے ہو گیا ۔ اس سے ضمناً ایک اور مسئلہ بھی حل ہو رہا ہے ۔ وہو ہذا اللہ تعالیٰ نے ازواج النبیؐ کو دو راستے دکھائے کہ اگر دنیوی مال و دولت درکار ہے ۔ تو نبی سے تمہارا تعلق ختم ۔ اور اگر آخرت کی راحتیں مطلوب ہیں تو تمہارے لئے انعامات تیار رکھے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ کو جو یہ بات سخت نا پسند تھی کہ نبی کی بیویوں کے پاس مال و دولت ہو ۔ تو اسے اپنے نبیؐ کے لئے یہ پسند تھا کہ وہ مال و دولت جمع کرتا رہے ۔ اگر نہیں اور واقعی نہیں تو نبی کریمؐ نے وہ کون سا

مال جمع کر رکھا تھا کہ آج تک نبی کی میراث کی تقسیم کے مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوا۔ پھر لطف یہ ہے کہ نبی کے ورثا تو متعدد تھے۔ مگر سب خاموش ہیں، مگر ایک وارث کے حق میں دہائی دی جارہی ہے۔ یہ دونوں باتیں ناقابل فہم ہیں۔

پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ معاشی پہلو میں حکم دیتا ہے کہ

لینفق ذو سعتہ	وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق
من سعتہ ۔ اور	بچہ پر خرچ کرنا چاہیئے۔
علی الموسع قدرہ	صاحب وسعت کے ذمہ اسکی حیثیت کے مطابق
وعلی المقتر قدرہ ۔	ہے اور تنگدست کے ذمے اسکی حیثیت کے موافق

تو نبی کریمؐ کے پاس مال کی فراوانی اور وسعت تھی تو اہل بیت پہ کیوں نہ خرچ کیا اور اللہ کی طرف سے طلاق یا تخییر مابین دولت و دنیا اور آخرت کا معاملہ کیوں پیش آیا؟ یہاں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ اگر رسول کریمؐ کے پاس مال نہیں تھا تو ازواج مطہرات نے مطالبہ کیوں کیا۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کے قبضے میں سارا بیت المال تھا۔ مگر حضورؐ تو امین تھے غلطی سے انہیں مالک سمجھ لیا گیا۔ وہ تو قوم کا مال تھا۔ حضورؐ کا ذاتی نہیں تھا۔

معاش رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بچپن میں حضورؐ نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں تو فرمایا کہ میں بھی چند قیراط اجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں تو یہاں تک فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

آپ کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری اٹھائی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ نے بچپن میں ہی اپنے کثیر العیال

اور عسیر الحال چچا کی معاشی مدد کے لئے اجرت پر بکریاں چرانے کا کام بچپن میں ہی شروع کر دیا تھا۔

جب حضورؐ کی عمر پچیس ۲۵ برس کی ہوئی تو ابو طالب نے آپ سے کہا۔ میں ایک مفلس شخص ہوں ہم پر تنگی کا دور ہے اور تمہاری قوم کا مال سے لدا ہوا اونٹوں کا قافلہ روانہ ہونے والا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد تمہاری قوم کے کچھ لوگوں کو اپنے تجارتی اونٹوں کے ہمراہ تجارت کے لیے بھیجا کرتی ہے مناسب ہے کہ تم بھی اس کے پاس جاکر خود کو اس خدمت کے لیے پیش کر دو، امید ہے کہ وہ تمہیں فوراً قبول کرے گی۔ ادھر اس گفتگو کی خبر کسی نے سیدہ خدیجہ کو پہنچا دی انہوں نے فوراً ہی از خود حضورؐ کو بلا بھیجا۔ اور آپ سے کہا کہ میں آپ کو دوسرے لوگوں سے دگنا معاوضہ دوں گی۔

محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب الوفا فی احوال المصطفیٰ ص۱۴۳ پر لکھا ہے۔

"لما بلغ رسول اللہ خمسا وعشرین سنة قال ابوطالب انا رجل لا مال لی وقد اشتد الزمان علینا۔ وھذا عیر قومك قد حضر وخروجھا الی الشام وخدیجه بنت خویلد تبعث رجالا من قومك فی عیرا تھا فلو جئتھا فعرضت نفسك علیھا لاسرعت الیك۔

اس طرح جوانی میں بھی حضورؐ نے تجارت کر کے اپنے مفلس چچا کے کنبہ کی پرورش کا حق ادا کیا۔

پھر حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی ہوئی تو انہی کے مال پر گزر اوقات بھی ہوتی اور اسلام کی خدمت بھی ہوتی رہی۔

مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انصار رضاکارانہ طور پر حضورؐ کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے۔ سات آٹھ ماہ بعد انصار نے کھجوروں کے درخت ہدیۃً دیئے کہ ان کا پھل حضورؐ کا اور درخت مالکوں کے رہیں گے۔

جب جہاد فرض ہوا تو آپؐ نے وہ درخت مالکوں کو لوٹا دیئے۔۔ اور فرمایا

جُعِلَتْ رِزْقِی تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِی یعنی اللہ نے میرا رزق تلواروں اور نیزوں کے سائے میں رکھ دیا اس مال غنیمت سے حضورؐ قوت لایموت لیا کیا کرتے تھے یہی وجہ تھی دو دو ماہ تک حضورؐ کے گھر آگ نہ جلتی تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے اس کی وجہ بیان فرمادی کہ

ما اوحی الیّ ان اجمع المال و اکون من التاجرین ولکن اوحی الیّ ان سبح بحمد ربك وکن من الساجدین واعبد ربك حتی یاتیك الیقین۔

(مشکوۃ ص۴۴۴)

اسی طرح کنز العمال ۲ : ۵۲ اور در منشور میں بھی درج ہے۔

"مجھے اس امر کی وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کر کے بڑا تاجر بن جاؤں بلکہ مجھے بذریعہ وحی یہ حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کر اس کے سامنے سجدہ کر اور اس کی عبادت میں لگا رہ یہاں تک کہ موت آجائے۔"

قرآن مجید میں بھی حضورؐ کو تلقین فرمائی گئی۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْــَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔

"اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے ان طرح طرح کے لوگوں کو، رونق دنیا کی زندگی کی ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والی۔ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا۔ اور خود بھی قائم رہ اس پر ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ہم روزی دیتے ہیں۔ تجھ کو۔ اور انجام بھلا ہے پرہیزگاری کا۔"

کیا صاف صاف ہدایت فرمادی کہ دنیا کی زیب و زینت اور مال و متاع کیطرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے میں نے جو انعام آپ پر کیا ہے اس کے مقابلے میں یہ خسیس

دنیا کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ یعنی حضورؐ کو مال جمع کرنے کی ممانعت فرما دی گئی اور حضورؐ نے اس ہدایت ربانی پر عمل کرنے کا حق ادا کر دیا۔

مدینہ طیبہ میں آپ کا کام تبلیغ و اشاعت دینی ہی تھا۔ اور اس کی اجرت لینے کا ذکر ہی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے اعلان کرا دیا کہ ما اسئلکم علیہ من اجر۔ ان اجری الا علی اللہ یعنی اس کا اجر میں تم سے کیوں لینے لگا۔ وہ تو میں اپنے رب سے لوں گا۔ صاف ظاہر ہے مال جمع کرنے کی تمام صورتیں ختم کر دی گئیں معاش کے لیے صرف مال غنیمت رہ گیا تو ترکہ کیا ہوتا اور میراث کی تقسیم کا سوال کیونکر پیدا ہوتا۔"

یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کے صاف احکام موجود ہیں مثلاً" يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔

یا اسی قبیل کی دوسری آیات کا تقاضا یہ ہے کہ حضورؐ کی میراث اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول کے مطابق تقسیم ہو مگر سوال یہ ہے کہ میراث کا حکم تو مال مملوکہ کے لئے ہے۔ اور میراث کے متعلق تمام آیات مملوکہ مال سے تعلق رکھتی ہیں۔ تمام علما اور مناظرین کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ جب شیعہ کی طرف سے آیات میراث پیش ہوں۔ تو انہیں صاف کہہ دیا جائے۔' کہ یہ مال مملوکہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور حضورؐ کے پاس مال فے تھا۔ جس پر نبی کریمؐ نے کوئی ایسا مال چھوڑا ہی نہیں جس پر آپ کا مالکانہ قبضہ ہو۔ مال فے پر آپ کا قبضہ متولیانہ تھا۔ اگر موجودہ حالات سے اس کی تشریح کی جائے۔ تو کچھ ایسی صورت بنتی ہے کہ جب کسی ملک کا صدر یا وزیر اعظم فوت ہو تو حکومت کے خزانہ کو اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے۔ کیا اسکی کوئی نظیر دنیا میں ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قومی خزانہ یا بیت المال پر حاکم کا قبضہ مالکانہ نہیں ہوا کرتا کہ اس میں میراث کا قانون جاری کیا جائے۔ لہٰذا ان آیات کا کوئی محل اور مورد ہی نہیں ملتا تو ان پر عمل کیسے ہوتا۔

لہٰذا نبی کریمؐ نے نہ مال جمع کیا نہ ترکہ چھوڑا نہ تقسیم میراث کا سوال پیدا ہوا حقیقت یہی ہے اور افسانوں کا کیا اعتبار۔

ذرّیت رسولؐ

انسان جب اس درجہ جری ہو جائے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ تاریخی حقائق کا انکار کر دینے میں عار نہ سمجھے تو اس کے لیے کسی حقیقت کا انکار کر دینا کہاں مشکل ہوتا ہے قرآن حکیم نے نبی کریمؐ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت کی ترکیب سے خطاب کر کے تفصیلی ہدایات دیں۔ یار لوگوں نے صاف انکار کر دیا۔ اور کتاب اللہ، لغت، محاورہ اور عرف سب حدود کو پھاند گئے۔

ازواج کے بعد اولاد کا نمبر آتا ہے تو یہی روش اس ضمن میں بھی اختیار کی کہ نبی کریمؐ کی بیٹیوں میں سے ایک کو بیٹی تسلیم کیا باقی کا انکار کر دیا۔ اور اس ہٹ دھرمی کی تائید کے لیے ایک طومار گڑھ دیا۔ جسکی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ "میں نہ مانوں"۔

بنات رسولؐ کے سلسلے میں قرآن کریم حدیث نبویؐ علم الانساب وغیرہ سے تفصیلی بحث بعد میں آئے گی۔ سب سے پہلے ہم شیعہ کتب سے شواہد پیش کرتے ہیں۔

(۱) منتہی الامال شیخ عباس قمی شیعہ مجتہد۔ طبع جدید مطبع تبریز ۱ : ۱۰۸، ۱۰۹۔

"در قرب الاسناد از حضرت صادق علیہ السلام روایت شدہ است کہ از برائے رسولؐ خدا از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب و تزویج نمود فاطمہ را بحضرت امیر المؤمنین و زینب را بابی العاص بن ربیع کہ از بنو امیہ بود، و ام کلثوم را بعثمان بن عفان و پیش از اں کہ بخانہ عثمان برد برحمت الٰہی واصل شد و بعد از او حضرت رقیہ را باو تزویج نمود"۔

"قرب الاسناد میں امام جعفر سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے رسول خداؐ کے بیٹے طاہر اور قاسم اور بیٹیاں فاطمہؓ، ام کلثومؓ، رقیہؓ اور زینب پیدا ہوئیں۔ فاطمہؓ کا نکاح امیر المؤمنین حضرت علی سے ہوا۔

زینب کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے ہوا۔ جو بنوامیہ میں سے تھے اور ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے ہوا۔ ام کلثوم کی وفات کے بعد حضورؐ نے رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا“

(۲) اسی کتاب کے صـ۱۰۸ پر منتہیہ میں لکھتا ہے۔

”فرزند نبی قاسم ابراہیم است — پس طاہر و طیب زراہ تعظیم است
با فاطمہؓ و رقیہؓ و ام کلثومؓ — زینب شمار ار ترا سر تعلیم است

”یعنی شیخ عباس ابو لنصر فراہی حضورؐ کی اولاد امجاد کے متعلق اپنے دو شعروں میں لکھتا ہے کہ نبی کریمؐ کے بیٹے قاسم اور ابراہیم ہیں۔ جن کو تعظیم کے طور پر طاہر اور طیب کہتے ہیں پھر (بیٹوں میں) فاطمہؓ رقیہؓ اور ام کلثومؓ کے ساتھ زینبؓ کو شمار کر اگر تجھے علم سے کوئی واسطہ ہے“

(۳) ”خصال“ شیخ صدوق ۲ : ۱۶۸ پر حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کا مکالمہ لکھا ہے۔

”وقال رسول الله مه یا حمیرا (عائشہ) فان الله وتعالیٰ بارک فی الولود الودود فان خدیجة رحمها الله ولدت منی طاهرا وهو عبد الله وهو المطهر وولدت منی القاسم وفاطمه ورقیه وام کلثوم وزینب“

اسی خصال کی فارسی شرح میں ۲ : ۱۸۸ پر لکھتا ہے۔

”خدیجہ کہ خدائش رحمت کند از من دو پسر آورد یک طاہر عبداللہ نام داشت و مطہر لقب داشت دوم قاسم و چہار دختر برائے من آورد فاطمہؓ و رقیہؓ و ام کلثوم و زینب“

(۴) کشف الغمہ ۲ : ۱۳۹ طبع جدید مطبع علمیہ قم۔۔

خدیجه اول امرأة تزوجها رسول الله صلی الله علیه وسلم واولاده کلهم منها الا ابراهیم فانه من مادیة.

"حضرت خدیجہ پہلی خاتون ہیں جو نبی کریمؐ کے نکاح میں آئیں اور حضورؐ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے ہے۔ سوائے ابراہیم کے جو حضرت ماریہ کے بطن سے تھے۔"

(۵) تتمۃ المنتہی ۱ : ۴۔

"وابو العاص بن ربیع قریشی زوج حضرت زینب دختر رسولؐ در سنہ ۱۲ وفات کرد۔"

(۶) مناقب شہر ابن آشوب ۱ : ۱۶۱ طبع جدید۔

"واولادہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من خدیجہ القاسم وعبد اللّٰہ وھما الطاھر والطیب واربع بنات زینب رقیہ ام کلثوم وفاطمہ۔"

(۷) تنقیح المقال فی احوال الرجال از علامہ عبداللہ مامقانی شیعہ کی شہرۂ آفاق کتاب طبع جدید نجف اشرف سنہ ۱۳۵۲، ص ۷۷

ان کتب الفریقین مشحونۃ بانھا ولدت للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اربع بنات زینب وام کلثوم وفاطمہ ورقیہ۔ الی ان قال وبناتہ ادرکن الاسلام وھاجرن معہ واتبعنہ امن بہ۔"

یعنی فریقین (اہل سنت اور شیعہ) کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے حضورؐ کی چار بیٹیاں زینب۔ ام کلثوم فاطمہ اور رقیہ پیدا ہوئیں .... آپ کی بیٹیاں اسلام لائیں حضورؐ کے ساتھ ہجرت کی اور حضورؐ کا اتباع کیا۔"

(۸) تنقیح المقال من فصل النساء ص ۷۳۔

کانت خدیجہ اذ تزوجھا رسول اللّٰہ بنت اربعین سنۃ وستۃ اشھر وکان رسول اللّٰہ یومئذ ابن

احدی وعشرین سنة وولدت له اربع بنات کلهن ادرکن الاسلام وهاجرن وهن زینب، و فاطمه ورقیه وام کلثوم"۔

"یعنی حضورؐ سے نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر ساڑھے چالیس برس تھی۔ اور حضورؐ کی عمر اکیس برس۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے حضورؐ کی چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ سب اسلام لائیں۔ اور سب نے ہجرت کی۔ اور وہ زینب، فاطمہ، رقیہ اور ام کلثوم۔

(۹) پھر اسی کتاب کے صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے۔

"عن سعدة بن صدقه قال حدثنی جعفر بن محمد عن ابیه قال ولد لرسول اللہؐ من خدیجة القاسم والطاهر وام کلثوم ورقیة وفاطمه وزینب۔ فزوج علیا فاطمه وتزوج ابا العاص بن ربیعه وهو من بنی امیه زینباً وتزوج عثمان بن عفان ام کلثوم ولم یدخل بها حتی هلکت وزوجه رقیة مکانها"

سوال یہ ہے کہ منتہی الآمال، خصال، کشف الغمه، تتمة المنتهی، مناقب شهر بن آشوب، تنقیح المقال وغیرہ کتب شیعہ مذہب کی مستند اور چوٹی کی کتابیں ہیں ان میں کہیں حضرت خدیجہ کے بطن سے حضورؐ کی چار بیٹیوں کی وضاحت کہیں ان میں سے ہر ایک کے نکاح کا تذکرہ بھی ہے۔ کہیں ان کے نام لے کر چار کی وضاحت موجود ہے۔ پھر شیعہ کس بنار پر یہ کہتے ہیں۔ کہ حضورؐ کی ایک ہی بیٹی تھی۔

اس بناوٹی اور خلاف حقیقت عقیدہ، کی تاریخ کا کھوج لگانے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب سے پہلے بنات رسول کا انکار ابوالقاسم کوفی نے کیا۔ جکی وفات ۳۵۲ھ میں ہوئی۔ یعنی چوتھی صدی ہجری سے پہلے اس انکار کا کوئی نشان نہیں تھا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ شیعہ کے اہم مسائل جن پر شیعہ مذہب کی رونق کا انحصار ہے۔

وہ نبی کریمؐ سے صدیوں بعد کی پیداوار ہیں ۔ ماتم ہی کو دیکھ لیجئے ۔ جس پر شیعہ کی ساری چہل پہل کا مدار ہے ۔ صدیوں بعد معزالدولہ کے عہد میں شروع ہوا ۔

سید ابوالقاسم کوفی کی کتاب الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ ۔ ۱:۹۰ کے حاشیہ پر اس کی رائے پر خوب تنقید کی گئی ہے ۔ چنانچہ لکھا ہے :

وقد خالف صاحب الکتاب فی هذا الرأی جماعة من اساطین العلماء من الفقهاء والنسابین ممن لا یستهان بهم منهم العلامة الشیخ المفید محمد بن محمد بن النعمان البکری بغدادی الیٰ ان قال ما نصه ان زینب و رقیة کانت ابنتی رسول الله صلی الله علیه وسلم والمخالف لذلك شاذ بخلافه ۔

"یعنی ابوالقاسم نے علماء، فقہا اور نسابین کی ایک بڑی جماعت کی مخالفت کی ہے ۔ وہ علماء جو دین شیعہ کے ستون کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ابوالقاسم کے قول کو تسلیم کرنا اس کثیر جماعت کی توہین ہے ۔ ان جید علماء میں شیخ مفید بھی ہے ۔ جن کا صاف عقیدہ ہے کہ حضورؐ کی چار بیٹیاں تھیں ۔

پھر اسی کتاب کے ص۹۱ پر لکھا ہے ۔

"هذا الرأی الشیخ الجلیل المفید فی ذلك ووافقه تلمیذه السید الشریف المرتضی علم الهدیٰ وبذلك اتضح الحق"

"یعنی شیخ مفید کے علاوہ اس کے شاگرد سید شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ کی یہی رائے ہے کہ بیٹیاں چار تھیں اس سے حق واضح ہو گیا"

ابوالقاسم کے اس قول کو رد کرتے ہوئے علامہ عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال ص۷۹ پر خوب لکھا ہے :

"قال ابو القاسم الکوفی فی الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ کلام طویل اصر نا ضیہ علی ان زینب التی کانت تحت ابی العاص بن الربیع ورقیۃ التی کانت تحت عثمان لیستا ببنتی رسول اللہ بل ربیبتاہ . ولم یأت الا بہمانعمہ برہانا الی ان قال وان اتعب نفسہ الا انہ لم یأت ما یغنی عن تکلف النظر والثبوت وانہ کبیت العنکبوت اما اولا فانہ یشبہ الاجتہاد فی قبال النصوص من الفریقین عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعن ائمتنا ."

"خلاصہ یہ کہ ابو القاسم کا یہ قول کہ زینب اور رقیہ بیٹیاں نہیں تھیں . بلکہ ربیبہ تھیں . قول بلا دلیل ہے . محض رائے اجتہاد ہے . نصوص کے مقابلے میں اس کی حیثیت مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں . کتب فریقین میں حضور کی چار بیٹیاں پر نصوص موجود ہیں . اہل سنت کے پاس فرمان رسول موجود ہے اور شیعہ کے پاس ائمہ کے اقوال موجود ہیں . کہ رسول خدا کی چار بیٹیاں تھیں ."

علامہ مامقانی کی تنقید بجا مگر شیعوں کو کون روک سکتا ہے کہ اماموں کے قول کو رد کر دیں . اور ابو القاسم کوفی کے قول کو قبول کر لیں . اور شیعوں نے بلا وجہ ابو القاسم کے قول کو ائمہ کے قول پر ترجیح نہیں دی . یہ بھی کوئی معمولی آدمی تو نہیں تھا . اب اس ابو القاسم کی تصویر شیعہ کتب کے آئینے میں ملاحظہ ہو .

(۱) تتمۃ المنتہی شیخ عباس قمی ص ۳۰۹ .

"ابو القاسم کوفی علی بن احمد بن موسیٰ وفات یافت واو در آخر عمر

مذہبش فاسد شدہ بود و کتابہا بسیار تالیف کرد و ہم از کتابہاے ابوالقاسم کوفی کتاب الاستغاثہ است۔

"یعنی ابوالقاسم نے کتابیں بہت تصنیف کی ہیں۔ مگر آخر میں بے دین ہو گیا تھا۔ واقعی یہ بے دینی ہی کے کرشمے ہیں۔ کہ آدمی ٹھیک دوپہر کے وقت کہہ دے کہ آدھی رات ہے اور ایسا کہنے میں اسے کوئی شرم بھی محسوس نہ ہو"

(۲) شیعہ کتاب نقد الرجال عرف رجال تفرشی از علامہ آقا میر مصطفیٰ طبع طہران ۱۳۸۱ھ۔

"علی بن احمد ابو القاسم کوفی رجل من اهل الکوفة کان یقول انه من آل ابی طالب و غلا فی آخر عمره و فسد مذهبه و صنف کتب کثیرة اکثرها علی الفساد الی ان قال ثم خلط واظهر مذهب المخمسة رأیت له کتبا کثیرا لا یلتفت الیه۔ والمخمسة طائفة من الغلاة یقولون ان سلمان والمقداد و عمار و اباذر و عمرو بن امیه الضمری هم الموکلون لمصالح العالم تعالیٰ الله عن ذلك علوا کبیرا" (ص ۲۲۶)

"یعنی صاحب نقد الرجال نے شیخ عباس قمی کی تائید ہی نہیں کی اس پر اضافہ یہ کیا کہ ابوالقاسم کی اکثر کتب فاسد اور باطل ہیں۔ اس نے دین کو خلط ملط کر دیا، بلکہ وہ مخمسہ (پنج تن) کا عقیدہ رکھتا تھا کہ خدا نے سلمان مقداد، عمار، ابوذر اور عمر بن امیہ کو تدبیر کائنات کے اختیار دے دیئے ہیں۔ اور خود معطل ہو کر بیٹھ گئے ہیں گویا ابوالقاسم اونچے درجے کا مشرک تھا۔ ایسے غالی کافر مشرک اور مخبوط الحواس

آدمی کی رائے کو شیعہ حضرات آئمہ کے اقوال پر ترجیح نہ دیں۔ تو اور کیا کریں۔ قدرشناسی کا تقاضا یہی ہے۔

صاحب استغاثہ کا مخبوط الحواس ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ان کا ایک بیان ملاحظہ ہو۔

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قد زوج اختها رقیه من عثمان فبقیت زینب عند ابی العاص بن الربیع بعد ذلك مدة یسیرة و مات عنها ابو العاص ثم ماتت رقیة عند عثمان فخطب بعد موتها زینب فزوجها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم منه و ماتت عندہ۔	"اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہ کا نکاح عثمان سے کیا اور اس کے کافی مدت بعد تک زینب ابوالعاص کے پاس رہی۔ پھر ابوالعاص فوت ہوتے پھر رقیہ کی وفات ہوگئی۔ تو عثمان نے زینب کی خواستگاری کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کا نکاح عثمان سے کر دیا۔ اور زینب کی وفات حضرت عثمان ہی کے گھر میں ہوئی۔"

؎

اس بیان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کسی نے ترنگ میں آکر کہا تھا۔ کہ "علم سائنسی دریاؤ ہے، کہیں کا ٹانکا کہیں لاگت ہے۔" اسی طرح ابوالقاسم کی معلومات بھی دریاؤ ہے۔ اور استغاثہ تو سمندر ہے۔ کہیں کا ٹانکا کہیں لاگت ہے کیونکہ یہ حقیقت مسلم فریقین ہے۔ کہ زینب دختر رسولؐ زوجہ ابوالعاص کی وفات ۷ھ کے اواخر یا ۸ھ کے اوائل میں ہوئی۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ ابوالعاص کی وفات ۱۲ھ یا ۱۳ھ میں ہوئی۔ جیسا کہ تتمۃ المنتہی سے نقل کیا جا چکا ہے۔ مگر اس مخبوط الحواس نے ترتیب ہی الٹ دی۔ ابوالعاص کو پہلے مار ڈالا، اور زینب کی باری بعد میں آئی۔ اس سے بھی بڑی حماقت

کا اظہار اس وقت کیا جب بہن بھائی کا نکاح جائز رکھا۔ ایسے مخبوط الحواس مجتہد کی بات کو ائمہ کے قول پر ترجیح نہ دیں تو دین شیعہ کی برتری کیونکر ظاہر ہو۔

اسی طرح ابوالقاسم اور ایسے ہی کچھ دوسرے شیعہ علماء نے حضرت خدیجہ اور ان کی بہن ہالہ بنت خویلد کی وفات کو پہیلی بنا کے رکھ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہالہ پہلے فوت ہوئی۔ اس کی بیٹیوں کی پرورش حضرت خدیجہ کے گھر میں ہوئی۔ اس بنا پر وہ بنات رسولؐ کہلائی جانے لگیں۔ حالانکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ پہلے فوت ہوئیں۔ اور ان کی بہن کی وفات ان کے بعد مدینہ میں ہوئی۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ ۳ : ۱۲۸۔

ثم قال البخاری حدثنا اسماعیل بن خلیل اخبرنا علی بن سھر عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت استأذنت ھالہ بنت خویلد اخت خدیجہ علی رسول اللہ فعرف استئذان خدیجہ فارتاع فقال اللھم ھالۃ فغرت فقلت ماتذکر من عجوز من عجائز قریش حمراء الشدقین ھلکت فی الدھر ابدلک اللہ خیرا منھا وھکذا رواہ مسلم عن سوید بن سعید عن علی بن مسھر وھذا ظاھر۔

"بخاری نے کہا کہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ہالہ بنت خویلد نے جو خدیجہ کی بہن تھی۔ حضورؐ کے گھر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضورؐ نے سمجھا کہ خدیجہؓ اجازت طلب کر رہی ہے پس حضورؐ تیار ہوئے فرمایا اے اللہ یہ تو ہالہ ہے حضرت عائشہ کہتی ہیں مجھے غیرت آئی میں نے کہا کہ قریشی کی ایک بوڑھی عورت کو آپ کیا یاد کرتے ہیں۔ جو سرخ چہرے والی تھی۔ زمانہ ہوا کہ فوت ہو چکی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا نعم البدل عطا کر دیا ہے۔ اسی طریقہ سے مسلم نے روایت کی ہے اور ظاہر ہے۔

اس روایت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ

(۱) ھالہ نے نبی کریمؐ سے اجازت مانگی۔ اور استیذان کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔

(۲) حضرت خدیجہ کا انتقال مکہ میں ہی ہو گیا تھا۔

(۳) ھالہ کے استیذان کا واقع اس وقت پیش آیا۔ جب حضرت عائشہ بیت رسولؐ میں تھیں

(۴) حضرت عائشہ کا نکاح حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ہوا۔

(۵) ہلکت فی الدھر کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہ مدتوں پہلے فوت ہو چکی تھیں۔

لیکن یار لوگ پھر بھی بڑے وثوق سے کہا کرتے ہیں کہ ھالہ فوت ہو گئی اور اس کی بیٹیاں خدیجہ نے اپنے گھر میں پالیں۔ واقعی آدمی لٹھ لے کے عقل کے پیچھے پڑا ہو۔ تو اس سے بھی اونچی باتیں کہہ سکتا ہے۔

ایک بہانہ

کچھ شیعہ علماؑ کا کہنا ہے کہ شیعہ کتاب قرب الاسناد کی حدیث میں مسعدہ بن صدقہ سنی راوی ہے لہٰذا قابلِ قبول نہیں۔

بظاہر بہانہ تو خوب ہے مگر حقائق اس کا ساتھ نہیں دیتے کیونکہ

(۱) قربِ الاسناد کی روایت کو علامہ مجلسی شیعہ نے اپنی کتاب حیات القلوب میں نقل کیا ہے۔

(۲) علامہ مامقانی شیعہ نے اپنی کتاب "تنقیح المقال" میں نقل کیا ہے۔

(۳) یہ روایت امام جعفر سے مروی ہے۔ اور یہ مسعدہ بن صدقہ وہ ہے۔ جو اصحاب امام جعفر صادق سے ہے۔ سکہ بند رافضی ہے۔

(۴) جس مسعدہ بن صدقہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ سنی ہے یا شیعہ وہ امام باقر سے روایت کرتا ہے۔ اور یہ چار بیٹیوں والی روایت کا راوی ہی نہیں۔

(۵) تنقیح المقال میں تذکرہ مسعدہ بن صدقہ میں ہے کہ :

مسعدة بن صدقة یکنی ابابشر روی عن ابی عبداللہ و ابی الحسن له کتب. منها کتب خطب امیر المؤمنین فظاهر النجاشی من حیث عدم غمزہ لا فی مذهبه۔

مسعدة بن صدقة دوہیں۔ احدهما یروی عن الباقر وهو العامی تبری و الاخری یروی عن الصادق والکاظم والذی یروی عن الباقر تبری۔

ترجمہ:۔ مسعدہ بن صدقہ جسکی کنیت ابوالبشر ہے یہ روایت کرتا ہے امام جعفر سے اور ابوالحسن سے اسکی کتابیں ہیں۔ ان سے امیر المؤمنین کے خطبے بھی ہیں۔ اور علامہ نجاشی نے اس کے مذہب پر کوئی تنقید نہیں کی۔

مسعدہ بن صدقہ دو ہیں۔ ایک امام باقر سے روایت کرتا ہے یہ سنی ہے تبری مذہب کا ہے۔ دوسرا امام جعفر اور موسیٰ کاظم سے۔ اور جو امام جعفر سے روایت کرتا ہے، وہ تبری فرقہ کا ہے یا سنی ہے۔

روضہ کافی اور فروع کافی میں مسعدہ بن صدقہ امام جعفر کی حدیث کا راوی ہے۔ اسی طرح تہذیب الاحکام میں باب فضل المساجد اور باب وصیت میں مسعدہ بن صدقہ راوی امام جعفر صادق کا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جو مسعدہ امام باقر سے روایت کرتا ہے وہ تبری فرقہ کا ہے جو شیعہ فرقہ میں سے ہیں (ملاحظہ ہو فرق الشیعہ از علامہ نوبختی شیعہ) یا سنی ہے۔ اور جو امام جعفر سے روایت کرتا ہے وہ شیعہ ہے۔ اور یہ چار بیٹیوں والی روایت اس مسعدہ کی ہے جو شیعہ ہے اور امام جعفر سے روایت کرتا ہے۔ اور قرب الاسناد کی روایت میں وہی مسعدہ ہے۔ جو امام جعفر سے روایت کرتا ہے اور شیعہ ہے۔ لہذا یہ محض فرار کی راہ ہے کہ مسعدہ کو سنی کہہ کر اس کی روایت سے جان چھڑانے کی کوشش کی گئی ہے۔

بنات رسول کے سلسلے میں مہمات کتب شیعہ سے اقتباس دینے کے بعد ہم اس مسئلہ کو قرآن کریم، علم انساب اور تاریخ کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

بناتِ رسولؐ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین

یا ایہا النبی قل لازواجك وبنٰتك ونساء المؤمنین یدنین علیہن من جلابیبہن ذلك ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین وكان اللہ غفورا رحیما ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے نکاح اور اولاد ——— اس باب میں چار امور کی وضاحت ہوگی :

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت خدیجہؓ کا نکاح کس کس سے ہوا۔

(۲) ان سے کوئی اولاد ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو کون کونسے بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔

(۳) حضرت خدیجہؓ کی حقیقی بہنیں اور حقیقی بھائی اور ان کی اولاد۔

(۴) کیا آپؓ کی کوئی بھانجی رسولِ خداؐ کے گھر آپ کے پاس پرورش پاتی رہی۔

حضرت خدیجہؓ کا شجرۂ نسب — خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب۔

(عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب صـ۵۳ نسب قریش صـ۲۲۸)

خویلد کی اولاد — فولد خویلد بن اسد عدیاً وحزاماً والعوام ورقیقۃ اُمّہم منینۃ بنت الحارث بن جابر بن وھب بن نسیب بن زید۔

(نسب قریش صفحہ ۲۳۰ — ۲۲۹)

خویلد کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جس کا نام رقیقہ تھا۔ ان کی ماں مینہ تھی۔
رقیقہ کا نکاح عبد بن بجاد سے ہُوا، اس سے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام اُمیمہ تھا۔

ولدت رقیقه بنت خویلد امیمة بن عبد بن بجاد
بن عمیر بن الحارث بن حارث (نسب قریش ۲۲۹)

خویلد کی دوسری بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام نوفل تھا جس کو
ابن عدویہ کہتے ہیں۔

نوفل بن خویلد هو الذی یقال له عدویه
امه عمّة بدیل بن ورقاء بن عبد العزیٰ و
هی بنت عبد العزیٰ بن ربیعه بن حزن (نسب قریش)

نوفل بن خویلد کی اولاد آگے نہ چلی اور عدی بن خویلد کی اولاد بھی آگے نہ چلی۔

انقرض ولد نوفل بن خویلد واما عدی فقد
انقرض ولده۔ (نسب قریش ص ۲۳۱)

خویلد کی تیسری بیوی سے اولاد

وخدیجة وهالة ابنتی خویلد
امهم فاطمة بنت زائده بن
جندب بن هرم بن رواحه۔

خدیجہ اور ہالہ دونوں خویلد
کی بیٹیاں ہیں ان کی ماں
فاطمہ ہے۔

فاما هالة بنت خویلد فولدت
ابا العاص بن الربیع بن عبد العزیٰ
بن عبد الشمس یقال له الامین
زوجه رسول الله صلی الله علیه
وسلم زینب بنت رسول الله
صلی الله علیه وسلّم۔

ہالہ کا ایک لڑکا ابوالعاص
بن ربیع ہوا جسے امین کہتے
تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلّم نے اس کا نکاح زینب
بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلّم کے ساتھ کیا۔

واما خديجة بنت خويلد فولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم القاسم والطاهر وكان يقال له الطاهر والطيب ولد بعد النبوة ومات صغيرا واسمه عبد الله وفاطمة وزينب وام كلثوم ورقيه ۔

خدیجہ بنت خویلد کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قاسم اور طاہر جنہیں طیب بھی کہا جاتا ہے، نبوت کے بعد پیدا ہوتے۔ اور بچپن میں ہی فوت ہوتے اور فاطمہ، زینب، ام کلثوم اور رقیہ پیدا ہوئیں۔

فائدہ: (۱) حضرت خدیجہ رض کی حقیقی بہن صرف ہالہ تھی جس کا ایک ہی بیٹا ہوا جس کا نام ابوالعاص تھا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کا نکاح اسی ابوالعاص سے کیا۔

(۳) ہالہ کی کوئی بیٹی پیدا نہیں ہوئی۔

(۴) حضرت خدیجہ رض کی ایک بہن رقیقہ تھی جس کی ماں دوسری تھی۔ اس رقیقہ سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام امیمہ تھا۔

(۵) حضرت خدیجہ رض کی چار بیٹیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئیں فاطمہ رض۔ زینب رض۔ ام کلثوم رض اور رقیہ رض۔

حضرت خدیجہ رض کا نکاح

علامہ اردبیلی نے کشف الغمہ میں اور ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب ۲: ۹۱ پر اور صفحہ ۲۸، پر بیان کیا ہے:-

پیش از آنکہ حضرت او را تزویج نماید عتیق بن عائذ مخزومی او را تزویج کردہ بود و از و دخترے بہم رسانید و بعد از ابو ہالہ

حضور اکرم ﷺ سے نکاح سے پہلے حضرت خدیجہ رض کا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا، اس سے ایک لڑکی ہوئی اسکے بعد ابوہالہ

اسدی اورا تزویج کرد و هند بن ابی ہالہ را از وبہم رسانید۔	اسدی سے نکاح ہوا، اس سے ایک لڑکا هند ہوا۔

اور پھر صا۹۱ پر اول مرتبہ خدیجہ را عتیق بن عائذ مخزومی خواست واز وخترے بہم رسید و بعد از عتیق بن عائذ ابو ہالہ بن زرارہ تیمی اورانکاح کرد و هند بن ہند از و متولد شد و بعد از و رسولؐ خدا اورا بحبالۂ خود آورد۔

ملا باقر مجلسی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ:

(۱) حضرت خدیجہؓ کی عتیق سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کے نام کا ذکر نہیں اور یہ بھی ذکر نہیں کہ زندہ رہی یا مر گئی۔ اگر زندہ رہی تو اس کا نکاح کس سے ہُوا؟

(۲) حضرت خدیجہؓ کی کوئی لڑکی زینب، رقیہ یا ام کلثوم پہلے خاوندوں سے پیدا نہیں ہوئی۔

اور نسب قریش صا۲۲، صا۲۷۰، اور صا۳۳۴ پر ذرا تفصیل ملتی ہے۔

وكان مولد ابراهيم فى ذالحجه سنة ثمان من الهجرة مات (اى ابراهيم) بالمدينه وهو ابن ثمانية عشر شهرا واخوة ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم لامهم هندة بنت عتيق بن عائذ بن عبد الله بن عمرو بن مخزوم وهند بن ابى هاله بناش بن زرارة وهالة بنت ابى هاله وابو هاله من بنى اسيد بن عمرو بن تيم.	ذی الحجہ ۸ھ میں ابراہیم پیدا ہوئے، اور جب وہ ۱۸ ماہ کے تھے مدینہ میں فوت ہوئے۔ رسول اللہ کے بیٹے کے بہن بھائی جو دوسری ماؤں سے تھے۔ وہ یہ تھے هندہ بنت عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم اور هند بن ابوہالہ اور ہالہ بنت ابوہالہ۔

اور نسب قریش صفحہ ۳۲۳ پر عائذ کے کئی بیٹے لکھے ہیں ایک عتیق زوج خدیجہ

الکبریٰ سے دُوسرا امیہ بن عائذ اور اس امیہ کا بیٹا صفی جس کی والدہ ھندہ بنت عتیق تھی۔ اور امیہ کا بیٹا محمد بن صفی جس کی اولاد آگے نہیں چلی ۔

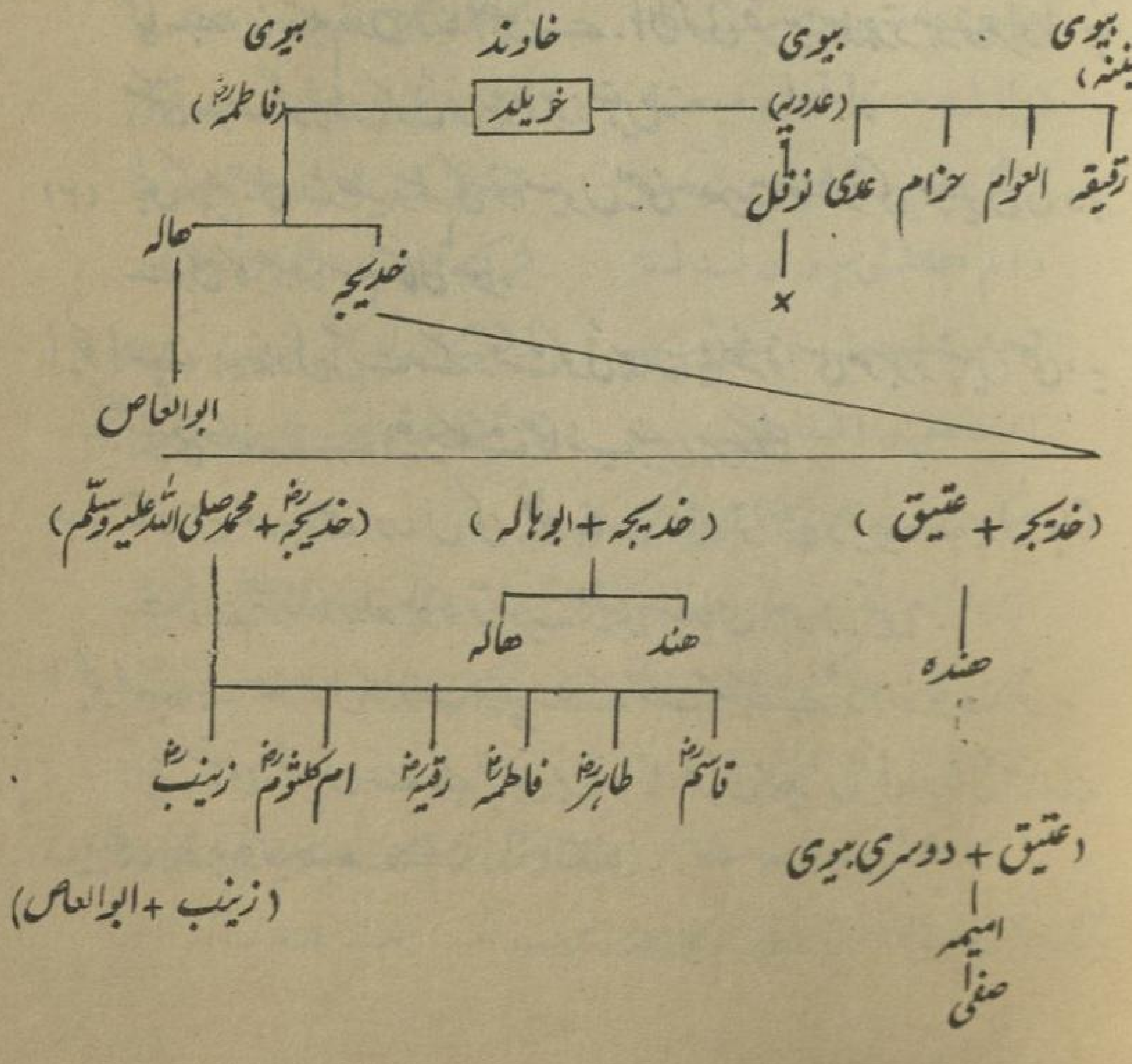
اس سے معلوم ہوا کہ :۔

(۱) حضور کے نکاح میں آنے سے قبل حضرت خدیجہ کی دو لڑکیاں ہُوئیں ۔ھندہ عتیق سے اور ھالہ ، ابو ہالہ سے ۔

(۲) حضرت خدیجہ کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے وہ دونوں فوت ہو گئیں ۔

اس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت خدیجہ رض کی حقیقی بہن ہالہ کی کوئی لڑکی نہیں تھی صرف ایک لڑکا ابو العاص تھا ۔

اس لیے اس کا کوئی امکان نہیں کہ سابقہ خاوندوں سے کوئی لڑکی حضرت خدیجہ رض کے ہمراہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آ کر پلی ہو ۔



تعداد بناتِ رسولؐ

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ .

(۱) لفظ بنات جمع قلت ہے جس میں ۹ تک تعداد آ سکتی ہے ۔ ملاحظہ ہو تفسیر رُوح المعانی ۔

(۲) نزول آیت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوان بالغ بیٹیاں تھیں ۔ جنہیں پردہ کا حکم دیا گیا ، ان دونوں امور کی تاویل کر کے حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ، اس لیے اس کی وضاحت ضروری ہے ۔

(۱) لفظ بنات جمع کا صیغہ محض تعظیم کے لیے ہے ، مراد صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہ رضؓ ہے ۔

الجواب :- آیت میں احکام تکلیفیہ بیان ہو رہے ہیں ، عورتوں کو پردہ کا حکم دیا گیا ہے ۔ یہ مقام مدح وثنا نہیں ہے ۔ ہاں کوئی قرینہ موجود ہو تو مراد لی جا سکتی ہے ، مگر یہاں کوئی قرینہ موجود نہیں ۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسیوں یعنی حضرت فاطمہؓ کی بیٹیوں کی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ۔

الجواب :- نزول آیت کے وقت کوئی جوان بالغ نواسی موجود نہیں تھی ، یہ تکلیفی خطاب ہے ، غیر مکلف مخاطب نہیں ہو سکتا ۔

(۳) لفظ ابن اور بنت اور اس کی جمع بنات بیٹی ، نواسی وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے ہاں اگر لفظ ولد ہوتا تو صرف حقیقی بیٹیاں مراد ہوتیں ۔

الجواب :- حصہ اول کا جواب اوپر ۲ کے تحت آ چکا ہے ۔ رہا لفظ ولد تو یہ ہمیشہ حقیقی بیٹیوں کے لیے نہیں بولا جاتا ۔ قرآن مجید میں متنبیٰ اور عائی بیٹوں پر بھی لفظ بولا گیا ہے ۔ کما قال تعالیٰ

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ اَكْرِمِي

مثواہُ عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہٗ ولداً اور

وقالت امرأۃ فرعون قرّۃ عینٍ لی ولک لا تقتلوہ عسیٰ

ان ینفعنا او نتخذہٗ ولداً

دونوں موقعوں پر لفظ ولد بولا گیا ہے اور مراد متبنیٰ ہے۔

لہذا معلوم ہوا ہے کہ آیت میں لفظ بنات حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں، اب یہ دیکھنا ہے کہ کتنی تھیں۔

(۱) آیت میں لفظ بنات ہے جو جمع قلت ہے اس لیے آیہ سے صاف ظاہر ہے کہ تین سے زیادہ بیٹیاں تھیں۔

(۲) اصول کافی معہ شرح صافی باب التاریخ ۱ : ۱۴۷۔

وتزوج خدیجہ وھو	جب حضورؐ کی عمر بیس برس سے
بضع وعشرین سنۃ	کچھ اُوپر تھی حضرت خدیجہؓ سے
فولدلہ منھا قبل مبعثہ	نکاح ہوا اور بعثت سے قبل
القاسم ورقیہ وزینب	خدیجہؓ کے بطن سے آپ کے
وام کلثوم وولدلہ	لڑکے قاسم اور لڑکیاں رقیہؓ،
بعد المبعث الطیب و	زینبؓ اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور
الطاھر والفاطمہ	بعثت کے بعد طیب طاہر اور فاطمہؓ پیدا ہوئے

شارح نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

پس زادہ شد برائے او از خدیجہؓ پیش از رسالت او قاسمؓ ورقیہؓ وزینبؓ وام کلثوم وزادہ شد برائے او بعد از رسالت او طیبؓ وطاہرؓ و فاطمہؓ۔

اصول کافی کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔ جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئیں۔

(۳) تذکرہ المعصومین ص۶

تزوج خدیجۃ وھو ابن بضع وعشرین سنۃ فولدت لہ قبل مبعثہ رقیۃؓ وام کلثوم وزینبؓ۔

جب حضورؐ کی عمر ۲۰ برس سے کچھ زائد تھی، حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہوا، اور بعثت سے پہلے حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کی تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ رقیہؓ، ام کلثوم اور زینبؓ۔

(۴) حیات القلوب ۱ : ۷۹ از ملا باقر مجلسی

وبسند معتبر منقول است کہ سلیمان بن خالد بحضرت صادق عرض کرد کہ فدائے تو شوم مردم گویند کہ آدم دختر خود را بہ پسران خود تزویج کرد فرمود کہ بلے مردم چنیں می گویند لیکن اے سلیمان مگر نمیدانی کہ رسول خدا فرمود کہ اگر میدانستم کہ آدم دخترش بہ پسرش نکاح کردہ ہر آئینہ من زینب را بقاسم می کردم و دین آدم را ترک نمی کردم۔

معتبر سند کے ساتھ نقل ہے کہ سلیمان بن خالد نے امام جعفر صادق سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے اپنی لڑکیوں کے نکاح اپنے بیٹوں کے ساتھ کیے، فرمایا ہاں لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔ مگر سلیمان تجھے علم نہیں کہ حضورؐ اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ حضرت آدمؑ نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے سے کیا تو میں زینبؓ کا قاسم سے کرتا اور دین آدم کو ترک نہ کرتا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زینب، حضرت قاسم ابن رسول اللہ کی حقیقی بہن تھی یہ قول رسولؐ اللہ ہے اور بیان کرنے والے امام جعفر صادق ہیں۔

۵۔ استبصار ۱ : ۲۴۵

فقال ابی عبد اللہ علیہ السلام

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ زینبؓ

وان زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم توفیت وان فاطمہ علیہا السلام خرجت فی نساء ہا فصلت علیٰ اختہا۔

بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئی تو حضرت فاطمہؓ عورتوں کے ساتھ گھر سے نکلیں اور اپنی بہن کا جنازہ پڑھا۔

امام جعفر صادق نے اس روایت میں حضرت زینبؓ کو

ا:۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی بیٹی فرمایا۔

ب:۔ حضرت زینبؓ کو حضرت فاطمہؓ کی حقیقی بہن فرمایا۔

ج:۔ حضرت فاطمہؓ کا اپنی بہن کے جنازہ کے لئے گھر سے نکلنا ذکر کیا۔

(۶) خصال شیخ صدوق ۲ : ۱۶۷

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ولد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن خدیجہ القاسم والطاہر وعبد اللہ وام کلثوم، ورقیہ وزینب وفاطمہ وتزوج علی بن ابی طالب فاطمہ وتزوج ابو العاص بن الربیع وھو رجل من بنی امیة زینب، تزوج عثمان بن عفان ام کلثوم فماتت ولم یدخل بہا فلما ساروا الی بدر زوجہ رسول اللہ

امام جعفر سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بیٹے قاسمؓ اور طاہرؓ، اور چار بیٹیاں رقیہؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں، فاطمہؓ کا نکاح علی بن ابی طالب سے ہوا زینب کا نکاح ابو العاص بن الربیع اموی سے ہوا۔ ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے ہوا رخصتی سے پہلے وہ فوت ہو گئی پھر حضور اکرمؐ نے رقیہؓ کا نکاح عثمانؓ سے کر دیا جب

رقية ثم قال رسول الله	بدر کی طرف جانے لگے پھر حضور
صلی الله علیه وسلم یا حمیرا	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمیرا
فان الله تبارك وتعالی	(عائشہ رض) اللہ نے اس عورت
بارك فی الودود المولود	میں برکت رکھی ہے۔ جو بچوں
ان خدیجه رحمها الله	سے محبت کرتی ہے اور خدیجہ رض
ولدت منی طاهرا وهو	اللہ اس پر رحم کرے۔ اس سے میرے
عبد الله وهو المطهر	بیٹے طاہر رض اور قاسم رض اور میری بیٹیاں
وولدت منی القاسم و	فاطمہ رض، رقیہ رض، ام کلثوم رض اور
وفاطمه ورقیه وام	زینب رض پیدا ہوئیں۔
کلثوم وزینب۔	

اس روایت سے معلوم ہوا کہ :-

(ا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے اپنی چار بیٹیوں کے نام حضرت عائشہ کے سامنے بیان فرماتے۔

(ب) حضور نے یہ بھی بتایا کہ یہ میری ساری بیٹیاں حضرت خدیجہ رض کے بطن سے تھیں۔

(ج) پھر حضرت خدیجہ رض کے لئے دعا فرمائی۔

(د) امام جعفر صادق نے نہ صرف چار بیٹیوں کے نام لیے بلکہ ان کے نکاح کی تفصیل بھی بتائی۔

(ہ) امام جعفر صادق نے اس روایت کی تصدیق فرمائی۔

(۷) حیات القلوب ۲ : ۷۱۸

بہ سند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا متولد شدند طاہر رض و قاسم رض و فاطمہ رض و ام کلثوم رض و رقیہ رض و زینب رض و فاطمہ را با آنحضرت امیر المومنین ع تزویج نمود و تزویج کرد باالو العاص بن ربیعہ کہ از بنی امیہ بود زینب را و بعثمان بن عفان ام کلثوم را و پیش از آنکہ بخانہ آں رود۔

برحمت الٰہی واصل شد و بعد از و حضرت رقیہؓ را باو تزویج نمود۔

(۸) حیات القلوب ۲ : ۷۱۸

و ابن بابویہ بسند معتبر آں روایت کردہ است کہ از برائے رسولؐ خدا متولد شد از خدیجہؓ قاسمؓ و طاہرؓ و نام طاہر عبداللہ بود و ام کلثومؓ و رقیہؓ و زینبؓ و فاطمہؓ حضرت امیر المومنینؓ فاطمہؓ را تزویج نمود و زینبؓ را ابو العاص بن ربیعہ داو مردے بود از بنی امیہ و عثمان بن عفان ام کلثوم را تزویج نمود و پیش از آنکہ بخانہ او برد برحمت الٰہی واصل شد پس بجنگ بدر رفتند حضرت رسولؐ رقیہ را باو تزویج نمود۔

ملا باقر مجلسی کی بیان کردہ ان دو روایات سے ثابت ہوا۔

(ا) امام جعفر صادق کا ایمان ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئیں۔ ان کے نام زینبؓ، ام کلثومؓ، رقیہؓ اور فاطمہؓ ہیں۔

(ب) امام جعفر نے ان کے نام ہی نہیں لئے بلکہ ان کے نکاح کی تفصیل بھی بیان فرمائی۔

(ج) ملا باقر نے ان روایات کی سند کو معتبر قرار دیا۔

(د) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمانؓ بہت محبوب تھے اس لئے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دے دیں۔ اگر حضورؐ کو حضرت عثمانؓ کے خلوص اور ایمان کے متعلق شبہ بھی ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ اگر کوئی کج فہم یہ کہے کہ حضورؐ نے ڈر کے مارے ایسا کیا یا تقیہ کیا یا مال و دولت کے لالچ میں یہ کیا، تو ایسا شخص نہ شان رسالت سے واقف ہے نہ اس کا رسولؐ پر ایمان ہے۔

(۹) حیات القلوب ۲ : ۳۳۰

شیخ طبرسی و علی بن ابراہیم قمی و دیگراں روایت کردہ اند۔۔۔۔ و از جملہ آں ہا عثمان بود و رقیہ دختر حضرت رسولؐ کہ زن او بود۔

"علامہ طبرسی و علی بن ابراہیم قمی جو امام حسن عسکری کا شاگرد ہے، دونوں اقرار کرتے ہیں. کہ رقیہ، حضرت رسولؐ کریم کی بیٹی تھی اور حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھی۔"

(۱۰) حیات القلوب ۲ : ۸۹

ملا باقر مجلسی نے حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے جس کے بعد رسولؐ اکرم نے حضرت عائشہؓ کو خطاب کر کے فرمایا :-

پس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در خشم شد و گفت بس کن ای حمیرا کہ خدا برکت مید ہد زنے را کہ شوہر را بسیار دوست دارد و بسیار فرزند آورد و خدیجہ خدا اورا رحمت کند از من طاہر و مطہر را بہم رسانید کہ او عبداللہ بود و قاسمؓ را آورد و رقیہ و فاطمہ و زینب و ام کلثوم از وبہم رسید۔

(۱۱) حیات القلوب ۲ :۳۹۱ بدر کے قیدیوں کے فدیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

تا آنکہ زینب دختر رسولؐ کہ زوجہ ابوالعاص بن ربیعہ بود گردن بند خود را کہ حضرت خدیجہؓ باد دادہ بود برائے فدیہ شوہر خود ابوالعاص فرستاد۔

اس حدیث کو شیخ طبرسی نے اخراج کیا ہے جو معتبر علمائے شیعہ سے ہے. شیخ طبرسی اور ملا باقر مجلسی کا اقرار ہے کہ حضرت زینبؓ رسولؐ خدا کی بیٹی تھی۔

مندرجہ بالا گیارہ اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

(۱) قرآن مجید کی آیت سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تین سے زیادہ تھیں۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ حضرت خدیجہؓ سے میری چار بیٹیاں، زینبؓ، ام کلثومؓ، رقیہؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔

(۳) امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسولؐ خدا کی چار بیٹیاں تھیں. جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

(۴) حضرت فاطمہؓ اور زینبؓ کو امام جعفر صادق نے حقیقی بہن فرمایا۔ اب اگر کوئی کہے کہ

رسول کی ایک ہی بیٹی تھی، تو اوّل وہ قرآن کی آیت پیش کرے کہ ایک ہی بیٹی تھی۔ پھر رسولؐ کا قول پیش کرے کہ میری ایک ہی بیٹی تھی، پھر امام جعفر کا قول پیش کرے کہ حضورؐ کی ایک ہی بیٹی تھی۔ اگر ایسا نہ کر سکے اور یقیناً نہیں کر سکتا اور پھر بھی اس بات پر اصرار کرے کہ حضورؐ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی تو ایسا شخص امام جعفر صادق کا مخالف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور قرآن کا منکر ہے۔

اب ذرا شیعہ محدث سید نعمت اللہ کی زبانی یکجا تفصیل سنیئے:۔

انوار النعمانیہ ۱ : ۱۲۴

فاول امرأة تزوجها خديجة بنت خويلد وكانت قبله عند عتيق بن عائذ المخزومي فولدت له جارية ثم تزوجها ابو هالة الاسدي فولدت لهٗ هند بن ابي هاله ثم تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم وربّى ابنها هند فاول ما حملت ولدت عبد الله بن محمد والطيب والطاهر ولدت له القاسم اكبر ولده الى ان قال و انما ولدت له ابنان واربع بنات زينب ورقيه و ام كلثوم وفاطمه فاما زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فتزوجها

پہلی عورت جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا خدیجہؓ تھی، آپ سے پہلے خدیجہؓ کا نکاح عتیق سے ہوا تھا اس سے ایک لڑکی ہوئی پھر ابو ہالہ اسدی سے نکاح ہوا اور اس سے ایک لڑکا ہند ہوا پھر حضورؐ سے نکاح ہوا اور اس کے لڑکے ہند نے حضورؐ کے گھر پرورش پائی، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکے قاسم اور طاہر ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں — زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثوم اور فاطمہؓ۔ زینبؓ کا نکاح ابو العاص بن ربیعہ سے زمانہ جاہلیت میں ہوا۔ اس کی بیٹی امامہ پیدا ہوئی جس سے

ابو العاص بن الربيع فی
الجاهلية فولدت له جارية
اسمها امامة تزوجها علی
ابن ابی طالب بعد وفات
فاطمة و قتل امير المؤمنين
عليه السلام و عنده امامة
فخلف عليها بعده المغيرة
بن نوفل بن الحارث بن
عبد المطلب و ماتت زينب
بالمدينة لسبع سنين من
الهجرة و اما رقيه فتزوجها
عتبة بن ابی لهب فطلقها
قبل ان يدخل بها و لحقها
منه اذی فقال اللهم سلط
علی عتبة كلبا من كلابك
فتناوله الاسد من بين
اصحابه و تزوجها بعده
بالمدينة عثمان بن عفان
فولدت له عبد الله و مات
صغيرا نقره ديك علی
عينه فمرض فمات و
توفيت بالمدينة زمان
بدر فتخلف عثمان علی

علی بن ابی طالب نے وفات
فاطمہؓ کے بعد نکاح کیا جب
امیر المؤمنین قتل کئے گئے امامہ
ان کے گھر تھی، پھر اس سے
مغیرہ بن نوفل نے نکاح کیا
اور زینبؓ ۸ھ میں مدینہ
میں فوت ہوئی ۔ رقیہؓ کا نکاح
عتبہ بن ابی طالب سے ہوا ۔
رخصتی سے پہلے اس نے طلاق
دے دی ۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ
وسلم کو اس سے ایذا پہنچی تو
فرمایا اللہ اس پر اپنا کوئی کتا
مسلط کر چنانچہ شیر اسے کھا گیا ۔
پھر رقیہؓ کا نکاح مدینہ میں عثمان
بن عفان سے ہوا اس سے ایک
لڑکا عبد اللہ ہوا جسے بچپن
میں ہی مرغ نے آنکھوں کے
درمیان ٹھونگ ماری وہ بیمار
ہوا اور بدر کے زمانہ میں
مدینہ میں فوت ہوا عثمانؓ
اس کی تجہیز و تکفین کی وجہ سے
بدر کی جنگ میں شامل نہ ہو
سکے ۔ اور عثمانؓ نے حبشہ

وفیها منعه ذلك ان شهد بدرا وقد كان عثمان هاجر الى الحبشة ومعه رقية واما ام كلثوم فتزوجها ايضاً عثمان بعد اختها رقية وتوفيت عنده الى ان قال وقد تقدم اختلاف اصحابنا فی ان رقية ام كلثوم هل هما ربيبتاه ام ابنتاه والحال عندنا لا يتفاوت لان عثمان فی زمن النبی صلى الله عليه وسلم كان مظهر الاسلام وكان النبی صلى الله عليه وسلم يريد تاليف قلوبهم ودخول الاسلام اليها فكان يلاطفهم بانواع اللطائف من الاموال والمناكحات وغيره۔

میں ہجرت کی تو رقیہؓ ساتھ تھی، اور رقیہؓ کے بعد عثمانؓ کا نکاح ام کلثومؓ سے ہوا وہ انہیں کے گھر فوت ہوئی۔

.:.

..... اس بارے میں شیعوں کے اختلاف کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ کیا ام کلثومؓ اور رقیہؓ ربیبہ تھیں، یا بیٹیاں، ہمارے نزدیک اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عثمانؓ نے اسلام کا اظہار کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کی تالیف قلب اموال اور مناکحات سے کیا کرتے تھے۔

.:.

انوار النعمانیہ کی اس عبارت سے ذیل کے امور ثابت ہوئے۔

(۱) حضرت خدیجہؓ کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ (ہندہ)

(۲) نکاح ثانی ابو ہالہ سے ہوا جس سے صرف ایک لڑکا پیدا ہوا۔ " ہند" جس

نے حضورؐ کے گھر پرورش پائی۔ یعنی حضرت خدیجہؓ جب حضورؐ کے نکاح میں آئیں تو ان کی کوئی لڑکی موجود نہ تھی۔ جن کو ربیبہ بنایا جاتا صرف ایک لڑکا ھند تھا جس کی پرورش حضورؐ کے ہاں ہوئی۔

(۳) حضورؐ کے نکاح میں آنے کے بعد حضرت خدیجہؓ سے چار لڑکیاں پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ زینبؓ، ام کلثومؓ، رقیہؓ اور فاطمہؓ۔

(۴) حضرت زینبؓ کی وفات سنہ ۸ھ میں ہوئی۔ اور حیات القلوب ۲ : ۷۱۹ کے مطابق ام کلثومؓ کی وفات بھی سنہ ۸ھ میں ہوئی۔ اور رقیہؓ تو ام کلثومؓ سے پہلے فوت ہو چکی تھیں۔

(۵) ابتدا میں صاحب انوار النعمانیہ نے اقرار کیا ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کی چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ پھر تین کو ربیبہ بنانے کا کیا مطلب کیا اپنی بیٹی کو بھی ربیبہ بنایا یا کہا جاتا ہے۔

اس سے ایک اور بات بھی واضح ہو گئی کہ عیسائیوں سے مباہلہ کے موقع پر جو باہر آئی بیٹی وہی تھی اگر اور بیٹیاں ہوتیں تو کیوں نہ باہر آتیں بات یہ ہے کہ آیت مباہلہ سنہ ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی اور حضورؐ کی تین بیٹیاں سنہ ۸ھ تک وفات پا چکی تھیں۔ اب مباہلہ میں شامل ہونے کے لئے قبر سے کیونکر باہر آتیں۔

حضورؐ اکرمؐ کی حقیقی بیٹیوں کو ربیبہ کہنے کا تکلف اس لئے کیا گیا کہ کہیں حضرت عثمانؓ کامل الایمان قرار نہ دیئے جائیں۔

دوسرا پہلو یہ اختیار کیا گیا کہ ان تین بیٹیوں کو حضرت خدیجہؓ کی ہمشیر زاد بتایا گیا مگر باب اوّل میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی حقیقی بہن صرف ہالہ تھی۔ اس کا ایک بیٹا ابو العاص تھا۔ کوئی بیٹی تھی ہی نہیں۔

ملا باقر مجلسی نے دونوں قول نقل کر کے خود ان کی تردید کر دی ہے۔

حیات القلوب ۲ : ۷۱۹

قول اول : کہ رقیہؓ و ام کلثومؓ   رقیہؓ اور ام کلثومؓ خدیجہؓ

دختران خدیجہؓ بودند از شوہر دیگر کہ پیش از حضرت رسولؐ داشتہ بود و حضرت ایشاں تربیت کردہ بود قول دوم: بعض گفتہ اند کہ دختران ہالہ خواہر خدیجہؓ بودند جواب دیا۔ و بر نفی این دو قول روایات معتبرہ دلالت میکنند۔	کی بیٹیاں تھیں سابقہ خاوندوں سے اور رسولؐ خدا نے صرف انکی تربیت کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ خدیجہؓ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ ان دونوں قولوں کی تردید اور نفی معتبر روایات اور احادیث سے ہوتی ہے۔

اور حیات القلوب ۲: ۲۲۷ پر امام باقر سے بسند صحیح مرقوم ہے۔

و ابن ادریس بسند صحیح از امام باقر روایت کردہ است کہ حضرت رسولؐ خدا دختر بدو منافق داد یکے ابوالعاص پسر ربیعہ و آں دیگرے کہ عثمان بود۔	ابن ادریس نے صحیح کے ساتھ امام باقر سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے دو منافقوں کو بیٹیاں دیں ایک ابوالعاص بن ربیع دوسرا عثمانؓ تھا۔

ابن ادریس نے امام باقر سے روایت کی ہے اس کا پہلا حصہ ایک حقیقت کا اقرار ہے دوسرا حصہ امام باقر کے ذمے تہمت ہے امام باقر سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ کوئی ایسی بات فرمائیں جس سے شان رسالت کی توہین ہوتی ہو۔

باقر مجلسی کے قول دوم کے متعلق سید ابوالقاسم کوفی کا مضحکہ خیز بیان دیکھئے

الاستغاثہ ۱: ۸۱

والابنتان طفلتان وکان فی حدثان بتزویج رسول الله صلی الله علیه وسلم بخدیجة بنت خویلد وکانت هاله اخت خدیجة فقیرة وکانت خدیجة من الاغنیاء	حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت خدیجہؓ کی دو خورد سالہ لڑکیاں تھیں۔ اور ہالہ ہمشیرہ خدیجہؓ غریب تھی۔ اور خدیجہؓ مال دار تھیں۔

المؤمنين بكثرة المال
فاما هند بن ابی هاله فانه
لحق بقومه و عشيرته بالبادية
و بقيت طفلتان عند امهما
هالة اخت خديجه فضمت
خديجه اختها هالة مع
الطفلتين اليها و كفلت
جميعهم و كانت هالة
اخت خديجه هی الرسول
بين خديجه و بين رسول
الله صلى الله عليه وسلم
فی حال التزويج فلما
تزوج رسول الله صلى الله
عليه وسلم بخديجة ماتت
هالة بعد ذلك بمدة يسيرة
و خلفت طفلتين زينبؓ و
رقيةؓ فی حجر رسول الله
صلى الله عليه وسلم و
حجر خديجه فربهما ۔

پس ہند بن ابی ہالہ اپنے قبیلہ
کے ساتھ جنگل میں چلا گیا۔
اور یہ خورد سالہ دو لڑکیاں اپنی
ماں کے پاس رہ گئیں جو ہالہ
بنت خویلدؓ ہمشیرہ خدیجہؓ تھی۔
خدیجہؓ نے اپنی بہن ہالہ اور
اس کی دونوں بچیوں کو اپنے
گھر رکھ لیا اور ان کی کفالت کرنے
لگی، خدیجہؓ کے ساتھ حضورؐ کے
نکاح میں یہی ہالہ وکیل تھی جب
حضورؐ کا خدیجہؓ سے نکاح ہوگیا
تو کچھ عرصہ بعد ہالہ
مر گئی اور یہ دونوں لڑکیاں
زینبؓ اور رقیہؓ حضورؐ کے
گھر خدیجہؓ کے پاس پرورش
پاتی رہیں ۔

استغاثہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ناول نگار کسی مخصوص مقصد کی بنا پر اپنے ذہن میں ناول کا ایک ڈھانچہ تیار کر چکا ہے، اب اس کے لیے اپنی پسند کے مطابق کردار تیار کر رہا ہے، جس کا رشتہ جس سے جی چاہا جوڑ دیا۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا۔

بہر حال اس میں ایک مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ صاحب استغاثہ نے زینبؓ کو ہالہ کی بیٹی قرار دیا ہے۔ اور حیات القلوب ۲ : ۴۹۳ پر مرقوم ہے۔

د ھمیں جماعت اموال ابوالعاص ابن الربیع راکہ پسر خواہر خدیجہؓ وشوہر زینبؓ بود۔

ان دونوں علماء کے بیان کو جمع کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ابوالعاص کا نکاح اپنی حقیقی بہن سے ہوا۔ صاحب استغاثہ کی تحقیق کی داد دینی چاہیے۔ انہیں اپنی اس تحقیق پر اتنا ناز ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ علماء تو علم انساب سے جاہل ہیں کہتے ہیں۔

وجادلونی اشد مجادلة فی انهم من خدیجه ای من دلد خدیجه فاعلمتهم ان ذالك جهل منهم نبسبهم۔

سید ابوالقاسم نے اپنے علم کے زور سے حقیقی بہن بھائی کو شوہر بیوی بنادیا۔ اور علماء کو اپنی جہالت کی بنا پر یہ ہمت نہ ہو سکی۔ واقعی ہر مردے و ہر کارے۔

پہلے باب میں معتبر حوالوں سے تفصیل دی جا چکی ہے کہ

(۱) حضرت خدیجہؓ کی حقیقی بہن صرف ہالہ تھی۔ اور ہالہ کا صرف ایک لڑکا ابوالعاص تھا۔

(۲) دوسری بہن جس کی ماں دوسری تھی اس کا نام رقیقہ تھا۔

(۳) رقیقہ کی صرف ایک لڑکی تھی جس کا نام امیمہ تھا۔

اب زینبؓ۔ ام کلثوم اور رقیہؓ کو ربیبہ ثابت کرنے کے لئے ان کی کوئی تیسری بہن تلاش کرنی پڑے گی۔ اور تین خواتین کو اس کی بیٹیاں بنا کر حضرت خدیجہؓ کے ہمراہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آنا ثابت کرنا پڑے گا۔ تاریخ اس معاملے میں ساتھ نہیں دیتی، اس کا تو اعلان ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی ایک حقیقی بہن اور ایک ماں کی طرف سے سوتیلی اور ان دونوں کے ہاں اس نام کی لڑکی پیدا ہی نہیں ہوئی۔

پس افسانہ نگاری اور ناول نویسی کا سہارا لینا پڑے گا۔ اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔

حیات القلوب ۲ : ۲۸۷، سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی نے روایت کی ہے۔

چوں آں حضرت خدیجہؓ را تزویج نمود او باکرہ بود و بعقد شوہر دیگر پیش آں حضرت نیامدہ بود۔

ملا باقر کہتا ہے کہ:۔

قول اول اشہر است

قول اول وہی ہے جو متعدد روایات میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے پہلے خاوند عتیق بن عائذ اور ابو ہالہ تھے۔

ان علماء کرام کے مختلف بیانات کو جمع کرنے سے انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ واقعی ان حضرات نے تاریخ کو ناول اور افسانہ بنا دیا۔ مثلاً

(۱) حضورؐ اکرم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت خدیجہؓ کا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے پھر ابو ہالہ سے ہوا۔ (حیات القلوب ۲ : ۹۱)

(۲) حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ اکرم کی چار بیٹیاں تھیں۔ زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ۔ (اصول کافی ۱ : ۴۴۱) (خصال شیخ صدوق ۲ : ۱۶۷) (حیات القلوب ۲ : ۷۱۸)

(۳) حضرت خدیجہؓ کی حقیقی بہن صرف ہالہ تھی۔ اس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ جس کا نام ابو العاص تھا۔ (نسب قریش ۲۳۰)

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینبؓ کا نکاح ہالہ کے بیٹے ابو العاص سے ہوا تھا۔ (شیخ صدوق ۲ : ۱۶۷)

(۵) حضرت خدیجہؓ کی سوتیلی بہن صرف رقیقہ تھی جس کی ایک بیٹی امیمہ تھی۔ (نسب قریش ۲۲۹)

(۶) حضرت خدیجہؓ کے ہاں عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ (ھند ۲) (انوار النعمانیہ ۱ : ۱۲۴)

(۷) حضرت خدیجہؓ کے ہاں ابو ہالہ سے صرف ایک لڑکا ہند پیدا ہوا۔ (انوار النعمانیہ ۱ : ۱۲۴)

(۸) اس میں ہمارے (شیعہ) علماء کا اختلاف ہے کہ زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ حضورؐ کی بیٹیاں تھیں یا ربیبہ تھیں۔ (انوار النعمانیہ ۱: ۱۲۴)

(۹) رقیہؓ اور ام کلثومؓ ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ (حیات القلوب ۲: ۷۱۹)

(۱۰) زینبؓ اور رقیہؓ ہالہ کی بیٹیاں تھیں اور حضورؐ کی ربیبہ۔ (الاستغاثہ ۱: ۸۱)

(۱۱) ابوہالہ کا بیٹا ابوالعاص ہالہ کا شوہر تھا۔ (حیات القلوب ۲: ۴۹۳)

(۱۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو وہ کنواری تھیں۔ (حیات القلوب ۲: ۷۲۸)

ان متضاد بیانات کو پڑھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تاریخی واقعات ہیں، ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ناول نویسی ہے جب چاہا جس کردار کو چاہا جیسے چاہا بدل دیا۔

بناتِ رسولؐ کو ربیبہ کہنا تاریخی اعتبار سے اور علم الانساب کے لحاظ سے بالکل غلط ثابت ہو گیا۔ اب ربائب کو بنات کہنا قرآنی اعتبار سے غلط ملاحظہ کیجیے۔

(انوار النعمانیہ ۱: ۱۲۵)

فزید بن حارثه وکان لخدیجه اشتراه لها حکیم بن حزام باربعمائة درهم فوهبة لرسول الله صلی الله علیه وسلم فاعتقه وزوجه ام ایمن فولدت له اسامة فتبناه رسول الله صلی الله علیه وسلم فکان یدعیٰ زید بن رسول الله صلی الله علیه وسلم حتیٰ انزل الله تعالیٰ۔

زید بن حارثہ حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے، حکیم حزام نے انہیں خدیجہؓ کے لیے ۴۰۰ درہم میں خریدا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے یہ حضورؐ اکرم کو ہبہ کر دیا تھا، حضورؐ اکرم نے انہیں آزاد کر دیا ام ایمن سے نکاح کر دیا ان سے اسامہ پیدا ہوئے۔ ان کو حضورؐ اکرم نے متبنیٰ بنایا۔ ان کو زید بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلایا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ادعوھم لاٰبائھم ⁂ ادعوھم لاٰبائھم الخ

یہی بیان تفسیر حسن عسکری ص۲۷۱ پر بھی موجود ہے۔

فترکوا ذلک وجعلوا یقولون زید اخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

معلوم ہوا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ربائب یا متبنیٰ کو اپنے والد کے بغیر کسی دوسرے کی طرف نسبت کر کے بلانا حرام ہوگیا۔ اور ترک کر دیا گیا۔

ربیبہ کا معاملہ تاریخی اور قرآنی ہر دو اعتبار سے غلط ثابت ہوگیا، اور علماء شیعہ کے بیانات سے واضح ہوگیا کہ حضورؐ کی چار بیٹیاں تھیں، زینبؓ، ام کلثومؓ، رقیہؓ اور فاطمہؓ۔

شیعہ مذہب کی حدیث کی چوٹی کی کتاب کافی ہے جس کے مصنف محمد یعقوب کلینی ہیں جن کو حجۃ الاسلام اور ثقۃ الاسلام کے لقب سے ملقب کرتے ہیں، یہ کتاب ان کے بقول امام مہدی کے منظور شدہ اور تصدیق شدہ ہے، کافی میں ثقۃ الاسلام نے جو بیان کیا ہے وہ معمول بہا ہے۔ یہ صاحب علی بن ابراہیم قمی کا شاگرد ہے، یہ امام حسن عسکری کا شاگرد ہے، تو صاحب کافی کی رائے دراصل امام حسن عسکری کی رائے ہوئی۔ تو کافی میں بیان ہو چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہؓ سے چار بیٹیاں تھیں۔ حوالہ گزر چکا ہے۔

بناتِ رسولؐ کے نکاح کے متعلق چند غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

(۱) حضور اکرمؐ نے اپنی بیٹیوں کے نکاح کے وقت اس امر کا کوئی خیال نہ کیا کہ اپنی بیٹیاں مسلمانوں یا کافروں یا منافقوں کے نکاح میں دے دی جائیں، اس لئے عتیبہ پسران ابو لہب اور ابو العاص بن الربیع اور حضرت عثمانؓ بن عفان کو بیٹیاں دے دیں۔

(۲) یہ بات کوئی انوکھی نہیں کیونکہ فرعون کے گھر آسیہ مسلمان، اور حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں کافرہ تھیں۔

مخالفین کی طرف سے یہ دو غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں یا پیدا کی جا سکتی ہیں

اس لیے ان کا ازالہ ضروری ہے۔

(۱) حیات القلوب ۲ : ۷۱۸ ، ۷۱۹

از اں باشد کہ حق تعالیٰ حرام گرداند دختران دادن بکافراں باتفاق مخالفان حضرت زینبؓ را باابوالعاص تزویج نمود در مکہ وقتے کہ او کافر بود وہم چنیں رقیہؓ وام کلثومؓ بنابر میاں مخالفان بعتبہ وعتیبہ کہ پسران ابولہب بودند وکافر بودند تزویج نمودہ بود۔	پیشتر اس کے کہ کافروں کو لڑکی کا رشتہ دینا حرام قرار دیا گیا، مکہ میں حضرتؐ نے زینبؓ کا نکاح ابوالعاص بن الربیع سے کیا جبکہ وہ کافر مشہور تھا اور رقیہؓ اور ام کلثومؓ کا نکاح ابولہب کے بیٹوں سے کیا جب کہ کافروں سے لڑکی لینا، دینا حرام نہیں کیا گیا تھا۔
دوسری جگہ ومشہور آنست کہ دختران آں حضرتؐ چہار نفر بودند وہمہ از حضرت خدیجہؓ بوجود آمدند اول زینبؓ وحضرتؐ پیش از بعثت وحرام شدن دختر بکافراں دادن اورا بابی العاص بن الربیعؓ تزویج نمود۔	مشہور مذہب یہی ہے کہ آنحضرتؐ کی چار بیٹیاں تھیں اور چاروں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں، اول زینبؓ جس کا نکاح حضورؐ نے ابوالعاص سے اسوقت کیا، جب کافر کو لڑکی دینا قرار نہیں دیا گیا تھا۔

معلوم ہوا کہ حضورؐ نے عتبہ اور عتیبہ سے اپنی بیٹیوں کا نکاح اس وقت کیا جب کافروں کو بیٹی کا رشتہ دینے کی ممانعت کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ اور حکم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ حضورؐ کی بعثت اور نزول وحی کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے یہ نکاح ہوئے۔ اور حلال وحرام کی تعیین تو نزول وحی کی وجہ سے ہوئی پھر عتبہ اور عتیبہ سے جدائی بھی ہو گئی، رہا ابوالعاص اور حضرت عثمانؓ کا سوال تو حضرت زینبؓ ۸ھ میں فوت ہوئیں۔ اسی طرح ام کلثومؓ بھی ۹ھ میں فوت ہوئیں۔ ابتدائے وحی

بہت طویل عرصہ تک اپنے خاوندوں کے نکاح میں رہیں۔ اگر یہ دونوں کافر یا منافق تھے۔ تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قرآن مجید نے حکم دیا:

(۱) وَلاَ تُنکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا

(۲) وَلاَ تنکحوا المشرکٰت حتّٰی یؤمنّ

(۳) فلا ترجعوھن الی الکفار لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن

(۴) ولا تمسکوا بعصم الکوافر

یہ چار احکام بڑے واضح ہیں کہ مسلمان عورت مشرک کے نکاح میں مت دو۔ یہ حلال نہیں کہ مسلمان عورت کافر مرد کے نکاح میں رہے۔ کیا نبی کریمؐ نے ان احکام کا مفہوم نہیں سمجھا؟

اگر سمجھا تو ان پر عمل کیوں نہ کیا؟ کیا نبی، اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ کیا یہ شانِ نبوت کے منافی نہیں؟

اگر ابو العاص اور حضرت عثمانؓ کافر تھے تو نبیؐ نے اپنی بیٹیاں ان کے ہاں کیوں رہنے دیں۔ اللہ کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ اس الجھن کا حل صرف یہ ہے کہ:-

(۱) یہ تسلیم کرو کہ ابو العاص اور عثمانؓ مسلمان تھے اور سچے مسلمان تھے۔

(۲) یا یہ تسلیم کرو کہ نبی اللہ کا باغی ہوتا ہے۔

اگر پہلی بات تسلیم نہ کی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی دوسری کو صحیح تسلیم کرتا ہے، پھر اس کا اسلام سے تعلق کیا رہ جاتا ہے؟

اب ایک الجھن اور باقی رہ جاتی ہے کہ یہ کافر نہیں تھے، بلکہ منافق تھے یعنی ان کے دلوں میں کفر تھا اور زبان پر اسلام اور ایمان کا اقرار۔

اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے چند مقدمات قابل غور ہیں۔

(۱) کیا نکاح وطلاق کا تعلق دین سے ہے یا نہیں؟

اس کا جواب ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اسے دین کا حصہ نہ سمجھتا ہو۔

(۲) نکاح وطلاق جب دین ہی کا حصہ ہے اور دین میں حلال وحرام کی تمیز نہ کی جاتے تو دین میں فساد ہی فساد ہے۔ دین کہاں رہ جاتا ہے۔

(۳) کیا دین کے متعلق کوئی بات نبی اپنی خواہش سے کرتا ہے یا خدا کے حکم سے۔؟ جواب ظاہر ہے کہ وما ینطق عن الھوٰی ان ھوالاوحی یوحی

(۴) نکاح وطلاق دین کا ایک حصہ ہے، نبی دین میں ہر بات خدا کے حکم سے کرتا ہے تو نبی نے اپنی بیٹیوں کے نکاح خدا کے حکم سے کیئے۔

تفسیر مظہری ۲۷۲

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ ابیٰ ان اتزوج اوازوج الااھل الجنۃ۔	اور اللہ تعالیٰ کو قطعی طور ناپسند ہے کہ میں جنتیوں کے بغیر کسی سے نکاح کروں یا نکاح کر کے دوں۔

اور شرح فقہ اکبر ص۱۳۳

انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال لہٗ (عثمان) والذی نفسی بیدہ لو ان عندی مائۃ بنت یموتن واحدۃ بعد واحدۃ زوجتک اخریٰ ھذا جبرئیل اخبرنی ان اللہ یأمرنی ان ازوجکھا۔	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ سے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر میری ایک سو بیٹی ہوتی تو میں ایک کی موت کے بعد دوسری تیرے نکاح میں دیتا جاتا۔ یہ جبرائیل ہیں انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔

یہ بات اس وقت ہوئی جب حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضور اکرمؐ سے ام کلثومؓ کا رشتہ پوچھا تھا۔ یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی جہاں سے رشتہ لیتا ہے اور جہاں رشتہ دیتا ہے، وہ بذریعہ وحی بحکم خدا دیتا ہے۔

اصولی طور پر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کی ہر بات نبی خدا کے حکم سے بتاتا ہے حضرت عثمانؓ کے نکاح کے معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے ارشاد بھی فرما دیا اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں حضرتِ عثمانؓ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ معاذ اللہ! اگر حضرت عثمانؓ منافق تھے تو :۔

(۱) کیا علیم بذات الصدور اور عالم الغیب خدا کو علم نہیں تھا کہ عثمانؓ کے دل میں کھوٹ اور نفاق ہے۔

(۲) اگر علم تھا تو اپنے نبی کو حکم کیوں دیا۔ اگر نبی کریم از خود کرنے لگا تھا تو منع کیوں نہ کیا، جبرائیل کو بھیج کر نکاح کرنے کا حکم دینے کی بجائے نکاح سے منع کرنے کا حکم دینا چاہیئے تھا۔

(۳) اگر خدا کو عثمانؓ کے نفاق کا علم نہیں تھا، تو ایسے بے خبر خدا پر ایمان لانے کی ضرورت کیا ہے معلوم ہوا کہ علیم بذات الصدور اور عالم الغیب خدا کو علم تھا کہ عثمانؓ کامل الایمان اور سچا مسلمان ہے۔ اس لیے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح عثمانؓ سے کر دو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیّت کا اندازہ کیجیے کہ فرماتے ہیں، میری سو بیٹی ہوتی تو عثمانؓ کے نکاح میں دیتا جاتا، اگر پہلی زندہ نہ رہتی۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بات بھی بعید از عقل ہے کہ ایک طرف اپنے نبی کو حکم دے کر یا ایھا النّبی جاھد الکفّار و المنافقین و اغلظ علیھم اور دوسری طرف حکم دے منافق کو ایک بیٹی تو دی تھی اب دوسری بھی دو۔ اور رسول کریمؐ کے متعلق یہ امر بھی بعید از عقل ہے کہ اللہ کے حکم کی مطلق پرواہ نہ کریں، وہ جس سے جنگ کرنے کا حکم دے وہ اسے بیٹیاں دینے لگیں۔

تقابل کے لیے ایک نظیر ملاحظہ ہو۔ انوار النعمانیہ ۱: ۲۴۲

فان تتزوج فلا تزوجوہ	اگر کوئی دبے نشانہ مسلمانوں سے رشتہ مانگے تو اسے
وان مرض فلا تعودوہ	رشتہ نہ دو، اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی بیمار پرسی نہ کرو۔

مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ بے نماز کو رشتہ مت دو یہ حرام ہے اور بے نماز بہت بڑا گنہگار سہی پھر بھی مسلمان تو ہے۔ مگر نبی کو حکم دیا جاتا ہے کہ منافق کو بیٹی دے۔

پس معلوم ہوا کہ نہ خدا بے خبر ہے نہ رسول اس کا نافرمان ہے نہ عثمانؓ منافق ہے، بلکہ ؎

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

رہا فرعون اور آسیہ کا معاملہ۔ تو اس میں چند امور قابل غور ہیں۔

(۱) جب ساحرین فرعون کو حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ تو وہ فوراً ایمان لے آئے۔ آسیہ نے شکست ساحرین کے بعد ایمان کا اظہار کیا۔ وہ بھی فوری طور پہ ایمان لائی۔

(۲) آسیہ کا ایمان اجمالی تھا، کیونکہ توریت تو غرق فرعون کے بعد نازل ہوئی۔

(۳) آسیہ نے جب ایمان کا اعلان کیا تو فرعون نے اسے قتل کر دیا۔

(۴) موسوی شریعت اور تھی محمدی شریعت اور ہے۔

لہٰذا اس سلسلے میں فرعون اور آسیہ کو نظیر بنانا محض تکلف بے جا ہے زوجہ نوحؑ اور زوجہ لوطؑ کے متعلق دو امور قابل توجہ ہیں۔

(۱) ان کی شریعت جدا تھی۔

(۲) ان کی بیویاں قوم کے ساتھ ہلاک ہو گئیں۔

لہٰذا ان کو نظیر بنانا بے محل اور بے معنی ہے۔

حضرت لوطؑ کے متعلق مفسرین نے وضاحت کی ہے۔

قال یقوم هٰؤلاءِ نباتی هن اطهر لكم وكان فی امته یجوز تزویج الكافر بالمسلمة فان تزویج المسلمات من الكفار كان جائزا۔	یہ میری لڑکیاں ہیں تمہارے لیے پاکیزہ ہیں اور حضرت لوطؑ کی شریعت میں کفار کا نکاح مسلمانوں سے جائز تھا۔

وقال مجاهد و سعید بن جبیر	اور مجاہدؒ اور سعید بن جبیر کہتے ہیں
اراد نساء قومہ واضافہن	کہ اس لفظ سے حضرت لوطؑ کی مراد
الیٰ نفسہ لان کل نبی	اپنی قوم کی لڑکیاں تھیں اپنی
ابو امتہ من حیث	طرف اس لیے نسبت کی کہ نبی
الشفقۃ والتربیۃ و	اپنی قوم کے لیے باعتبار شفقت
ھذا القول اولی لان	اور تربیت کے بمنزلہ باپ ہوتا
اقدام الانسان علی	ہے اور یہ قول افضل ہے کیونکہ
عرض بناتہ علی الاوباش	کوئی انسان گوارا نہیں کرتا کہ اپنی بیٹی
والفجار مستبعد لا یلیق	کسی اوباش اور فاسق فاجر کو دے تو
لاھل المروۃ فکیف بالانبیاء	جو بات اہل مروت کے ہاں معیوب ہو وہ
وایضا بناتہ لا تکفی	بھلا نبی کو کیسے زیب دیتی ہے اور لوطؑ
الجمع العظیم امابنات	بھلا اپنی دو بیٹیاں ساری قوم کو کیسے
امتہ ففیہن کفایۃ لکل۔	پیش کر سکتے تھے، لہذا بنات امت
(تفسیر جمل)	ہی مراد ہے ۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ :۔

(۱) حضرت لوطؑ کی شریعت میں کافر اور مومن کا نکاح جائز تھا۔

(۲) اس کے باوجود حضرت لوطؑ نے اپنی بیٹیوں کے متعلق نہیں فرمایا تھا۔

(۳) امت کی عورتیں نبی کی بیٹیاں ہی سمجھی جاتی ہیں ۔

اس لئے حضرت عثمانؓ کے نکاح کے سلسلے میں حضرت لوطؑ کی نظیر بے محل اور تکلف محض ہے۔

اب ایک جاہلانہ اعتراض بھی بیان کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید سے کیسے جائز ہے۔ رسول کی بیٹیاں تو سید زادیاں ہوئیں۔ اس کے جواب میں کہہ دینا کافی ہے کہ سید کا اطلاق حسنینؑ کی اولاد پر کیا جاتا ہے گو یہ تحقیقی مسئلہ نہیں پھر بھی اگر اسے درست تسلیم کیا

جائے تو حضرت علیؓ کو سید کیسے کہیں گے۔

(حیات القلوب ۲: ۴۵)

و اکثر گویند کہ بنا بر احتمالات کہ مذکور شد می باید کہ حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام داخل عترت نباشد. جواب میگوئم کسے کہ عترت را مخصوص باولاد او می داند شیعہ می گویند کہ حضرت امیر المومنینؑ ہر چند کہ ظاہر لفظ عترت آنحضرت را شامل نیست اما پدر عترت است و بہتر۔

اور اکثر لوگ کہتے ہیں کہ مذکور شدہ احتمالات کی وجہ سے امیر المومنین عترت یعنی اہل بیت یعنی سادات میں داخل نہیں۔ میں جواب میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص سادات کو امیر المومنینؑ کی اولاد کے ساتھ مخصوص کرتا ہے تو شیعہ کہتے ہیں کہ اگرچہ امیر المومنین کو ظاہر لفظ کے اعتبار سے سادات میں شمار نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ سادات کے والد ہیں اور ان سے بہتر ہیں۔

بات صاف ہو گئی کہ حضرت علیؓ درحقیقت سید نہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ غیر سید سیدوں سے افضل ہے لہذا اس کو بیٹی دینا بھی افضل ٹھہرا۔ اگر خود حضرت علیؓ سید ہیں تو ان کے تمام بھائی اور ان کی تمام اولاد پر سید کے لفظ کا اطلاق درست ہے ان کو سید کیوں نہ کہا جائے؟ اور

انوار النعمانیہ ۱: ۱۲۵

اما اولادہ فہم سبعۃ عشر ولد ذکر او انثی

حضرت علیؓ کی اولاد ۲۷ لڑکے لڑکیاں ہیں (۱۸ لڑکے اور ۹ لڑکیاں)

اگر حضرت علیؓ کو سید کہا جائے، تو ان کے بچوں کو سید زادے اور سید زادیاں کیوں نہ کہا جائے۔ صرف حسنینؓ اور ان کی اولاد کو ہی سید کیوں کہا جائے۔

آخر میں حضرت عثمانؓ کے متعلق حضرت علیؓ کی رائے کا ذکر کر دیتا ہوں:

(نہج البلاغہ ۱: ۳۲۳)

نلت من صهره ما لم ينالا.

رائے عثمانؓ، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ دامادی کی وجہ سے اس بلندی مرتبہ کو پہنچا جہاں صدیقؓ فاروقؓ نہ پہنچے۔

اُمِ کلثومؓ

اہل بیت رسولؐ میں کانٹ چھانٹ کا سلسلہ ازواج مطہرات سے شروع ہو کر بناتِ رسولؐ پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اور آگے چلتا ہے چنانچہ اسی عادت کے تحت یار لوگوں نے حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت علیؓ کی بیٹی ام کلثوم کے وجود کا بھی انکار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ تاریخ اس حقیقت کا ساتھ نہیں دیتی، بلکہ حضرت عمرؓ کا حضرت علی کا داماد بن جانا محبانِ اہلِ بیت کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ایسے واقعات پر غور کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اس کے متعلق کوئی روایت ملتی ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ وہ امر واقعہ ہے یا تاریخی حقیقت ہے یا نہیں علمائے اصول پہلے کو روایت دوسرے کو درایت کہتے ہیں۔ اس غور و فکر کے بعد نتیجہ پر پہنچنے کی اصولی صورت یہ ہے۔ اگر کوئی روایت مخالف واقعہ اور درایت آجائے تو قبول نہ ہوگی۔ اس اصول کے اطلاق کے سلسلہ میں رسالہ اعتقادیہ شیخ صدوق کے مقدمہ میں شیخ مفید کے مناقب کے سلسلے میں ایک مناظرہ کے حالات درج ہیں۔ کہ بغداد میں شیخ مفید نے قاضی عبدالجبار معتزلی پر اعتراض کیا تھا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے خلافت علی ثابت ہوتی ہے۔ تو قاضی عبدالجبار نے جواب دیا کہ یہ ایک روایت ہے۔ اور خلافت صدیقی امر واقعہ، تاریخی حقیقت اور درایت ہے اور درایت کے مقابلہ میں روایت قابل قبول نہیں، اسی قسم کا ایک مناظرہ قاضی ابو بکر باقلانی کا بھی ملتا ہے اس میں یہی جواب دیا گیا۔ مگر قاضی عبدالجبار کے جواب پر شیخ مفید نے سوال کیا کہ جنگ جمل اور صفین میں امام حق حضرت علیؓ کے مقابلے میں جو لوگ تھے ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے تو قاضی عبدالجبار نے جواب دیا کہ ان کی آخر صلح ہو گئی اور ہر فریق اپنے کئے پر تائب ہو گیا۔ تو شیخ مفید نے کہا قاضی صاحب! جنگ جمل وصفین درایت ہے اور توبہ یا صلح روایت ہے لہذا درایت کے مقابلہ میں روایت

کو کیسے قبول کیا جائے گا۔ اس پر قاضی عبد الجبار خاموش ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روایت جو مقابلہ درایت آتی ہے وہ دو طرح کی ہوتی ہے اول یہ کہ اس واقعہ یا درایت کی تکذیب کرتی ہو وہ روایت ناقابل قبول ہو گی دوم یہ کہ روایت کا تعلق صاحب واقعہ یا صاحب درایت سے ہو۔ وہ قابلِ قبول ہے اس واقعہ میں صلح کا تعلق جنگ سے نہیں، بلکہ فریقین سے ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان کے حالات کیسے گزرے تو روایت نے بتا دیا کہ ان میں صلح ہو گئی تھی، لہٰذا اس روایت نے واقعہ کی تصدیق کر دی۔ اور ظاہر ہے کہ صلح ہمیشہ بعد جنگ ہوتی ہے۔

اسی طرح ام کلثوم دختر فاطمہؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے ہونا واقعہ اور درایت ہے لہٰذا جو روایت اس کی تکذیب کرے وہ مردود ہے۔

علمائے شیعہ میں سے مؤرخ شہیر عباس قلی خان سپہر۔ نے طراز المذہب مظفری جسے ناسخ التواریخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ۱ : ۶۰ طبع تہران ۱۳۴۶ھ میں اختلاف نکاح ام کلثوم پیش کر کے اسے مختلف فیہ قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ دلیل یہ دی ہے کہ :-

(۱) بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علی نے خود ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کیا۔

(۲) بعض میں آتا ہے کہ حضرت عباس کو اس کا اختیار دیا۔

(۳) بعض میں آتا ہے کہ ذلك فرج غصبناه (معاذ اللہ)

(۴) بعض میں آتا ہے کہ ام کلثومؓ کے نکاح میں مہر ۴۰ ہزار درہم باندھا گیا۔

(۵) بعض میں آتا ہے کہ ۴ ہزار مقرر ہوا۔

(۶) بعض میں آتا ہے کہ ۵۰۰ مقرر ہوا۔

(۷) بعض میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ۴۰ ہزار دینا چاہا تو جواب ملا کہ مہر کی رقم والدہ کے مہر سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

(۸) بعض کہتے ہیں کہ ام کلثوم سے حضرت عمر کا بیٹا زید پیدا ہوا اور دونوں ماں بیٹا اکٹھے مر گئے۔

(۹) بعض کہتے ہیں کہ بیٹا۔ زید زندہ رہا۔
(۱۰) بعض کہتے ہیں زندہ اولاد کوئی نہیں ہوئی۔

ان اختلافات پر غور کرنے سے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یقیناً نکاح ہوا ۱ سے ۳ تک نکاح کی صورت میں اختلاف ہے۔ نکاح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ۴ سے ۷ تک مہر کی رقم میں اختلاف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مہر اسی وقت مقرر ہوتا ہے جب نکاح ہو لہٰذا یہ اختلاف بھی نکاح ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ ۸ سے ۱۰ تک بیٹے کے زندہ پیدا ہونے یا زندہ رہنے میں اختلاف ہے۔ پیدا ہونے میں کوئی اختلاف نہیں لہٰذا یہ اختلاف بھی نکاح ہونے کی مزید تصدیق کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہُوا کہ عباس قلی کے بیان کردہ اختلافات سے یہ نتیجہ نکلا کہ یقیناً نکاح ہُوا۔ مہر بھی مقرر ہوا اور بیٹا بھی پیدا ہوا۔ یہاں تک تو صرف اصولی بحث تھی۔ اب تاریخی شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

ثبوتِ نکاحِ اُمِّ کلثوم

(۱) طراز المذہب ۱: ۵۷

"وخود دریں جا گویند و توضیح کنند کہ ام کلثومؑ دختر امیر المومنین علیہ السلام ...... و او از بطن مطہر حضرت صدیقہ کبریٰ فاطمہ الزہرا صلوات اللہ علیہا است کہ عمر بن الخطاب محض برائے شرف و بقائے پیوند بایں وصلت مبادرت نمود۔"

"اور خود اس جگہ وضاحت کرتے ہیں کہ ام کلثوم دختر حضرت علی ..... فاطمۃ الزہرا کے بطن سے پیدا ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اہل بیت سے تعلق کرنے اور شرف حاصل کرنے کے لیے ان سے نکاح کیا۔"

(۲) طراز المذہب ص ۵۸

" در ذیل اسامی بنات مکرمات امیر المومنین علی علیہ السلام گوید۔ جناب ام کلثوم کبری دختر فاطمۃ الزہراء علیہا السلام در سرائے عمر بن الخطاب بود واز وے فرزندے بیاوردہ چنانچہ مذکور شد وچوں عمر مقتول شد محمد بن جعفر بن ابی طالب اورا در تحت نکاح آوردہ بعد از وفات محمد۔ عون بن جعفر بن ابی طالب آنحضرت را تزویج نمود"۔

" حضرت علیؓ کی بیٹیوں کے نام کے بیان میں :۔ جناب ام کلثوم دختر حضرت فاطمہؓ، حضرت عمر کے نکاح میں تھی۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ جب حضرت عمر شہید ہو گئے۔ وہ محمد بن جعفر کے عقد میں آئی۔ اور محمد بن جعفر کی وفات کے بعد عون بن جعفر بن ابی طالب سے ان کا نکاح ہوا"۔

(۳) طراز المذہب ص ۱: ۶۵

می گوید در خبر صحیح است کہ عمر بن الخطاب جناب ام کلثوم دختر فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا را از پدرش امیر المؤمنین از بہر خویشتن خواستگاری کرد۔

" صحیح روایت میں ہے عمر بن خطاب نے ام کلثوم دختر فاطمۃ الزہراء کے لیے ان کے باپ امیر المومنین حضرت علیؓ سے خواستگاری کی"۔

(۴) منتہی الآمال علامہ عباس قمی شیعہ طبع جدید ۱ : ۱۸۶

وزینت صغری است کہ مکناۃ است بام کلثوم و مادر ایشاں حضرت فاطمۃ الزہراؑ سیدۃ النساء است واما ام کلثوم حکایت تزویج او با عمر در کتب مسطور است و بعد از او ضجیع عون بن جعفر واز پس زوجہ محمدؓ بن جعفر گشت"۔

" ام کلثوم دختر فاطمۃ الزہراء کے حضرتِ عمر کے ساتھ نکاح کے حالات کتابوں میں درج ہیں۔ اس کے بعد عون بن جعفر اور ان کے بعد محمد بن جعفر

سے ان کا نکاح ہوا۔

(۵) مناقب آل ابی طالب۔ شیخ ابوجعفر رشید الدین محمد بن علی بن شہر بن آشوب متوفی ۵۸۸ھ طبع جدید مطبع قم ۳ : ۳۰۴ پر اولاد علی کے اعداد و شمار دیئے گئے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے کتنے بچے پیدا ہوئے۔

(۶) طراز المذہب ۱ : ۵۸

ام کلثوم دختر علی ابن ابی طالب علیہ السلام را مادرش فاطمہ الزہرا دختر رسول خدا علیہ السلام است تزویج نمود چہل ہزار درہم درصداقش مقرر داشت واز وے رقیہ و زید بدید گشت۔"

"حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم کی والدہ حضرت فاطمہ دختر رسولؐ خدا تھیں۔ ان کے نکاح کا مہر ۴ ہزار درہم مقرر ہوا اور ان کے بطن سے رقیہ اور زید پیدا ہوئے۔"

ان اقتباسات سے ثابت ہوتا ہے کہ :

ا :- ام کلثوم حضرت علی کی بیٹی تھی۔

ب :- ام کلثوم کی والدہ حضرت فاطمہ تھیں۔

ج :- ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے ہوا۔

د :- ام کلثوم کے بطن سے حضرت عمر کا بیٹا زید پیدا ہوا۔

مذہبی تعصب کی بنا پر حقائق پر جس قدر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے یہ حقیقت چھپ نہیں سکتی کہ علمائے انساب ان رشتوں کو مذہبی تعصب کی عینک سے نہیں دیکھتے بلکہ تاریخی حقائق کے طور پر اقوام و افراد کے باہمی تعلق کی بنا پر لکھتے ہیں تمام علمائے انساب نے یہ لکھا ہے کہ ام کلثوم حضرت علیؓ کی بیٹی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھی اور حضرت عمرؓ سے اس کا نکاح ہوا۔

بھانت بھانت کی بولیاں

(۱) ام کلثوم دختر علی تھی، دختر فاطمہ نہ تھی۔

گزشتہ اوراق میں شہادتیں پیش کی جا چکی ہیں کہ جس ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے ہوا وہ دختر فاطمہؓ تھی۔ دختر فاطمہؓ ہونے کا انکار اور دختر علی ہونے کے اعتراف سے ظاہر ہوتا ہے کہ فضیلت کا تعلق حضرت فاطمہؓ کی ذات سے ہے۔ حضرت علیؓ سے نہیں۔ کیا شیعہ کے نزدیک حضرت علیؓ کی بیٹی ہونا ایک عام آدمی کی بیٹی ہونے کے برابر ہے؟ کہ درخور اعتناء ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد امامہ بنت ابی العاص اور بنت زینبؓ سے ہوئی۔ کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی۔

منتہی الآمال شیخ عباس قمی ۱ : ۱۸۸

بعد وفات فاطمہؓ بنا بر وصیت آنحضرت امامہ دختر خواہراں مخدومہ را تزویج کرد و تزویج امامہ از پس ۳ شب واقع شد۔

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ امامہ سے حضرت علی کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد اوسط تھا۔

"محمد اوسط کہ مادر او امامہ دختر زینبؓ دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بود"

یعنی امامہ سے لڑکا پیدا ہوا لڑکی کوئی نہیں۔ ہاں اس جگہ شیخ عباس نے زینبؓ کا دختر رسولؐ ہونا تسلیم کر لیا۔

ہاں حضرت علیؓ کی دوسری لڑکی ام کلثوم صغریٰ بھی تھی جیسا کہ

مناقب شہر بن آشوب ۳ : ۳۰۴

وولد من ام سعید بنت عروۃ بن مسعود الثقفی	حضرت علی کی بیٹی نفیسہ کی ماں ام سعید تھی اور اس نفیسہ کی کنیت ام کلثوم

نفسیہ وزوج ام کلثوم
صغری من کثیر بن عباس بن صغریٰ تھی ۔
عبد المطلب ۔

منتھی آلامال ۱ : ۱۸۷ شیخ عباس قمی شیعی ۔

" ونقل شدکہ نفیسہ مکناۃ بام کلثوم صغری بودہ وکثیر بن عباس بن عبد المطلب اورا تزوتج نمود "

انوار النعمانیہ ۔ سید نعمت اللہ محدث الجزائری طبع قدیم ۱ : ۱۲۵
و نفسیہ و ھی ام کلثوم الصغریٰ واما نفسیہ فکانت
عبد اللہ اکبر بن عقیل ۔

ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ کی دوسری بیوی ام سعید سے نفیسہ پیدا ہوئی اور اسی نفیسہ کی کنیت ام کلثوم صغریٰ ہے ۔ اس کا نکاح کثیر بن عباس سے ہوا ۔ یا بقول سید نعمت اللہ عبد اللہ اکبر بن عقیل سے ہوا ۔ بہر حال حضرت عمرؓ سے نہیں ہوا ۔ جس ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے ہوا وہ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھی ۔ لہذا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا کہ جس ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے ہوا، وہ دختر فاطمہؓ نہیں تھی ۔

(۲) ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئی وہ صدیق اکبر کی بیٹی تھی

کہا جاتا ہے کہ ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد ان کی بیوی اسماء بنت عمیس کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا ۔ یہ ام کلثوم اپنی ماں اسماء بنت عمیس کے ہمراہ حضرت علیؓ کے ہاں آئی اور یہیں پرورش پائی ۔

اس بے بنیاد دعویٰ کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اسماء بنت عمیس پہلے جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں آئی اور اس سے جعفر کے تین بیٹے پیدا ہوئے عبد اللہ محمد اور عون ۔ پھر جب حضرت صدیق اکبر کے نکاح میں آئی تو محمد بن ابی بکر پیدا

ہوا۔ اسی محمد کو لیکر اسماء بنت عمیس حضرت علیؓ کے گھر آئی۔ پھر اس کے بطن سے حضرت علیؓ کا بیٹا یحییٰ پیدا ہوا۔ اسماء کی کوئی لڑکی پیدا ہی نہیں ہوا۔ جیسا کہ:-

منتھی آلامال ۱ : ۸۷۔ یحییٰ مادر او اسماء بنت عمیس است۔

انوار نعمانیہ ۲ : ۱۲۵

"یحییٰ۔ امه اسماء بنت عمیس و توفی صغیرا قبل ابیه واخوته لامه عبدالله و محمد وعون ابناء جعفر بن ابی طالب وقبل محمد بن ابی بکر۔

محدث الجزائری نے تصریح کر دی کہ اسماء بنت عمیس سے تین بیٹے حضرت جعفر کے ہوئے۔ ایک بیٹا ابوبکر صدیق کا ہوا اور ایک بیٹا حضرت علیؓ کا ہوا۔ اور تینوں خاوندوں سے کوئی لڑکی سرے سے پیدا ہی نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس دعویٰ کی کوئی بنیاد نہیں کہ ام کلثوم حضرت ابوبکر کی بیٹی تھی۔

(۳) کہا جاتا ہے "کہ ام کلثوم زوجہ عمر فاروق اوائل زمانۂ خلافت معاویہ میں قریباً ۵۰ھ میں فوت ہوگئی اور اکثر کتب میں موجود ہے کہ ام کلثوم کربلا، شام اور کوفہ میں ہمراہ قافلہ موجود تھی تو کیا دوبارہ زندہ ہو کر پھر کربلا گئی اور ۵۰ھ میں پھر مر گئی"۔

"اکثر کتب میں موجود ہے" کہہ کر اپنی بے وزن بات میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاریخ کی ایک ہی کتاب کو دیکھ لیا ہوتا۔ جسے آپ کے ہاں ناسخ التواریخ کہا جاتا ہے۔ اس میں (۱ : ۵۲) پر موجود ہے۔

"وازیں اخبار معلوم می شود کہ ام کلثوم بنت علی علیہ السلام کہ در یوم الکلف وسفر شام با اھل بیت خیر الانام بود از بطن صدیقہ طاہرہ نیست بلکہ ہماں ام کلثوم صغریٰ است کہ مادرش ام سعید بنت عروہ بن مسعود الثقفی است وہم آں روایت کہ آوردہ اند کہ بعد از ہلاکت عمر ام کلثوم را امیر المومنین علیہ السلام بسرائے خود آورد و دیگر اشارت نکردہ اند۔ مؤید ہمیں است

کہ در زمان امام حسن علیہ السلام وفات یافت"۔

"ان اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ام کلثوم بنت علی کربلا اور سفر شام میں قافلہ کے ہمراہ تھی وہ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے نہیں تھی بلکہ یہ وہی ام کلثوم صغریٰ ہے جس کی ماں ام سعید بن عروہ ہے اور نیز ان روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ام کلثوم کو حضرت علیؓ اپنے گھر لے آئے بھی اس کی مؤید ہے کہ امام حسنؓ کے زمانے میں وفات پائی"۔

"پھر یہی صاحب ناسخ التواریخ ۱: ۵۳ پر لکھتا ہے کہ ایک مورخ لکھتا ہے کہ ام کلثوم را در مجلس یزید بدید۔ مگر دوسری طرف حال یہ ہے کہ نویسندہ در جاے دیگر بطورے بایں داستان لب می کشاید کہ حضرت ام کلثوم زوجہ عمر دریں مجلس حضور نداشتہ است"۔

یہ ہے "اکثر کتب" کا حال کہ خود ہی دعویٰ کیا اور خود ہی تردید کر دی۔

پھر اسی طراز المذہب یعنی ناسخ التواریخ ۱: ۵۹ پر

"وازیں جملہ اخبار معلوم میگردد کہ جناب ام کلثوم کہ در کربلا و شام حضور یافتہ ام کلثوم صغریٰ زوجہ عبداللہ الاصغر بن عقیل است"۔

"ان روایات سے ظاہر ہے کہ جو ام کلثوم کربلا اور شام میں موجود تھی وہ ام کلثوم صغریٰ زوجہ عبداللہ الاصغر بن عقیل ہے"۔

غالباً اب تو بات سمجھ میں آگئی ہو گی کہ ۵۰ھ میں مرنے والی ام کلثوم دوبارہ زندہ ہو کر قافلہ کربلا کے ساتھ نہیں گئی تھی، بلکہ دوسری ام کلثوم تھی جو اس وقت بقید حیات تھی۔

(۴) حضرت عمر کا نکاح ایک جنّنی سے ہوا ام کلثوم دختر فاطمہؓ سے نہیں ہوا

انوار نعمانیہ ۱: ۲۵

جب حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ مجھے اجازت دے دیں کہ ام کلثوم

کانکاح حضرت عمرؓ سے کردوں تو

فلمارای امیر المؤمنین مشقة
کلام الرجل علی العباس وانه
سیفعل معه ما قال ارسل الی
جنیته من اهل النجران یهودیة
یقال لها سخیفه بنت حریزیه
فامرها فتمثلت فی مثال ام کلثوم
وحجبت الابصار عن ام کلثوم
وبعث بها الی الرجل فلم تزل
عنده حتی انه استراب بها
یوما وقال ما فی الارض سحر
اهل بیت اسحر من بنی هاشم
ثم اراد ان یظهر للناس فقتل
واخذت المیراث وانصرفت
الی نجران واظهر امیر المؤمنین
ام کلثوم فاقول وعلی هذا
فحدیث اول خرج غضبنا ه
محمول علی التقیة او الاتقاء
من عوام الشیعة کمالا
یخفی ۔

جب حضرت علی نے عباس پر حضرت عمرؓ کی سخت
کلامی دیکھی اور سمجھا کہ عمرؓ وہ کر گزریں گے جو کہہ رہے
ہیں تو نجران کی ایک یہودی جنی کیطرف نجران
میں آدمی بھیجا جنی کا نام سحیفہ تھا حضرت علیؓ نے
جنی کو حکم دیا اور اس نے ام کلثوم کی شکل اختیار
کر لی اور ام کلثوم کو چھپا دیا اور اس جنی کو حضرت
عمرؓ کی طرف بھیج دیا گیا۔ اور وہ ہمیشہ عمر کے پاس
رہی حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کو ایک روز شک پڑ
گیا اور فرمایا زمین پر بنی ہاشم سے بڑا کوئی
جادوگر نہیں پھر ارادہ کیا کہ حقیقت ظاہر
کر دیں مگر قتل کر دیئے گئے اور وہ جنی
میراث لے کر نجران چلی گئی ۔ اور حضرت
علی نے ام کلثوم کو ظاہر کر دیا۔ میں کہتا
ہوں اس بات پر کہ حدیث پہلی فرج
جو ہم سے غضب کی گئی تقیہ پر
محمول ہوگی یا عوام شیعہ سے بچنے
کے لیے ہوگی ۔

⁂

پھر ناسخ التواریخ ۱: ۶۰

ایں اخبار با حکایت جنیہ منافات ندارد
چہ ایں حکایت است مکتوم کہ جز بخواص

یہ روایات جنی کی حکایت سے کوئی منافات
نہیں رکھتیں کیونکہ یہ حکایت سوائے
خواص کے کسی کو معلوم نہیں تھی اور

خویش معلوم نداشتہ اند و معنی آیت حدیث چنیں است کہ غصبنا ہ ظاھرا"

اس حدیث کے معنی یوں ہوں گے بظاہر جو غصب کی گئی۔

مگر اس ضمن میں اصول کافی میں یہ ملتا ہے کہ

العباس سالہ (علی) ان یجعل الامر الیہ فجعلہ الیہ

حضرت عباس نے کہا حضرت علیؓ سے کہا کہ یہ معاملہ میرے سپرد کر دیں اور حضرت علی نے حضرت عباس کو اختیار دے دیا۔

⁂

یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں:۔

(۱) کیا اصول کافی مستند اور معتبر ہے یا انوار نعمانیہ؟

(۲) اگر اصول کافی کے متعلق شیعہ کا عقیدہ وہی ہے کہ ھذا کاف لشیعتنا تو حضرت علیؓ نے حضرت عباس کو جو اختیار دیا تھا اس کا تعلق اپنی بیٹی ام کلثوم سے تھا یا یہودی جنیہ سے تھا؟

(۳) انوار نعمانیہ میں جو ارسل لکھا ہے حضرت علیؓ نے کس کو بھیجا تھا۔

(۴) کیا اسکو اصل شکل میں جنی نظر آئی؟ اصل شکل میں کیسے نظر آیا کیونکہ روایت کے مطابق اس نے حضرت علیؓ کے پاس آنے کے بعد ام کلثوم کی شکل اختیار کی؟

(۵) وہ جنی نکاح کے بغیر حضرت کے پاس بھیج دی گئی۔

(۶) سات سال حضرت عمرؓ کے پاس رہی دو بچے زید اور رقیہ پیدا ہوئے تو اتنی مدت تک ام کلثوم کہاں رہی؟

(۷) کیا حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی کو ایسی قید تنہائی میں رکھا کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے کہ ایک ام کلثوم حضرت عمرؓ کے پاس ہے اور ایک حضرت علیؓ کے گھر میں۔

(۸) اور یہ جو لکھا ہے کہ و لما مات عمر اتی علی ام کلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بہا تو کیا حضرت علیؓ جنی کو گھر لے گئے۔

(۹) مگر انوار نعمانیہ میں ہے کہ جنی میراث لے کر نجران چلی گئی۔ یہ کیا معمہ ہے؟

(۱۰) جنی سے شریعت میں نکاح حرام ہے۔ اگر حضرت علیؓ نے نکاح کیا تو فعل

حرام کے مرتکب ہوتے اور بغیر نکاح کے بھیجی تب بھی فعل حرام کا ارتکاب کیا۔

(۱۱) اصل ام کلثوم سات سال تک تو کہیں چھپائے رکھی اس کے بعد کی اس کی زندگی پہ بھی کوئی روشنی ڈالی جاتے۔

(۱۲) صاحب طراز المذہب (۱: ۵۹) پر لکھتا ہے۔ وتمسک باذیال جنیتہ یہودیہ چنداں وجوب ندارد۔ یعنی جنّی کا واقعہ ہی سرے سے بناوٹی ہے۔

(۱۳) اگر یہ واقعہ درست ہے تو حضرت علیؓ جیسا بزدل اور کسے ظاہر کیا گیا ہے۔

(۱۴) صاحب طراز آگے ص۶۰ پر لکھتا ہے کہ جنّی کا واقعہ اور اول فرج غصباہ میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ظاہر میں تو واقعی بجبر ام کلثوم سے نکاح پڑھایا گیا اور جنّی کا واقعہ خواص کے بغیر کسی کو معلوم نہیں اور ہم تو ظاہر کے مکلف ہیں۔

(۱۵) انوار نعمانیہ کا موقف یہ ہے کہ اول فرج غصبنا محمول علی التقیہ او الاتقاء عن عوام الشیعة۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی رضامندی سے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کیا مگر شیعہ کے ڈر سے تقیہ کر کے کہہ دیا کہ غصبناہ۔ کیا شیر خدا کے ساتھ اس کردار کا کوئی جوڑ ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضرت علیؓ نے اپنی خوشی سے حضرت عمرؓ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا کیونکہ ہم مذہب جو تھے مگر شیعوں کے ڈر سے تقیہ کر کے کہہ دیا کہ جبراً مجھ سے نکاح کرایا گیا ہے۔

حقیقت کے اعتبار سے اس بیان شدہ واقعہ پر غور کیا جائے تو یہ ایک ایسا گورکھ دھندا ہے کہ جتنا سوچو معمہ در معمہ بنتا چلا جاتا ہے مگر اللہ جزائے خیر دے۔ سید نعمت اللہ محدث الجزائری کو کہ اس عقدے کا حل بتا دیا۔

وانما الاشکال فی تزویج علی علیہ السلام ام کلثوم لعمر بن الخطاب وقت تخلفہ لانہ قد ظہرت منہ المناکیر وارتد

حضرت عمرؓ کے خلافت کے وقت حضرت علیؓ کا ام کلثوم کو حضرت عمرؓ کے نکاح میں دے دینے میں اشکال ہے کیونکہ خلافت کے وقت حضرت عمرؓ سے بڑی برائیاں ظاہر

عن الدين ارتدادا اعظم
من كل ارتداد فاذا ارتد
على هذا النحو من الارتداد
فكيف ساغ فى الشيعة مناكحة
وقد حرم الله تعالىٰ نكاح اهل
الكفر والارتداد واتفق عليه
علماء الخاصة فنقول قد تفصى
الاصحاب عن هذا بوجهين
الاول فقد استفاض فى اخبارهم
عن الصادق عليه السلام لما سئل
عن هذه المناكحة فقال انه اول
فرج غصبناه وتفصيل هذا ان
الخلافة قد كانت اعز على
امير المومنين عليه السلام
من الاولاد والبنات والازواج
والاموال وذلك ان بها نظام
الدين واتمام السنة ورفع
الجور واحياء الحق وموت
الباطل وجميع فوائد الدنيا
والاخرة فاذا لم يقدر على الدفع
عن مثل هذا الامر الجليل
الذى ما تمكن من الدفع
عنه ....

ہوئیں۔ اور دین سے ایسے پھر گئے
تھے کہ اس سے بڑا کوئی ارتداد نہیں۔
پس ایسے مرتد سے شریعت میں نکاح
کیسے جائز ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کافر
اور مرتد سے نکاح حرام کیا ہے اور اس
پر شیعہ علماء کا اتفاق ہے ہم کہتے ہیں کہ
علمائے شیعہ نے اس اعتراض سے دو
طرح جان چھڑائی ہے پہلی یہ کہ شیعہ روایات
سے ظاہر ہے کہ جب امام جعفر سے پوچھا گیا
اس نکاح کے متعلق تو جواب دیا کہ یہ پہلا
فرج ہے جو ہم سے غصب کیا گیا تفصیل
اس کی یہ ہے کہ خلافت، حضرت علیؓ کو
اپنی اولاد بیٹیوں، بیویوں اور مال
سے زیادہ محبوب تھی۔ کیوں کہ خلافت
سے دین کا نظام قائم ہوتا ہے
اتمام سنت ہے۔ دفع ظلم
احیائے حق اور باطل کی موت
ہوتی ہے۔ اور تمام دینی اور
دنیوی فوائد اسی سے وابستہ ہیں
پس جب حضرت علیؓ کو قدرت نہ تھی
کہ عمر کو خلافت سے باز رکھیں۔

والتقية باب فتحه الله سبحانه للعباد وامرهم بارتكابه والزمهم به كما اوجب عليهم الصلوٰة والصيام حتى انه ورد من الائمة الطاهرين عليهم السلام لا دين لمن لا تقية له نقبل عذره عليه السلام فى مثل هذا الامر الجزئ -

واما الشبهة الى اوردة على هذا وهى انه يلزم ان يكون عمر زانيا فى ذلك النكاح وهو مما لا يقبله العقل بالنظر الى ام كلثوم فالجواب عنها من وجهين احدهما ان ام كلثوم لاحرج عليها فى مثله لاظاهرا ولا واقعا وهو ظاهر واما هو (عمر) فليس بزان فى ظاهر الشرع لانه دخول مترتب على عقد باذن الولى الشرعى واما فى الواقع وفى نفس الامر فعليه عذاب الزانى بل عذاب كل اهل المساوى والقبائح الثانى (فى القطعى) ان الحال لما ال الى ما ذكرنا من التقية فيجوز ان يكون

تقیہ ایسا باب ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے کھول دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تقیہ اختیار کریں۔ اور تقیہ کو ایسا ہی واجب کر دیا ہے جیسے نماز اور روزہ یہاں تک کہ آئمہ طاہرین سے روایت ہے کہ جس نے تقیہ نہ کیا اس کا کوئی دین ہی نہیں لہذا حضرت علیؓ کا عذر بھی اس جزئی امر میں قبول کیا گیا۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ لازم آئے گا۔ کہ عمرؓ زانی ہو۔ اور ام کلثوم کے بارے میں عقل اسے قبول نہیں کرتی اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ اس نکاح میں ام کلثوم پر اس کا کوئی گناہ نہیں تھا۔ ظاہراً نہ واقعہ کے لحاظ سے جہاں تک عمرؓ کا تعلق ہے وہ ظاہری شریعت میں وہ زانی نہیں کیوں کہ نکاح ولی شرعی کی اجازت سے ہوا۔ لیکن واقعہ میں اس پر زانی کا عذاب ہوگا۔ بلکہ ہر بدکار کی برائی کا عذاب ہوگا۔ دوسرا یہ کہ جب حضرت علیؓ نے تقیہ کر لیا۔ تو جائز ہے کہ حضرت علیؓ اس نکاح پر راضی ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ایسا نہ ہو تو وطی غیر مباح میں

قد رضی علیہ السلام قبلك   داخل ہوتا ہے۔
المناکحۃ دفعا لمد خولہ مسلك
غیر الوطی المباح ۔

یعنی مسئلہ کا حل یہ ہے کہ :۔

(۱) حضرت علیؓ نے ام کلثوم کا نکاح اپنی خوشی سے کیا۔ مگر شیعہ کی طرف سے اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ عمر مرتد تھے (معاذاللہ) اور شریعت میں کافر سے نکاح کرنا حرام ہے۔ تو حضرت علیؓ نے ایسا کیوں کیا۔ تو جواب دیا ہے کہ حضرت علیؓ کو خلافت اس قدر عزیز تھی کہ اس کے لیے اپنی اولاد ازواج اور اموال قربان کر دینا پسند کرتے تھے۔ یعنی یہ عقدہ حل ہو گیا کہ کوئی جبر نہیں تھا۔ بلکہ اپنی خوشی سے خلافت کی خاطر یہ قربانی دے دی۔

قربانی تو بڑی ہے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ قربانی دینے کا خلافت سے کیا تعلق ہے کیا انہیں کیا گیا تھا کہ یہ قربانی دو تو خلافت ملے گی۔ بات پھر الجھ گئی۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقتدار کی خاطر یہ قربانی دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی لوگ اقتدار کے لیے بیٹیوں، بیویوں اور مال کی قربانی دیا کرتے ہیں اور اس کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بھلے مانسی سے اقتدار تک پہنچنے والے خال خال ہی ملتے ہیں۔ لہٰذا حضرت علیؓ کی یہ قربانی تو کوئی خاص وزن نہیں رکھتی۔

اس کی توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ کو صرف اقتدار محبوب نہیں تھا، بلکہ وہ اقتدار کو ایک بہت بڑی خوبی تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ یہ اقتدار حاصل کر کے وہ دین کا نظام درست کریں گے۔ حق کا احیاء کریں گے۔ باطل کو مٹائیں گے۔ گویا تمام دنیوی اور اخروی فوائد خلافت سے وابستہ ہیں۔

واقعی نصب العین بڑا بلند ہے۔ دین کی خاطر تو اس سے بڑی قربانی دینا بھی معمولی بات ہے۔ مگر جب انہیں خلافت ملی تو انہوں نے شیخین کے طریقے سے ہٹ کر ایک کام بھی نہیں کیا ان کے عہد کی پالیسی آئین احکام وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے پیشتر وہ یہی کام کرتے چلے آئے تھے۔ اتنا ضرور فرق پڑا کہ حضرت علیؓ کے عہد میں سلطنت اسلامی کا پھیلاؤ رک گیا۔ انہوں نے ایک انچ زمین کا اضافہ بھی اسلامی مملکت میں نہیں کیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے خلافت کی خاطر اپنی خوشی سے یہ قربانی دی تو غصب فرج کی تہمت کیوں لگاتے ہو۔ تو جواب یہ دیا کہ شیعوں سے خطرہ تھا اس لیئے ان کی خاطر اس پر تقیہ کا لیبل لگا دیا۔ ایک تیر سے دو شکار۔ ایک تو شیعہ مطمئن ہو گئے دوسرا تقیہ کا ثواب مل گیا۔ کیونکہ تقیہ اسی طرح واجب ہے جیسے نماز اور روزہ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ ان سے بھی افضل ہے کیونکہ نماز اور روزہ کے لئے وقت مقرر ہے بلکہ تقیہ ہر وقت ہر حال اور ہر لحظہ فرض ہے جبھی تو کہا گیا ہے کہ جہاں تقیہ نہیں، وہاں دین نہیں۔ گویا نماز روزہ تو محض تبرک کے طور پہ ہے اصل دین تو تقیہ ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ تقیہ کا ثواب تو مل گیا، مگر زناہ کے گناہ سے کیسے بچیں گے۔ تو اس کا حل بتایا کہ جہاں تک ام کلثوم کا تعلق ہے۔ ان کے متعلق تو زنا کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ رہے عمرؓ تو شریعت کے لحاظ سے وہ زانی نہیں کیونکہ ولی شرعی کی اجازت سے نکاح ہوا۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے وہ زانی ہیں۔ بلکہ دنیا بھر کے زانیوں کا عذاب انہیں ہوگا۔ مگر کیوں؟ اس لئے کہ عمر جو ہوئے۔ مگر اسی سانس میں دوسری بات بھی کہہ دی کہ جب علیؓ نکاح پر راضی ہوئے خواہ حقیقۃً خواہ تقیہ کر کے بہر حال راضی ہو گئے لہذا یہ وطی مباح میں داخل ہے۔ یا اللہ یہ کیا پہیلی ہے۔ کہ وطی مباح بھی ہے۔ اور دنیا بھر کا عذاب بھی عمر کے لیے تیار ہے

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!!

صحاح اربعہ اور ام کلثوم بنت علیؓ

اہل السنت کے ہاں کتاب اللہ کے بعد صحاح ستہ کا جو درجہ ہے شیعہ کے ہاں

صحاح اربعہ کو وہی مقام حاصل ہے اس لئے اس مستند ذخیرے سے اس امر کا ثبوت پیش کیا جائے گا کہ ام کلثوم حضرت علیؓ کی بیٹی تھی۔

(۱) فروع کافی ۶ : ۱۱۵، ۱۱۶ باب متوفی عنہا زوجہا طبع ایران

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالتہ (ای راوی) عن المرأۃ المتوفی عنہا زوجہا تعتد فی بیتہا او حیث شاءت قال بل حیث شاءت ان علیاً علیہ السلام لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بہا الی بیتہ۔

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر سے بیوہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ اپنے گھر میں عدت عدت گزارے یا جہاں چاہے تو آپ نے فرمایا جہاں چاہے کیوں کہ حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو حضرت علیؓ ام کلثوم کو اپنے گھر لے آئے

یہاں یہ وضاحت نہیں کہ جسے گھر لے گئے وہ اصل بیٹی تھی یا جننی تھی ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل بیٹی تھی جننی کو اپنے گھر لے جانے میں انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ بلکہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ ان کے گھر میں دو ام کلثوم ہو جاتیں۔

(۲) الکافی کتاب النکاح باب فی تزویج ام کلثوم۔

زرارہ کہتا ہے قال الامام ذلک فرج غصبناہ۔

امام جعفر نے فرمایا یہ وہ فرج ہے جو ہم سے چھین لی گئی۔

واقعی کمزوروں سے لوگ بیٹیاں چھین ہی لیا کرتے ہیں۔ اور حمیت بالکل ہی جاتی رہے تو وہ شکوہ بھی نہیں کرتے۔

(۳) فروع کافی کتاب النکاح باب فی تزویج ام کلثوم۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما خطب الیہ قال لہ امیر المؤمنین علیہ السلام انہا صبیۃ قال فلقی العباس فقال لہ ابی بأس فقال ما ذاک قال خطبت الی ابن ابیک فردنی اما واللہ لاعودن

زمزم ولا ادع لکم مکرمة الا هدمتها ولا قیمن علیه شاهدین بانه سرق ولا تقطعن یمینه فاتاه العباس فاخبره وسأله ان یجعل الامر الیه فجعله الیه۔

واقعی شیرِ خدا کہہ کر اس سے ایسا کردار منسوب کرنا صرف "محبان اہل بیت" کو زیب دیتا ہے۔ کوئی اور بھلا کہاں ایسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے تقیہ کر کے عمر فاروق کو امیر المؤمنین تسلیم کر لیا تو تقیہ کر کے ہی انہیں داماد تسلیم کر لینے میں کیا قباحت ہے البتہ ایک الجھن رہ جاتی ہے کہ بقول شیعہ امام برحق ہے اور بقول شیعہ کافر کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر رہا ہے۔ یہ امامت کیسی ہے۔ اور یہ شریعت کونسی ہے؟ اس الجھن سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ عمر فاروق کو کامل الایمان تسلیم کر دو۔ تو حضرت علیؓ کا ایمان بچ سکتا ہے۔ مگر کوئی اس الجھن سے نکلنا نہ چاہے تو اس پر جبر تو نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) استبصار کتاب النکاح باب العدہ ۳: ۱۸۴، ۱۸۵۔

ان علیا علیه السلام لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بها الی بیته۔

(۵) استبصار (ایضاً)

ان علیا علیه السلام لما مات عمر اتی ام کلثوم فاخذ بیدها فانطلق بها الی بیته۔

(۶) تہذیب الاحکام طبع ایران ۸: ۱۶۱

ان علیا علیه السلام لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بها الی بیته۔

(۷) تہذیب الاحکام ۹: ۳۶۲ کتاب المیراث۔

عن جعفر عن ابیه قال ماتت ام کلثوم بنت علیؓ

وابنها زید بن عمر بن الخطاب فی ساعة واحدة لا یدری ایهما قبل فلم یورث احدهما من الآخر وصلی علیهما ضجیعا۔

(۸) فروع کافی کی ایک روایت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

صحاح اربعہ کی یہ روایات امام جعفر اور امام باقر سے مروی ہیں ان میں سے چھ حدیثیں ایسی ہیں کہ وہی راوی اور وہی الفاظ ہیں۔ جو کافی میں ہیں۔ پھر استبصار اور تہذیب سے اختصاراً ان علیا سے بقدر ضرورت نقل کی ہیں۔

اوائل خلافت امیر معاویہؓ میں ام کلثوم اور ان کے بیٹے زید کی وفات ہوئی۔

انکار نکاح پر تبصرہ

(۱) ناسخ التواریخ ۱ : ۶۳ پر لکھتا ہے کہ

شیخ (مفید) اصل ایں واقعہ را انکار می نماید برائے بیان آنست کہ از طرق اہل بیت بعید است وگرنہ بعد از ورود ایں جملہ اخبار وجود ایں مناکحت انکارش عجیب می نماید وہم از حضرت ابی عبد اللہ سلام اللہ علیہ مرویست ان علیا لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بہا الی بیتہ بر وجود ایں قضیہ تصریح می نماید۔	شیخ مفید اس واقعہ سے اس بنا پر انکار کرتا ہے کہ اہل بیت کے طریقہ کے خلاف ہے مگر ان تمام روایات کے بعد انکار کرنا تعجب کی بات ہے اور امام جعفر سے مروی کہ جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو حضرت علی ام کلثوم کے پاس آئے اور ان کو اپنے گھر لے آئے۔ روایت اس قصہ کے وجود پر صریح دلالت کرتی ہے۔

(۲) اسی کتاب کے ۱ : ۵۹ پر درج ہے۔

علامہ مجلسی در بحار الانوار بعد از نگارش برخے اخبار می نویسد کہ از حضرت ابی عبد اللہ علیہ السلام مرویست کہ در باب تزویج ام کلثوم فرمود ان ذلک فرج غصبناہ و بروایتے فرمود اول فرج غصب منا ام کلثوم۔

یعنی شیعہ مؤرخ عباس قلی خان اس انکار پر تبصرہ کرتے ہوئے صاف لکھتا ہے کہ شیخ مفید کے پاس عدم نکاح ام کلثوم ہمراہ عمر فاروق کوئی دلیل نہیں، بلکہ یہ انکار درحقیقت ائمہ معصومین کے فرمان کا انکار ہے۔ یہ احادیث امام سے منقول ہو کر صحاح اربعہ میں درج ہیں۔ تو حدیث امام کسی عالم کے قول سے کیسے مردود قرار دی جاسکتی ہے۔

(۳) مجالس المؤمنین ۱: ۱۹۵

محمد بن جعفر بعد از فوت عمر بن الخطاب	حضرت عمر کے ساتھ ام کلثوم کا
ہمشرف مصاہرت حضرت امیر المؤمنین	نکاح غیر کفو ہونے کی وجہ سے بجبر
مشرف گشتہ ام کلثوم را با عدم	کیا گیا تھا تو عمر کی وفات کے بعد
کفاءت از روئے اکراہ در حبالہ	محمد بن جعفر نے امیر المؤمنین کے
عمر بود تزویج نمود۔	ساتھ رشتہ مصاہرت کا شرف حاصل
	کرنے کے لیے ام کلثوم سے نکاح کر لیا۔

یہاں بڑی فنکاری سے انکار کیا گیا ہے۔ جس میں اقرار بھی پایا جاتا ہے کہ نکاح تو ہوا مگر جبراً ہوا۔ اور برضا و رغبت نکاح نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ کفو کا تھا اور حضرت عمر کفو سے تھے۔

یہ سہارا بھی بڑا بودا ہے کیونکہ شیعہ فقہ میں کفو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شیعہ کتب میں دفتر کے دفتر بھرے ہیں کہ شیعہ کفو کے قائل نہیں طوالت سے بچنے کے لیے ایک حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔

شرائع الاسلام۔ از علامہ حلی کفو کے سلسلے میں لکھتا ہے۔

یجوز نکاح الحرۃ العبد	
والعربیۃ العجمی	آزاد عورت کا نکاح غلام سے
والہاشمیۃ غیر	جائز ہے۔ عربی عورت کا نکاح
الہاشمی۔	عجمی مرد سے ہو سکتا ہے اور ہاشمی
	عورت کا نکاح غیر ہاشمی مرد سے جائز ہے۔

اس کی شرح مسالک الافہام میں شہید ثانی شیخ زین الدین نے لکھا ہے (جلد اول کتاب النکاح)

وزوج النبی ابنته عثمان	نبی کریمؐ نے اپنی بیٹی کا نکاح عثمانؓ
وزوج ابنته زینب بابی	سے کیا اور اپنی بیٹی زینبؓ کا نکاح
العاص بن الربیع و	ابو العاص بن الربیع سے کیا، یہ
لیسا من بنی ہاشم و	دونوں ہاشمی نہیں تھے۔ اسی طرح
کذلک زوج علی ابنته	حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا
ام کلثوم من عمر وتزوج	حضرت عمرؓ سے کیا اور فاطمہؓ بنت
عبد الله بن عمرو بن عثمان	حسین کا نکاح عبداللہ بن عمر
فاطمة بنت الحسین وتزوج	سے ہوا۔ اور اس کی بہن سکینہ کا
مصعب بن الزبیر اختها	نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا۔
سکینه وکلهم من غیر	اور یہ سب غیر ہاشمی تھے۔
ہاشم۔	

شارح نے پانچ رشتے بطور ثبوت پیش کر دیئے کہ ہاشمی اور غیر ہاشمی کے درمیان ہوئے۔ ان میں کفو کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ کفو کا مسئلہ فقہ جعفری میں مطلق قابل لحاظ نہیں۔ یہ فقہ جعفری کا متفق علیہ فیصلہ ہے۔

اس نکاح کے باوجود انکار کی بحث کو فیصلہ کن مرحلہ پر پہنچانے کے لیے ہم ایک مشہور شیعہ مؤرخ کو پیش کرتے ہیں جس نے اپنی کتاب طراز المذہب میں ایک مستقل باب تزویج ام کلثوم ہمراہ فاروق اعظم باندھا ہے جو ص ۴۸ سے صفحہ ۶۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں سے چند اقتباس درج ذیل ہیں۔

(۱) از جناب ام کلثوم دختر امیر المؤمنین
علی علیہ السلام یاد کردہ اند و در
جملہ:..... مسطور داشتہ اند

واز دو فرزندش زید و رقیه که عمر بن
الخطاب پدید آورد اسم برده اند۔
(ص ۴۸)

(۲) عمر بخدمت امیر المؤمنین پیام کرد ام کلثوم
را خطبه کرد و علی علیہ السلام ام کلثوم را
بایدی تزویج فرمود و عباس بن عبد المطلب
باجازت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب
متولی امر تزویج شد و عمر را از ام کلثوم پسرے
پدید آمد که زیدش نامیدند و او با مادر خود
ام کلثوم بیک وقت جہان را بدرود کردند و بر ہر
دو تن نماز گزاشتند و بعد از ہلاک عمر عون
بن جعفر بن ابی طالب جناب ام کلثوم را
درحبالۂ نکاح درآورد۔ (ص ۴۹)

(۳) ام کلثوم کبریٰ که قبل از وفات
رسول خدا بجہاں آمد و عمر بن الخطاب
او را تزویج نمود و زید الاکبر و رقیه
از عمر بزاد و ام کلثوم و پسرش زید
در وقت واحد بمردند۔

(ص ۵۲)

(۴) از جملہ فرزندان عمر بن الخطاب زید
و فاطمه که مادر ایشاں ام کلثوم دختر
علی ابن ابی طالب از حضرت فاطمہ رض
دختر رسول خدا است۔ (ص ۵۷)

(۵) در سال ہفدہم روے دادہ باشد
جناب ام کلثوم از ہشت و نہ سال
کمتر نتواند داشت چنانچہ در بیت
الاحزان مذکور داشتہ۔

(ص ۶۶)

وجہ نکاح ام کلثوم ہمراہ عمرؓ فاروق

شیعہ فقہ میں یہ تو متفق علیہ مسئلہ ہے کہ نکاح کے لیے کفو کا لحاظ ضروری ہنیں مگر یہ دیکھنا ہے کہ کیا کسی مومنہ کا نکاح کافر مرد سے بھی ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا قرین قیاس ہنیں۔ لہذا اس بارے میں بھی شیعہ کتب کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) مناقب شہر بن آشوب ۱ : ۲۷۵ طبع جدید مطبوعہ قم۔

قیل فلم زوج عمر ابنتہ	حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی کا نکاح
قال لاظہارہ الشہادتین	حضرت عمرؓ سے کیوں کیا؟ وجہ یہ کہ
واقرارہ بفضل رسول اللہ	حضرت عمرؓ شہادتین کا اظہار کرتے تھے
واراتہ واستصلاحہ	اور نبی کریمؐ کی فضیلت کا اقرار کرتے
وکفہ عنہ وقد عرض	تھے۔ اور حضورؐ کی بے حد عزت کیا
بنی اللہ لوطؑ بناتہ علی	کرتے تھے۔ اور حضورؐ اکرم سے ہر قسم
قومہ الخ ووجدنا آسیہ	کی بے ادبی سے باز رہتے تھے۔ اور حضرت لوطؑ
بنت مزاحم تحت فرعون۔	نے اپنی بیٹیاں کفار کو پیش کر دی تھیں۔ اور
	حضرت آسیہ، فرعون کی منکوحہ تھیں۔

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کو مسلمان تسلیم کرتے تھے اس لیے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا۔ مگر یہ سوال باقی رہتا ہے کہ جب علیؓ نے انہیں مسلمان تسلیم کیا تو شیعان علی اور محبان اہل بیت انہیں مسلمان کیوں ہنیں تسلیم کرتے۔ اس کی وجہ

اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے محبان اہل بیت کے نزدیک محبت کا کمال یہ ہے کہ امام کی ایک نہ سنے اور دھڑلے سے امام کی مخالفت کرے۔ اور اگر امام سے اتنی کمال درجے کی محبت نہ ہو تو یہ راہ نکال لیں کہ عمر نے دل میں نفاق چھپا رکھا تھا۔ لیکن یہ بات بھی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ امام کی نگاہ جہاں نہیں پہنچی، وہاں ان لوگوں کی نگاہ کیسے پہنچ گئی۔ امام کو عمر کے دل کا حال معلوم نہ ہوا۔ اور صدیوں بعد آنے والے محبان امام نے ایکسرے کر کے عمر کے دل کا حال معلوم کر لیا۔

اس اقتباس سے ضمناً ایک اور نکتہ بھی مل گیا۔ کہ حضرت علیؓ کے نزدیک اقرار شہادتین ہی مسلمان ہونے کی دلیل تھی تو یہ تیسری پخ جو لگائی ہے اشهد ان عليا ولی الله الخ کہاں سے آٹپکی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس شہادت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ محض زیب داستان کے لیے یار لوگوں نے اسلام کا حلیہ بگاڑا ہے۔

اصل سوال کا جواب تو دکفہ عنه پر ختم ہو جاتا ہے، مگر مصنف نے حضرت لوطؑ اور حضرت آسیہ کا حوالہ دے کر بات بڑھادی کہ اللہ کا ایک نبی جب اپنی بیٹیاں کافروں کو پیش کر سکتا ہے۔ تو اس نکاح میں کیا قباحت ہے جو حضرت علیؓ نے کیا۔ یعنی حضرت عمرؓ اگر مسلمان نہ ہو پھر بھی کوئی حرج نہیں قرآن کریم نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر

اس واقعہ پر شیعہ مفسر شیخ مقداد نے اپنی تفسیر کنز العرفان طبع ایران ۲: ۲۲۹ پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔

قال هؤلاء بناتی هن — حضرت لوطؑ کا معاملہ پہلی شریعتوں
اطهر لكم فانه غير شرعنا — کا ہے یہ ہماری شریعت میں
فلا يكون حجة فی شرعنا — حجت نہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ بنات رسول)

(۲) طراز المذہب مظفری ۱ : ۶۱

"ایں کہ صحت نکاح بہماں وجود ظاہر اسلام کہ عبارت از شہادتین و ادائے نماز بجانب کعبہ معظمہ و اقرار بجملہ شریعت است صورت مے بندد و اگرچند مناکحت آناں کہ ایمان استوار دارند افضل و با آنکس کہ بہماں تکلیف ظاہر اسلام منضم است مکروہ است ولکن گاہ می شود کہ بہ سبب ضرورت و وجود کلمہ اسلام ایں کراہیت نیز مرتفع می گردد چوں امیرالمومنین علی علیہ السلام بسبب آں تہدید و تواعد کہ با آنحضرت دارند بقبول ایں کار اضطرار یافت چہ بر جان خود و شیعہ خود دراین امتناع بیم ناک بود ضرورت اجابت کرد۔"

"ظاہر اسلام جو کہ شہادتین ادائے نماز اور شریعت کے اقرار سے عبارت کی وجہ سے نکاح صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کا ایمان مستحکم ہو ان سے نکاح افضل ہے، اور جن کا ایمان ظاہر اسلام تک محدود ہو ان سے نکاح مکروہ ہے۔ لیکن ضرورت کی بنا پر یہ کراہیت بھی اٹھ جاتی ہے اور چونکہ حضرت علیؓ کو دھمکیاں دی گئیں اس لیے اپنے اور شیعہ کے بچاؤ کے لیے ضرورت پیدا ہو گئی۔ اس لیے آپ نے اجازت دے دی۔"

اس بیان سے نکاح کی تین قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول وہ جو افضل ہے اس کے لیے ایمان کا استوار اور مستحکم ہونا شرط ہے۔ مگر یہاں ایمان کے استحکام کا کوئی پیمانہ نہیں بتایا لہذا آزادی ہے کہ جسے چاہا استوار قرار دیدیا۔ اور جسے چاہا ناقص سمجھ لیا۔

دوم وہ جو مکروہ ہے اس کے لیے اقرار شہادتین۔ ادائے نماز اقرار شریعت کافی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت کا حکم ظاہر پہ ہی چلتا ہے اور ہم ظاہر ہی کے مکلف ہیں پھر وہ مکروہ کیوں قرار پائے۔

نیز اسلام کے لیے شہادتین کا اقرار ضروری ہے تو یہ تیسری شہادت جو صرف اذان میں داخل کر لی گئی ہے اور نماز میں موجود نہیں۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق

ہے پھر یار لوگوں کا اس پر اصرار کیوں ہے۔ اور اسے شہادتین کے ساتھ ملا کر اسلام کو بگاڑنے کی کیوں کوشش کی جا رہی ہے۔

سوم وہ جس میں کراہیت نہیں مگر شرط یہ ہے کہ کوئی ضرورت پیش آجائے۔ گویا اس نکاح کا موجب ایک ضرورت تھی لہذا اس میں کوئی کراہیت نہیں، جب کراہیت نہیں تو اس امر کا صاف اقرار ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ نے مومن تسلیم کر لیا ہے۔

(۳) مجالس المؤمنین طبع جدید ایران ۱: ۱۵۴ تذکرہ مناظرہ علی بن اسمٰعیل۔

دیگر پرسید کہ چرا آنحضرت دختر خود بعمر بن الخطاب داد گفت بواسطہ آنکہ اظہار شہادتین می نمود بزبان واقرار بفضل حضرت امیر میکرد۔	سوال کیا کہ حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی عمر بن الخطاب کو کیوں دیدی جواب دیا کہ انہوں نے شہادتین کا اقرار کیا اور حضرت علیؓ کی فضیلت کا اقرار کیا اس لیے نکاح کر دیا

شہید ثالث نور اللہ شوستری نے اقرار کیا حضرت عمرؓ مسلمان تھے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے تھے۔ اور حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے۔ لہذا حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ شہر بن آشوب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ذکر کیا ہے۔

یعنی حضرت عمرؓ کے کامل الایمان ہونے کی وجہ سے یہ نکاح ہوا۔

(۴) طراز المذہب مظفری ۱: ۶۲

نخست اینکہ ام کلثوم را حسب تکلیف ظاہر شرع و وجود اسلام عمر با عمر تزویج نمودہ اند۔	پہلی بات یہ ہے کہ حضرت عمر کے مسلمان ہونے اور شریعت کے مکلف ہونے کی وجہ سے ام کلثوم کا نکاح کیا۔

(۵) الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ ۱: ۹۳

ان النکاح انما هو علی ظاهر الاسلام الذی هو شهادتان و الصلوٰة الی	نکاح کی بنیاد ظاہر اسلام پر ہے وہ ہے اقرار شہادتین کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا اور ساری شریعت کا اقرار ہے

الکعبة والاقرار بجملة
الشریعة وان کان الافضل
ترك مناكحة من ضم الی
ظاهر الاسلام ضلالا
لا یخرجه عن الاسلام الا
ان الضرورة متی قادت
الی المناكحة الضال مع اظهار
كلمة الاسلام زالت
الكراهية من ذلك ۔

صرف اظہار اسلام پر ترک
نکاح افضل ہے گو یہ گمراہی ہے
اور اس سے وہ اسلام سے خارج
نہیں ہوتا ہاں ضرورت پیش آئے
تو ایسے گمراہ سے نکاح جائز
ہے ۔ ضرورت کراہیت کو
رفع کر دیتی ہے ۔

بات وہی ہے جو طرازالمذہب ۱:۶۱ کے حوالے سے گزر چکی ہے ہاں اس میں یہ اضافہ ہے کہ صرف اسلام کا اظہار کرنے والا گمراہ ہے اسلام سے خارج نہیں یعنی حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا اقرار ہے ۔

باب چہارم

آیت استخلاف فی الارض

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ
فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ
دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ
وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ
اَمْنًا ۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا
یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ
کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔

تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ۔ ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا ۔ جیسا کہ ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے پسند کیا ہے (اسلام) کو ان کے (نفع آخرت کے) لیے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کر دیگا ۔ بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدے) کے ناشکری کرے گا ۔ تو یہ لوگ بے حکم ہیں ۔

⁂

قرآن کریم نے اس آیت میں بنیادی طور پر دو امور کا ذکر کیا ہے ۔ اول ایک خاص جماعت سے خطاب ہے دوم اس جماعت کو تین انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے ۔ ان دونوں امور کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہے ۔

اول جن لوگوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے ان کا پہلا وصف یہ ہے کہ وہ نزول آیت سے پہلے ایمان لا چکے تھے ۔ اس سے چند ضروری نتائج اخذ ہوتے ہیں ۔

(۱) وہ لوگ اس وعدہ انعام سے خارج ہیں جو نزول آیت کے وقت تک ایمان نہیں

لاتے تھے۔ مثلاً حضرت امیر معاویہؓ۔ چونکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے لہذا ان کی خلافت وہ خلافت نہیں جس کا اس آیت میں وعدہ کیا جا رہا ہے۔

(۲) وہ لوگ بھی اس آیت کے مصداق سے خارج ہیں جو نزول آیت کے وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے یا خورد سالی کی وجہ سے قابل خطاب نہیں تھے۔ لہذا حضرت امام حسین اور دوسرے اس سے خارج ہیں اور دوسرے آئمہ شیعہ تو اس کا مصداق نہیں ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو ان کو خطاب چہ معنی۔

دوسری بات یہ ہے کہ موعود لہ کو وعدہ ہمیشہ اس چیز کا دیا جاتا ہے جو زمانہ حال میں اس کے پاس موجود نہیں ہوتی۔

چنانچہ شیعہ مفسر فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین صـ ۳۲۷ طبع طہران میں لکھتے ہیں۔

وعدہ بہ چیزے باشد کہ در زمانۂ حال نباشد، بلکہ در زمان مستقبل باشد۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ جن چیزوں کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ مخاطبین کے پاس نزول آیت کے وقت موجود نہیں تھیں۔

امر دوم وعدہ کی تفصیل ہے تو اس میں تین انعامات دینے کا وعدہ ہے اول خلافت فی الارض دوم تمکین دین یعنی اس دین کا پھیلنا اور مستحکم ہونا جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ سوم خوف کے بعد امن کی فضا پیدا ہونا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ منکم میں ضمیر مخاطب ہے مگر اس میں غائبین بھی داخل ہیں جیسا کہ قرآن کی دوسری تمام آیات کا منشا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ضمیر حاضرین سے خاص ہے اگر کسی مقام پر غائبین کو حاضرین میں داخل کیا جاتا ہے تو وہ خارجی دلائل کی بنا پر ہوتا ہے مثلاً اس پر اجماع امت ہے کہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک جائے گا۔ لہذا اس بنا پر عبادات مثلاً نماز روزہ

وغیرہ کے احکام حلال و حرام کے احکام نکاح وطلاق کے احکام اور میراث وغیرہ کے احکام میں غائبین کو حاضرین میں داخل کیا جاتا ہے ایسا کرنا ضروریات دین سے ہے۔ کیونکہ احکامی آیات اسی امر کی متقاضی ہوتی ہیں۔ مگر یہ آیت تو انعامی ہے۔ احکامی نہیں لہذا غائبین کو حاضرین میں شامل کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

شیعہ وسنی دونوں متفق ہیں کہ ضمیر حاضرین کی حاضرین کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے چنانچہ شیعہ کتاب معالم الدین فی الاصول کے صـ ۱۱۲، صـ ۱۹۳، صـ ۱۹۵ پر یہ بحث موجود ہے کتاب کا اصل نام معالم الدین فی الاصول وملاذ المجتہدین ہے۔ یہ شیعہ عالم علامہ جلال الدین ابی منصور الشیخ حسن بن زین الدین شہید ثانی (م ۱۰۱۱ھ) کی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ غائبین کبھی خطاب میں شامل ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ خطاب سے جو حکم ثابت ہوتا ہے۔ اس حکم میں غائبین کو دلیل خارجی سے داخل کیا جاتا ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ نہ یہ آیت احکامی، نہ کوئی دلیل خارجی موجود۔ پھر غائبین کو مخاطبین میں داخل کس بنا پر کیا جائے۔

شہید ثانی اپنی اسی مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں :-

"ما وضع لخطاب المشافهة نحو يا ايها الناس ويا ايها الذين آمنوا لا يعم بصيغة من تأخر عن زمن الخطاب وانما يثبت حكمه لهم بدليل آخر"

"جو الفاظ اور صیغے بالمشافہ خطاب کے لیے وضع کیے گئے ہیں مثلاً یا ایہا الناس اور یا ایہا الذین آمنوا یہ خطاب عام نہیں یہ ان لوگوں کو شامل نہیں۔ جو وقت خطاب موجود نہیں تھے۔ بعد میں آنے والوں کے لئے یہ حکم کسی اور دلیل سے ثابت ہوگا۔ الفاظ خطاب سے نہیں ہوگا"

پھر لکھتے ہیں :-

انا نقول احکام الکتاب کلها من قبیل خطاب المشافهة وقد مرّ انه مخصوص بالموجودین فی زمان الخطاب وان ثبوت حکمه فی حق من تأخر انما هو بالاجماع وقضاء الضرورات باشتراك التکلیف بین الکل (ص۱۹۳)

"ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے تمام خطابات اور احکام حاضرین کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ یہ احکام ان کے ساتھ مخصوص ہیں جو وقت نزول قرآن موجود و حاضر تھے۔ جو لوگ نزول قرآن کے وقت حاضر نہ تھے یا جو پیدا نہیں ہوئے تھے یا مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کے لیے یہ احکام اجماع سے ثابت ہوں گے۔ اور ضروریات دین سے ہے کہ تمام امت دینی اور احکامی تکلیف (یعنی مکلف ہونے) میں مشترک ہے۔"

اسی طرح شیعہ عالم شیخ مرتضیٰ نے اپنی کتاب "فرائد الاصول" مطبوعہ ایران میں ص۲۰۰ پر لکھا ہے کہ حاضرین کی ضمیر حاضرین سے مخصوص ہوگی۔ غائبین اس خطاب حاضرین میں داخل نہ ہوں گے۔ ہاں خطابات سے جو حکم ثابت ہوگا۔ اس میں غائبین کو کسی اور دلیل سے شامل کیا جائے گا۔

آیت زیر بحث میں کوئی دلیل خارجی موجود نہیں لہذا نزول آیت کے وقت غیر مکلفین اور بعد میں آنے والے غائبین کو کسی اصول کے تحت آیت میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے کئی مناظروں میں یہ تحدی کر دی تھی کہ اگر خلفائے ثلاثہ کو کامل الایمان صالح الاعمال اور اس آیت کے موعودہ خلیفہ تسلیم نہ کرنے والا قرآن کی اس آیت پر اپنا ایمان رکھنا ثابت کر دے تو ہم شیعہ مذہب کے برحق ہونے کا اعلان کر دیں گے مگر ناممکن بہر حال ناممکن ہی رہا اور کوئی کوشش بار آور نہ ہو سکی۔

⁂

قول فیصل

یہ آیت کلام الٰہی کا ایک حصہ ہے اور کتاب اللہ کے ہر حصے پر ایمان لانا فرض ہے اس لیے اب تین صورتیں ہی ممکن ہو سکتی ہیں۔

(۱) خلفائے ثلاثہ کو کامل الایمان صالح الاعمال اور خلیفہ برحق۔ اور اس آیت کا مصداق تسلیم کر لیں۔

(۲) نزول آیت کے وقت جن حاضرین سے خطاب ہو رہا ہے ان میں سے خلفائے ثلاثہ کو چھوڑ کر کم از کم تین آدمی پیش کریں۔ جن کے ہاتھ سے یہ تینوں انعامات خداوندی پورے ہوتے ہوں۔ یعنی استخلاف فی الارض، تمکین دین اور امن بعد خوف۔

(۳) اعلان کر دیں کہ خدا کو بدا ہو گیا۔ یا یوں ہی طفل تسلی کے طور پر وعدے کرتا رہا۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے شیعہ کو اس کی توفیق آج تک تو ہو نہیں سکی اور آئندہ کے لیے بھی توقع نہیں۔ دوسری صورت کے لیے تاریخ میں کوئی نشان نہیں ملتا۔ رہی تیسری صورت تو شیعہ نے اسی کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ شیعہ عالم اعجاز الحسن بدایونی نے اپنی کتاب "تنبیہ الناصبین" میں تصریح کر دی ہے کہ خدا کے وعدے غلط ہوتے رہتے ہیں۔

ایک اور کوشش

کہا جاتا ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت علیؓ ہیں مگر یہ دعویٰ حقائق کا ساتھ نہیں دیتا مثلاً:۔

(۱) یہ لغت عرب کے خلاف ہے۔ آیت میں تمام صیغے جمع کے ہیں۔ اور جمع کے لیے کم از کم تین آدمی ہونے ضروری ہیں۔ اور حضرت علیؓ فرد واحد ہیں۔

(۲) علمائے شیعہ و اہل السنت تصریح کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ کو یہ تینوں انعام مکمل نہیں ملے۔ تمکین دین کے پہلو کو دیکھا جائے تو بزعم شیعہ حضرت علیؓ کے مذہب شیعہ

کو ان کے دور میں تمکین حاصل ہونی چاہیئے۔ مگر حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس دین کا اظہار تک نہیں کیا۔

دوسرا پہلو امن بعد خوف ہے۔ تو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان کے عہد میں امن سرے سے نصیب ہی نہیں ہوا۔

تیسرا انعام خلافت فی الارض کا ہے تو حضرت علیؓ کی خلافت کی حیثیت شیعہ عالم نور اللہ شوستری نے اپنی مایہ ناز کتاب احقاق الحق میں یوں بیان کی ہے۔

ان امر الخلافۃ ما وصل الیہ الا بالاسم دون المعنی

یعنی حضرت علیؓ کو خلافت برائے نام ملی تھی۔

شیعہ کے چوٹی کے عالم علامہ محمد یعقوب کلینی نے اپنی کتاب "الروضہ" میں حضرت علیؓ کے عہد پر ایک جامع تبصرہ لکھا ہے۔

ثم اقبل بوجھہ وحولہ ناس من اھل بیتہ وخاصتہ وشیعتہ فقال قد عملت الولاۃ قبلی اعمالا خالفوا فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متعمدین لخلافہ فاقضین لعھدہ مغیرین لسنتہ ولو حملت الناس علی ترکھا وحولتھا الی مواضعھا والی ما کانت فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتفرق عنی جندی حتی ابقی واحدی۔

(ص ۵۱ طبع ایران نجف اشرف)

What a status?

"پھر حضرت علیؓ مجمع کی طرف متوجہ ہوئے جس میں آپ کے اہل بیت، خاص معتمد آدمی اور خاص شیعہ تھے۔ اور فرمایا کہ مجھ سے پہلے خلفائے ایسے کام کئے جن میں انہوں نے نبی کریمؐ کی صریح مخالفت کی، اور دیدہ و دانستہ کی نبی کریمؐ کے ساتھ کئے ہوئے عہد توڑے سنت رسول کو بدل دیا۔ اب اگر میں لوگوں کو حکم دوں کہ جو کام خلفاء نے کئے انہیں ترک

کردو۔ اور میں احکام الٰہی کو اسی اصل پر لاؤں جس پر زمانہ نبوی میں تھے تو میرا لشکر مجھے چھوڑ دے گا۔ اور میں تنہا رہ جاؤں گا"

اس مختصر سی عبارت میں حقائق کی ایک دنیا سمو کر رکھ دی گئی ہے۔

(۱) حضرت علیؓ نے مشاہدہ کیا کہ آپ سے پہلے خلفائے نے خدا اور رسول کی مخالفت کے احکام دیئے اور کام کئے۔

(۲) انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ خلفاء نے ایسے کام کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں کئے، بلکہ جان بوجھ کر مخالفت کی۔

(۳) انہیں احساس ہوا کہ یہ احکام بدل دینے چاہئیں۔ اور احساس فرض اور احساس ذمہ داری کا تقاضا یہی تھا۔

(۴) مگر انہوں نے عملاً کوئی ایک حکم بھی نہ بدلا۔ صرف احساس پر ہی رک گئے۔

(۵) انہیں خطرہ تھا کہ جو فوج ان کے گرد جمع ہے اور جس کی طاقت پر حکومت کی بقاء کا مدار ہے۔ وہ باغی ہو جائے گی۔ اگر خلفاء کے زمانے کا کوئی حکم بدلا گیا۔

(۶) ان کی فوج خدا اور رسولؐ کی مخالفت ہی پسند کرتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا نام آیا تو وہ باغی ہو جائیں گے۔

(۷) مگر یہی تو وہ فوج تھی جو خلفائے ثلاثہ نے تیار کی اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر کفر کے خلاف برسرِ پیکار رہی۔ مگر خلفائے ثلاثہ سے اختلاف پیدا ہونے کا ایک واقعہ بھی پیش نہ آیا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام صحابہؓ اسی عقیدے اور اسی عملی زندگی پر متفق تھے۔ جو خلفائے ثلثہ نے نبی کریمؐ سے حاصل کر کے ملک میں لاگو کر رکھا تھا۔ یہی مسلک اہل السنت والجماعت کا ہے۔ اور خلفائے ثلاثہ کے عہد میں اسی دین کو تمکین حاصل ہوئی۔ جس کا آیت میں ذکر ہے اور جو خدا کا پسندیدہ دین ہے۔ وہ دین تو ظاہر بھی نہ ہوا جو بقول شیعہ حضرت علیؓ کا دین تھا۔ لہٰذا اس آیت کا مصداق حضرت علیؓ نہیں بن سکتے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ امن تو ابو بکرؓ کو بھی نہ ملا عمر بھر مرتدین وغیرہ سے تصادم ہوتے رہے۔ حضرت عمرؓ کو بھی نہیں ملا کہ مارے گئے۔ حضرت عثمانؓ کو بھی نہیں ملا، بری طرح مارے گئے۔

اس شبہ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ بدامنی سے مراد جنگ کرنا اور مارا جانا ہے۔ مگر یہ مراد ہی غلط ہے۔ باطل کے خلاف برسرِ پیکار رہنا اور باطل کو مسلسل مار پر مار دیتے جانا بدامنی کی نہیں، بلکہ امن، یک جہتی اتحاد، اتفاق اور وحدتِ فکر و عمل کی دلیل ہے ہاں گھریلو منازعات اٹھ کھڑے ہوں۔ تو اسے بدامنی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کے عہد میں ہوا۔ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں جو حالات سامنے آتے ہیں۔ ایسے حالات کا ذکر تو اللہ تعالیٰ مقام مدح پر کرتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ اشداء علی الکفار رحماء بینہم۔ گویا اللہ تعالیٰ نے امن کی تعریف بھی بیان فرما دی۔ اور امن کا وہ نقشہ بھی دکھایا جو خلفائے ثلاثہ کے عہد میں دنیا نے دیکھ لیا۔ چنانچہ علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

قلنا لیس فی ضمن الامن السلامۃ من الموت بای وجہ کان ولیس من شرط الامن رفع الحرب و انما شرطہ ملک الانسان لنفسہ باختیارہ لا کما کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ و حقیقۃ الحال انہم کانوا مقھورین فصاروا قاھرین وکانوا مطلوبین فصاروا طالبین و ھذا نھایۃ الامن والشرف والعزۃ۔

"ہم کہتے ہیں کہ موت سے بچ جانے کا نام امن نہیں موت تو بہرحال آنی ہے

خواہ کسی صورت میں آئے اور کفار سے جنگ نہ ہو نا بھی شرائط امن میں سے نہیں۔ امن کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان اپنی جان کا مالک ہو۔ اس پر اس کا اختیار ہو وہ صورت امن نہیں جو مکہ میں صحابہ کرام کے پیش رہی حقیقت یہ ہے۔ مکہ میں صحابہ کرام مقہور و مغلوب تھے پھر غالب آگئے۔ مکہ میں کفار ان کی تلاش میں رہتے تھے پھر صحابہ کو تلاش ہونے لگی کہ کفر کا قلع قمع کیا جائے۔ یہ امن، شرف اور عزت کی معراج ہے۔"

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ آیت کا مصداق تو امام مہدی ہیں، مگر یہ بات بھی نہیں بنتی۔ کیوں کہ اوّل تو نزول آیت کے وقت امام مہدی کا وجود ہی نہیں تھا۔ مخاطب کیونکہ ٹھہرے پھر بقول شیعہ جب عالم وجود میں آئے تو عالم طفولیت میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور کسی غار میں چھپ گئے۔ اور ایسے چھپے کہ صدیاں گزر گئیں مگر غار سے نکلنے کا نام نہیں لیتے۔ خدا جانے یہ امن کی کونسی قسم ہے۔ اس صورت میں یستخلفنھم فی الارض کے معنی تو یوں بنیں گے کہ تمہیں غار پر مسلط کر دوں گا۔ یا غار کو تم پر مسلط کر دوں گا۔ تسلط یہ، امن یہ اور اس پر دعویٰ یہ کہ آیت کا مصداق امام مہدی ہیں۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت اصحاب ثلاثہ کامل الایمان اور صالح الاعمال تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر خوش ہوا اور انعامات کا اعلان کر دیا۔ مگر بعد وفات رسولؐ یہ حضرات نہ ایمان دار رہے نہ صالح الاعمال لہٰذا وعدہ کے پورا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یعنی خدا کو بدا ہو گیا۔ شیعہ نے بدا کا عقیدہ ایجاد کر کے ایک محفوظ پناہ گاہ تلاش کر لی ہے۔ اس عقیدہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے ہماری کتاب "تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین"۔

آیت استخلاف کا مصداق

اس آیت کا حقیقی مصداق معلوم کرنے کے لیے کیوں نہ ایسا ماخذ تلاش کیا جائے۔

کہ پھر اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے بشرطیکہ اس ماخذ سے سچ مچ کا قلبی اور روحانی تعلق ہو۔ ہاں تعلق کی محض ایکٹنگ ہو تو اختلاف کیا انکار بھی کیا جا سکتا ہے۔

چلئے ابو الائمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی پوچھتے ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "نہج البلاغۃ" شیعہ کے ہاں مستند اور مسلم ہے۔ اس میں ص ۱۴۵ پر امیر المومنین کا ایک خطبہ درج ہے، جو علامہ کمال الدین میثم بن علی بحرانی نے اپنی کتاب "شرح نہج البلاغۃ" میں ۳: ۱۹۴ پر درج کیا ہے۔ ان کی وفات ۶۷۹ھ ہے۔

اس خطبے کا پس منظر یہ ہے کہ فارس کی جنگ میں بنفس نفیس شامل ہونے کیلئے حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا۔ شارح لکھتا ہے۔ کہ یہ قادسیہ کی جنگ تھی، یا نہاوند کی تو حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

"ان هذا الامر لم یکن نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیثما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعہ ویضمہ فاذا انقطع النظام تفرق الخرز وذھب ثم لم یجتمع بحذافیرہ ابدا۔ والعرب الیوم وان کانوا قلیلا فھم کثیرون بالاسلام عزیزون بالاجتماع فکن قطبا واستدر الرحیٰ بالعرب واصلھم دونک نار الحرب فانک ان شخصت من ھذہ الارض انتقضت علیک العرب من اطرافھا واقطارھا حتی یکون ما تدع وراءک من العورات اھم الیک مما بین یدیک۔

ان الاعاجم ان ینظروا الیک غدا یقولون ھذا اصل العرب فاذا قطعتموہ استرحتم فیکون

ذلک اشد ...... علیک و طمعھم فیک فاما ماذکرت من مسیر القوم الی قتال المسلمین فان اللہ سبحانہ ھو اکرہ لمسیرھم منک و ھو اقدر علی تغییر مایکرہ واما ماذکرت من مدرھم فانا لم نکن نقاتل فیما مضی بالکثرۃ وان کنا نقاتل بالنصرۃ والمعونۃ "

" بیشک یہ وہ دین ہے جس کے غلبہ یا شکست کا مدار کثرت و قلت پر نہیں بلکہ یہ وہ دین ہے جو اللہ کا ہے۔ اللہ نے اس کی مدد فرمائی ہے۔ اور یہ فوج وہ ہے جسے اللہ نے عزت دی ہے اور اس کی مدد فرمائی ہے۔ یہاں تک وہ دین اس حال تک پہنچا جو تمہارے سامنے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے۔ اور اپنی فوج کا مددگار ہے۔ اور رئیس سلطنت کی حیثیت وہ ہے جو تسبیح کے دانوں کے لیے ڈور کی ہوتی ہے۔ اگر ڈور ٹوٹ جائے تو سب دانے بکھر جاتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ بکھرے ہوئے دانے پھر جمع نہیں ہوتے۔ عرب قوم اگرچہ اس وقت قلت میں ہے مگر وہ بوجہ قوت اسلام کے کثیر ہیں اور اپنی اجتماعی قوت کی وجہ سے دنیا پر غالب ہیں۔ اس لیے اے فاروق! آپ چکی کے قطب بن کر مرکز میں رہیں اور قوم سے جنگ کی چکی چلوائیں۔ خود اس سے دور مرکز میں رہیں، اگر آپ نے مرکز چھوڑا تو اطراف و جوانب سے عرب قوم مرکز پر ٹوٹ پڑے گی۔ اور آپ کی غیر حاضری میں معاملات نازک صورت اختیار کر لیں گے۔

کل ایرانیوں نے آپ کو میدانِ جنگ میں دیکھا تو ضرور کہیں گے کہ یہ عرب کی جڑ ہے اسے کاٹ ڈالو تاکہ چین سے رہ سکو۔ یہ بات ان کے لئے تمہیں قتل کر دینے اور آپ پر ٹوٹ پڑنے کا محرک بن جائے گی۔ اور یہ جو آپ نے

ذکر کیا ہے ۔ کہ قوم عجمی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ کو ان کی روانگی آپ کی نسبت زیادہ ناپسند ہے اور جو چیز اسے ناپسند ہے وہ اس کے بدلنے پر قادر ہے اور ان کی کثرت کا جو آپ نے ذکر کیا ہے تو ہم نے کبھی کثرت پر اعتماد کر کے جنگ نہیں لڑی بلکہ ہم تو اللہ کی مدد کے بھروسے پر جنگ کیا کرتے ہیں ۔"

پھر اسی کتاب کے ۱۹۶:۳ پر نحن علی موعود کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

"ثم وعدنا بموعود وهو النصر والغلبة والاستخلاف فی الارض کما قال وعد الله الذین اٰمنوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم الی آخر الاٰیة وکل وعد من الله فهو منجز لعدم الخلف فی خبره ۔

" پھر ہم سے مدد، غلبہ اور خلافت فی الارض کا وعدہ فرماتے ہوئے وعد اللہ الذین الخ اور ہر وعدہ جو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ پورا ہو کے رہتا ہے، کیونکہ خدا کے وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا۔"

" ومن جملة وعده نصر جنده وجنده هم المؤمنون والمؤمنون منصورون علی کل حال سواء کانوا قلیلین او کثیرین ۔"

" اور اس کے وعدوں سے ایک وعدہ یہ ہے کہ میں اپنے لشکر کی مدد کرتا ہوں ۔ اور اللہ کی فوج مؤمن ہیں ۔ اور مومن خواہ تھوڑے ہوں، یا زیادہ ہر حال میں اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے ۔"

" وعدم الحاجة الی اجتماع کل العرب فی هذه الواقعة وذلک لکثرتهم بالاسلام واستقبال الدولة وعزتهم باجتماع الرأی واتفاق

القلوب الذی هو خیر من کثرة الاشخاص
واراد بالکثرة القوة وغلبة "

" اور اس جنگ میں تمام عربوں کا جمع ہونا ضروری نہیں ۔ کیونکہ انہیں اسلام کی وجہ سے کثرت حاصل ہے ۔ دولت و عزت کا رخ ان کی طرف ہے ۔ وہ متفق الرائے ہیں ۔ ان کے دلوں میں اتفاق اور محبت ہے اور یہ صفات افراد کی کثرت کے مقابلے میں کہیں بہتر ہیں ۔ اور کثرت سے مراد قوت اور غلبہ ہے "

پھر ۳ : ۱۹۷ پر فرماتے ہیں ۔

" وبوعد اللہ تعالیٰ المسلمین بالاستخلاف فی الارض و تمکین دینهم الذی ارتضی لهم وتبدیلهم بخوفهم امنا کما هو مقتضی الایة "

" مسلمانوں کو خلافت خدا کے وعدے کے مطابق ملی ۔ اور دین اسلام کو جو خدا کا پسندیدہ دین ہے ۔ تمکین خدا کے وعدے کے مطابق ملی ۔ اور خوف کے بعد امن خدا کے وعدے کے مطابق ملا ۔ جو آیت استخلاف کا مقتضیٰ ہے "

اسی طرح درة النجفیہ شرح نہج البلاغہ صد ۱۹۰ پر ہے ۔

" والموعود هو النصرة والغلبة والاستخلاف فی الارض کما قال تعالیٰ وعد اللہ الذین امنو منکم الخ "

" اللہ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہے ۔ وہ مومنوں کی مدد کرنا ہے ۔ ان کو غلبہ دینا ہے ۔ اور زمین میں خلیفہ بنانا ہے ۔ جیسا کہ آیت کا منشا ہے "

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ اور اس کی شرح سے واضح ہو گیا کہ :-

(۱) حضرت علیؓ نے امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کو ذاتی طور پر جنگ میں شامل نہ ہونے کا مشورہ دیا ۔ اور آپ نے قبول فرما لیا ۔ اس سے بڑھ کر باہمی خیر خواہی اور باہمی

اعتماد کا ثبوت کیا ہوگا۔

(۲) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہماری فتوحات کی وجہ کثرت نہیں، بلکہ اللہ کی مدد ہے جو اس نے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی حضرت علیؓ نے اللہ کے وعدے کا مصداق صدیق و فاروق کو قرار دیا۔

(۳) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ کا وعدہ لازماً پورا ہو کے رہے گا۔ یعنی آپ کے جانے کی ضرورت نہیں وعدہ پورا ہو کے رہنا ہے۔

(۴) آخر میں بات واضح کر دی کہ خلافت خدا کے وعدے کے مطابق ملی۔ ظاہر ہے کہ خلافت پہلے ابوبکر صدیقؓ کو ملی، پھر عمر فاروقؓ کو پھر عثمان غنیؓ کو۔ اور یہ تینوں خدا کے وعدے کے مطابق ملیں۔ بلافصل والی بات تو بناوٹی ٹھہری، کیونکہ یہ تینوں وعدے تو خلفائے ثلثہ کے عہد میں پورے ہوئے۔

(۵) وہ فوج جو فاروق اعظمؓ بھیج رہے تھے۔ وہی اللہ کی فوج تھی۔ جس کو غلبہ دینے کا اللہ نے وعدہ فرمایا اور غلبہ عطا کر کے وعدہ پورا کر دیا۔ لہٰذا یہی مصداق ہوئی اس آیت کی۔

(۶) حضرت علیؓ نے شیخین کے عہد کے مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں اتفاق، متفق الرائے ہونا، دلوں میں باہمی محبت ہونا جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ جن کی بنا پر اللہ انہیں غلبہ عطا فرماتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ شیخین کے عہد میں مسلمان اسی طرح متحد، متفق اور ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے۔ جس طرح زمانۂ نبویؐ میں حضورؐ کی تربیت سے تیار ہوئے تھے۔ ان میں اختلاف، دشمنی اور بغض کے افسانے یار لوگوں نے زیب داستان کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ یہ لوگ گویا حضرت علیؓ کو معاذ اللہ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اگر حضرت علیؓ سے ان لوگوں کا دور کا تعلق بھی ہوتا تو ایسی بے پر کی نہ اڑاتے۔

اسی طرح ایک شیعہ عالم سید رضی الدین ابی القاسم علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاؤس الحسنی والحسینی متوفی ۶۶۴ھ کی کتاب کشف المحجۃ لثمرۃ المھجۃ مطبوعہ

نجف اشرف کے صفحہ ۵۴ پر درج۔

"واعلم یا ولدی یقینا انما فتح بلاد اسلام بعد جدك محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم بتائید اللّٰه جل جلاله وما وعده ان یبلغ الیها بنوته وامره وقد کان جدك صلی اللّٰہ علیه وسلم اخبر جماعة من المسلمین انه یفتح علی ید نبوته بلاد کسری وقیصر وکلما فتحوه بعده وکان المسلمون قد جربوا علیه صدقه ووعده وسمعوا القرآن یتضمن لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون وقد ذکر جماعة من اصحاب التواریخ تصدیق ما اشرت الیه وعلی خاطری مما وقفت علیه ما ذکره اعثم فی تاریخه ما معناه ان ابا بکر لما بدأ بانفاذ ابی عبیده والجیوش الی الروم ومات قبل ان یفتحها وفتحها المسلمون بعده فی ولایة عمر قال له قوم لا تخرج مع العسکر وقال قوم اخرج معهم فقال لابیك علی علیه السلام ما تقول انت یا ابا الحسن فقال له علی ان خرجت نصرت وان احمیت نصرت فقال له صدقت۔

الی ان قال یا ولدی فهل تری ما کان فتح البلاد الا بتلك الوعود الصادقة والعنایة الالهیة الفائقة"

"بیٹا! یہ یقینی امر ہے کہ اسلامی ملکوں میں جو فتوحات تیرے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئیں۔ وہ محض اللہ کی امداد نصرت اور تائید سے ہوئیں۔ اور اس وعدہ کے مطابق ہوئیں۔ جو حضور انورؐ نے فرمایا تھا کہ میری نبوت اور میرا دین ان شہروں تک پہنچے گا۔ اور یقیناً تیرے نانا محمدؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت کو خبر دی تھی۔ کہ میری نبوت کے ہاتھ پر قیصر و کسریٰ کے شہر فتح ہوں گے۔ حضورؐ کے بعد صحابہ نے جب کبھی کوئی شہر فتح کیا حضورؐ کے وعدہ کے سچا ہونے کی دلیل بنتی گئی۔ اور صحابہ رسولؐ خدا سے قرآن کی یہ پیشگوئی سن چکے تھے کہ دین محمدؐ کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا اور اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔ اور مؤرخین نے میرے اس بیان کی تصدیق کی ہے اور جس حقیقت سے میں واقف ہوں وہ میرے دل میں موجود ہے۔ اس کو اعثم کوفی (شیعہ) نے بھی اپنی تاریخ میں لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب صدیق اکبرؓ نے ابو عبیدہ کو فوج دے کر روم کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا اور صدیقؓ کی وفات ہو گئی۔ اور یہ ملک خلافتِ فاروقی میں فتح ہوا۔ جب فارس سے جنگ کے موقع پر ایک گروہ نے فاروقؓ کو کہا کہ آپ جنگ میں شامل نہ ہوں۔ دوسرے نے کہا آپ محاذ پر ضرور جائیں تو آپؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا آپ جائیں جب بھی فتح ہو گی نہ جائیں جب بھی فتح ہو گی ۔ فاروقؓ نے کہا یہ درست ہے ...... بیٹا کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شہر بھی فتح ہوئے وہ محض ان سچے وعدوں کے مطابق ہوئے جن کے متعلق اللہ و رسولؐ نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ یہ محض اللہ کی عنایت سے ہوئے، اور اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے تھے"۔

اس اقتباس سے کئی اہم امور کی وضاحت ہو گئی۔

(۱) حضورؐ انور کے بعد جس قدر فتوحات ہوئیں وہ خلفائے ثلثہ کے عہد میں ہوئیں۔

(۲) شیعہ کا اعتراف ہے کہ اس وعدہ الٰہی کے مطابق ہیں۔ جس کے تحت حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میرا دین اور میری نبوت یہاں پہنچے گی۔

(۳) ثابت ہوا کہ خلفائے ثلثہ کے ہاتھ سے ایک تو وعدۂ الٰہی پورا ہوا۔ دوسرا انہوں نے حضورؐ کی نبوت اور حضورؐ کا دین ان شہروں تک پہنچایا جو ان کے کامل الایمان

ہونے کا ہی نہیں، بلکہ دین کی خاطر جانبازی کا ثبوت ہے۔

(۴) حضور اکرمؐ نے قیصر و کسریٰ کے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے کی خوشخبری دی تھی۔ اور یہ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں فتح ہوئے۔

(۵) شیعہ عالم نے کہا کہ یہ فتوحات لیظهره علی الدین کله کی عملی تفسیر تھیں تو ثابت ہوا کہ خلفائے ثلثہ نے حضورؐ کے نائب کی حیثیت سے دین حق کو ادیان عالم پر غالب کر دیا۔

(۶) سید رضی الدین نے کمالِ صفائی سے اعتراف کیا کہ آیت استخلاف کے مصداق خلفائے ثلاثہ ہیں۔

۳۔ شیعہ مفسر فتح اللہ کاشانی نے اپنی تفسیر منہج الصادقین ۴: ۳۰۷ میں زیر آیت و قل رب ادخلنی الخ لکھا ہے۔

"پس حق تعالیٰ اجابت دعوت آنحضرتؐ فرمود و بقوله فان حزب الله هم الغالبون و بقوله لیظهره علی الدین کله و بقوله لیستخلفنهم فی الارض امام جعفر صادق علیه السلام از آبائے کرام خود روایت کرده که رسول خدا ایں دعا در وقتی کرد که در غار بود:"

"اللہ تعالیٰ نے رسولؐ خدا کی یہ دعا ان آیات کو نازل کر کے قبول فرمائی کہ بیشک خدا کی فوج ہی غالب رہنے والی ہے، اور یہ کہ" اللہ دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرے گا، اور یہ کہ ان مہاجرین کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ اور امام جعفر صادق نے اپنے آبائے کرام سے یہ روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے یہ دعا اس وقت کی، جب آپؐ غار میں تھے۔ (جہاں صدیق اکبرؓ کے ساتھ تھے)"

۴۔ شیعہ مؤرخ واقدی نے اپنی تاریخ فتوح شام ۱: ۱۳۸ اور ۱: ۱۵۰ پر لکھا ہے کہ جنگ یرموک کو مؤرخ قیامت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس

جنگ میں عیسائیوں کی پوری قوت میدان میں موجود تھی۔ اور مسلمان ۳۰ ہزار تھے۔ سب سے پہلے حضرت معاذ بن جبل نے صفوں کے سامنے باآواز بلند آیت استخلاف کی قرأت کی اور یاد دلایا کہ اسلام تمام دینوں پہ غالب ہوگا۔ اور یہ کام ان مہاجرین و انصار کی تلوار سے ہوگا۔" یہ اس امر کا ثبوت تھا۔ کہ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا۔ کہ اس آیت کا مصداق خلفائے ثلاثہ ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمائی تھی۔

یہاں ہم ایک بار پھر وضاحت کر دیتے ہیں۔ کہ ضمیر مخاطب صرف حاضرین کے لیے خاص ہوتی ہے اس کے ثبوت میں شیعہ کی چوٹی کی کتاب معالم الاصول ص۱۹۳ کا حوالہ گزر چکا ہے اسی پائے کی دوسری کتاب شیخ مرتضیٰ کی فرائد الاصول ہے۔ اس کے ص۴ پر بعینہٖ وہی الفاظ درج ہیں جو معالم الاصول سے پیش کئے جا چکے ہیں لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حاضرین وقت نزول آیت کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ

(۱) تمہیں خلافت فی الارض کا انعام دوں گا۔

(۲) دین کا محکم و مضبوط ہونا دنیا پہ غالب ہونا، حدود شرعی کا پوری طرح جاری ہونا، جہاد کے ذریعے اعلائے کلمۃ الحق ہونا تمہارے ہاتھوں سے ہوگا۔

(۳) خانہ جنگی سے محفوظ رہ کر امن و سلامتی کی فضا پیدا ہونا تمہارے ہاتھوں سے ہوگا۔

یہ تین نعمتیں بغیر خلفائے ثلاثہ کے کسی عہد میں پوری نہیں ہوئیں لہٰذا وہی اس کا مصداق ہیں۔ پھر حضرت علیؓ کا عقیدہ بحوالہ نہج البلاغہ گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک آیت کا مصداق خلفائے ثلثہ ہیں۔ خلفائے ثلثہ کے دور میں حضرت علیؓ وزیر اور مشیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اور مسلمانوں کی موجودہ فوج میں آپ اور آپ کے بیٹے حضرت حسنؓ اس خدائی فوج میں شامل رہے۔

۵۔ شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب تتمہ المنتہی طبع ایران ص۲۷ پہ لکھا ہے :۔

"تا زمانہ ما بحمد اللہ بلدہ اصفہان قبۃ الاسلام و غبطہ اہل اسلام در آں است و مسجد یست دراینجا معروف بلسان الارض در طرف مشرق مزار تخت فولاد نزدیک بقبر فاضل ہندی۔ اہل اینجا می گویند کہ ایں موضع زمین با حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تکلم کردہ در زمان کہ آنحضرت در ایام خلافت عمرؓ بن الخطاب با لشکر اسلام بجہت فتوحات بایں مکان تشریف آوردہ وازیں جہت اور السان الارض میگویند وحضرت دراینجا نماز خواندہ۔	خدا کا شکر ہے کہ ہمارے زمانہ تک اصفہان قبۃ الاسلام اور اہل ایمان کا مرکز ہے یہاں ایک مسجد ہے جسے لسان الارض کہتے ہیں جو مزار تخت فولاد کی شرقی جانب فاضل ہندی کی قبر کے پاس ہے وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں لشکر اسلام کے ساتھ حضرت امام حسنؓ فتوحات کی غرض سے تشریف لائے اس زمین نے آپ سے کلام کی اسی وجہ سے اس کو لسان الارض کہتے ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے یہاں نماز ادا کی۔

⁂

شیعہ عالم شیخ عباس قمی نے اصفہان کو قبۃ الاسلام قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حیثیت اس شہر کو حضرت عمرؓ نے عطا کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ فاروقی لشکر میں امام حسنؓ ایک سپاہی کی حیثیت سے اسلامی فتوحات کی غرض سے شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ فاروقی فوج اسلامی فتوحات کے لیے نکلی جس کے ایک فرد امام حسنؓ تھے۔ اس فوج میں آپ کا شامل ہونا ظاہر کرتا ہے کہ آپؓ کے والد حضرت علیؓ کا مشورہ بھی شامل تھا۔ کیونکہ وہ حضرت عمرؓ کے مستقل مشیر تھے۔ یعنی حضرت عمرؓ کے عہد میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو رہا تھا۔ جو آیت استخلاف میں مذکور ہے۔

۶۔ علامہ میثم بحرانی شارح نہج البلاغہ نے بڑی وضاحت سے خلفائے ثلثہ کی خلافت کو آیت استخلاف کی موعودہ خلافت بیان کیا ہے۔ ان کی فوج کو خدائی فوج کا نام دیا۔ اور جو دین خلفائے ثلثہ نے پھیلایا اس کو دین اسلام تسلیم کیا۔

۷۔ فتوح شام۔ شیعہ مورخ واقدی ۱: ۱۵۴۔

جنگ یرموک میں عیسائیوں کی عظیم فوج کا سپہ سالار ماھان تھا۔ ہرقل کا بڑا معتمد علیہ تھا۔ اس کا پیغام واقدی نے نقل کیا ہے جو ماہان نے ہرقل روم کو بھیجا تھا۔

"وقال لهم اسمعوا یا اصحاب	اے شاہ کے مصاحبو! میری بات سنو
الملك و بلغوه عنی انی	اور میرا پیغام شاہ ہرقل کو پہنچاؤ کہ میں نے
ما ترکت جهدی فی نصرة	دین عیسوی کی مدد میں کوئی کسر
هذا الدین و حامیت عن	نہیں چھوڑی شاہ کی حمایت میں کمی
الملك وقاتلت عن نعمته	نہیں رہنے دی۔ اس کی مہربانی سے
وما اقدر ان اغالب رب	خوب جنگ کی لیکن میں آسمانوں کے رب
السماء لانه نصر عرب	کیساتھ لڑنے کی قدرت نہیں رکھتا کیونکہ
علینا و ملکهم بلادنا والان	اس نے ہمارے خلاف عربوں کی مدد کی اور
مالی وجه ارجع الی الملك۔	عربوں کو ہمارے شہروں پر مسلط کر دیا۔
	میں اب کس منہ سے شاہ کے پاس لوٹ کر آؤں"

ماہان جیسا جرنیل جس نے ایرانیوں سے رومی ملک واپس لیا۔ خدائی فوج کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا اظہار کر رہا ہے اور اس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہے کہ اس فوج کا مقابلہ کرنا رب العالمین کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے۔ غیروں کی حقیقت پسندی دیکھو کہ خلفائے محمدؐ کی برتری تسلیم کرنے میں عار نہیں اور اپنوں کی کینہ پروری دیکھو کہ جانشینانِ رسولؐ کو مسلمان تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

چنیں دورِ آسمان کم دیدہ باشد

۸۔ روضہ کافی طبع ایران ص ۲۲۵ امام باقر کا خطبہ

"وهم من بعد غلبهم	اور وہ یعنی فارس ان کے یعنی رومیوں
سیغلبون۔ وهم یعنی فارس	کے غلبہ کے بعد غالب ہوں گے۔

من بعد غلبهم الروم ،	یعنی عنقریب چند برسوں میں مسلمان
سیغلبون یعنی یغلبهم	غالب آ جائیں گے۔ پہلے اور بعد
المسلمون فی بضع سنین	میں حکم اللہ ہی کا ہے۔ اس روز
لله الامر من قبل ومن بعد	مومن خدا کی نصرت سے خوش
ویومئذ یفرحوا المؤمنون	ہوں گے ۔ اللہ جس کی چاہتا ہے
بنصر الله ۔ ینصر من یشاء	مدد کرتا ہے ۔ مسلمانوں نے جہاد
عز وجل فلما غزا المسلمون	کر کے جب فارس کو فتح کیا تو وہ
فارس وافتتحوها فرح	اللہ کی نصرت سے بہت خوش
المسلمون بنصر الله عز وجل	ہوئے ۔
قال (ای راوی) قلت الیس	راوی کہتا ہے ۔ میں نے کہا کیا
الله عز وجل یقول فی بضع	اللہ تعالیٰ نے چند برس نہیں
سنین وقد مضی للمؤمنین	فرمایا حالانکہ مومنوں پر رسول خدا
سنون کثیرة مع رسول	کے ساتھ بھی کئی سال گزر گئے ،
الله صلی الله علیه وسلم وفی	پھر صدیق اکبرؓ کا عہد بھی گزر گیا
امارة ابی بکر وانما غلب	مگر مومن فارس پر غالب آئے ۔
المؤمنون فارس فی امارة	تو عہد عمرؓ میں تو امام نے کہا
عمر فقال الامام	...... کیا تم نے نہیں سنا
اما تسمع لقول الله عز وجل	کہ اللہ نے فرمایا کہ اول و آخر
لله الامر من قبل ومن بعد	حکم خدا کا ہے ....
...... یوم یتم القضا	قضا و قدر کے فیصلے کے
بنزول النصر فیه علی	مطابق جس روز مومنوں کی نصرت
المؤمنین فذلك قوله	کا وقت آئے گا ۔ یہ ہے
عز وجل ویومئذ یفرح	فرمان باری تعالیٰ کہ اس

المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء الی یوم یتم القضاء بالنصر۔

روز مومن خدا کی نصرت کے نزول کی وجہ سے خوش ہوں گے۔

راوی کو آیت کا مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی امام باقر نے وضاحت کر دی کہ روم و فارس کی فتح کی تکمیل اہل ایمان کے ہاتھ سے ہوئی۔ اللہ کی مدد سے ہوئی۔ اور اہل ایمان اس روز بہت خوش ہوئے۔ یعنی فتوحات کا سلسلہ صدیق اکبرؓ کے عہد میں شروع ہوا۔ عہد فاروقی میں تکمیل ہوئی۔ دونوں چیزیں اہل ایمان کے ہاتھوں ہوئیں۔ صدیق و فاروق اہل ایمان کے سردار ہوئے اور ان کے ہاتھوں اللہ کا وعدہ پورا ہوا کہ وعد اللہ الذین الخ۔

"ثم وعدنا بموعود وھو النصر والغلبۃ والاستخلاف فی الارض کما قال وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض ....

پھر خدا نے ہم سے وعدہ کیا وہ وعدہ نصرت، غلبہ اور خلافت کا ہے جیسا کہ فرمایا وعد اللہ الذین الخ۔

من جملۃ وعدہ نصر جندہ وجندہ المؤمنون: فالمؤمنون منصورون علی کل حال سواء کانوا قلیلین او کثیرین۔

خدا کے وعدوں میں سے یہ وعدہ بھی ہے کہ اپنے لشکر کی امداد کرے گا۔ اور اس کا لشکر مؤمن ہیں۔ اور مومنوں کی نصرت کی جاتی ہے۔ ہر حال میں خواہ وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ ہوں۔

یعنی آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے نصرت غلبہ اور خلافت کا وعدہ کیا وہ وعدہ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں پورا ہوا۔

نیز وعدہ تھا اپنے لشکر کی نصرت کا، اللہ کا لشکر مومن ہیں۔ اور مومن نصرت یافتہ ہیں لہذا خلافت ثلثہ کی فوج اللہ کی فوج ہوئی اور مومن ہوئے جبھی تو ان کی نصرت فرمائی۔ اور اس فوج کے سپہ سالار، یعنی خلفائے ثلاثہ اکمل الایمان ہوئے اور آیت استخلاف کے مصداق ہوئے۔

حضرت علیؓ اور خلفائے ثلثہ کی بیعت

حق کی یہ خاصیت ہے کہ اسے خواہ کتنا دبا دیا جائے وہ کبھی نہ کبھی گوشے سے ظاہر ہو جایا کرتا ہے۔ خلفائے ثلثہ کی شان اور ان کی فضیلت پر پردہ ڈالنے کے لیے اور انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کے لیے منظم کوششیں ہوتی رہیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ مگر ان دبیز پردوں کو پھاڑ کر ان ظلمتوں کے اندر سے حق کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

فرق الشیعہ۔ ابی محمد الحسن بن موسیٰ النوبختی طبع نجف اشرف ۱۹۶۹ء۔ ص ۳۸

یہ تیسری صدی کا شیعہ عالم ہے۔

"قالت (الشیعة) ان علیا کان اولی الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناس لفضلہ وسابقتہ وعلمہ وھو افضل الناس کلھم بعدہ واشجعھم واسخاھم واورعھم وازھدھم وجازوا امامة ابی بکر وعمر وعدوھما اھلا لذلک المکان والمقام وذکروا ان

شیعہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ سب سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہ فضیلت، سبقت اور علم میں سب سے بڑھ کر ہیں اور اپنی سخاوت، شجاعت، ورع، زہد کی وجہ سے اپنے سے بعد والوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود تمام صحابہ نے باتفاق رائے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی امامت کو جائز سمجھا۔ اور ان کو اس منصب اور مقام کا اہل تسلیم

عليا عليه السلام سلّم لهما الامر و رضی بذلك و بايعهما طائعا غير مكره و ترك حقه لهما و نحن راضون كما رضى الله المسلمين له و لمن بايع لا يحل لنا غير ذلك و لا يسمع منا احدا الا ذلك و ان ولاية ابی بكر صارت رشدا و هدیٰ لتسليم علیّ و رضاه۔

کیا اور یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت علیؓ نے اپنا حق ان کو دے کر برضا و رغبت ان کی بیعت کی اس میں جبر کو مطلق دخل نہ تھا اور ہم اس پر راضی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہے ان کے لیے اور جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی بیعت کی۔ ہمارے لیے بھی اس کے بغیر کوئی رد یہ جائز نہیں اور ہم سے کوئی شخص اس کے بغیر نہیں سنے گا۔ اور حضرت علیؓ کے تسلیم کرنے اور راضی ہونے کی وجہ سے ابوبکرؓ کی خلافت سراپا رشد و ہدایت ہے۔

ث

شیعہ کا یہ بیان حضرت علیؓ کے بیان کی تائید ہے اور تصدیق ہے۔ اور خلافت بلافصل کا حل بھی ہے۔ اگر حضرت علیؓ کی خلافت کا حق تسلیم بھی کیا جائے تو انہوں نے اپنا حق خلفائے ثلثہ کو دے کر اور برضا ان کی بیعت کر کے بعد کے شیعہ کی اس تہمت کی تردید کر دی کہ خلفائے ثلثہ نے حق غصب کیا تھا۔ یہ بات ایک مفروضہ کو تسلیم کر لینے کی بناء پر ہے۔ قرآن و سنت میں حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کا کوئی نشان تک نہیں ملتا۔ دین شیعہ میں یہ امر ضروریات دین میں شامل کر لیا گیا تو یہ غلو کی ایک ایسی انسانی کوشش ہے۔ جس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

تیسری صدی کے ایک شیعہ عالم کی صراحت کے باوجود اگر کوئی شخص اس بات پر اصرار ہی کرے کہ حضرت علیؓ نے جو بیعت کی وہ صرف قولی اور فعلی تھی۔ قلبی اور حقیقی نہ تھی تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

شریعت ظاہری احکام کا نام ہے اور مسلمان ظاہر شریعت کے مکلف ہیں۔ اس لیے حضرت کے ظاہری قول و فعل پر ہی شریعت کے حکم کا اطلاق ہو گا۔ کسی کا دل چیر کے

کون دیکھتا ہے اور دیکھ سکتا ہے اگر شریعت کے اس اصول کو سامنے نہ رکھا جائے تو دینی امور تو الگ رہے دنیوی کام بھی تلپٹ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص زبان سے لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ مگر قاضی کے سامنے کہتا ہے کہ میں نے دل سے طلاق نہیں دی تھی صرف زبان سے کہا تھا۔ تو قاضی کیا فیصلہ دے گا۔

یا کوئی شخص مجسٹریٹ کے سامنے زبان سے اقرار جرم کرتا ہے۔ مگر کہتا ہے کہ میرے دل میں تو انکار پوشیدہ ہے۔ تو مجسٹریٹ اس کے موجودہ زبانی اقرار پر فیصلہ کرے گا یا دل کے انکار پر۔

اس بنا پر جب حضرت علیؓ نے اپنے قول و فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ خلفائے ثلثہ کی امامت کو تسلیم کرتے ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے ہیں تو کسی کا اس پر اصرار کہ دل سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ بال ہٹ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا

اس اصول کی شہادت میں حضرت علیؓ کا ایک بیان ملاحظہ ہو

نہج البلاغہ طبع مصر ا: ۳۸ خطبہ ۷

حضرت زبیرؓ کے متعلق فرماتے ہیں:

"یزعم انه قد بایع بیده ولم یبایع بقلبه فقد اقر بالبیعة وادعی الولیجة فلیأت علیها بامر یعرف والا فلیدخل فیما خرج منه۔

(زبیر) یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے ظاہری طور پر ہاتھوں سے بیعت کی دل سے نہیں کی۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے بیعت کا اقرار کر لیا۔ اور دعوی خلاف باطن کا کرتا ہے تو اس پر کوئی ظاہری دلیل پیش کرے ورنہ وہ داخل ہو جائے جس سے خارج ہوا۔

✤

یعنی حضرت علیؓ نے فیصلہ دے دیا کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہی اقرار بیعت کی دلیل ہے اور یہ کہنا کہ دل سے بیعت نہیں کی در خود اعتنا نہیں۔

زمانہ حال کے شیعہ مجتہد سید علی نقی نے شرح نہج البلاغہ میں اس خطبہ کی شرح میں لکھا ہے۔

"چوں زبیر نقض عہد کردہ در میدان جنگ با آنحضرت برآمد آنجناب باو فرمود تو با من بیعت کردہ ای واجب است کہ مرا پیروی کنی در پاسخ گفت ہنگام بیعت تو توریہ نمودم یعنی بزبان اقرار و در دل خلاف آنرا قصد کردم حضرت می فرماید زبیر گمان می کند بدست بیعت کردہ و در دل مخالفت بودہ بہ بیعت خود اقرار کردہ و معترف است و ادعا دارد کہ در باطن خلاف آنرا پنہاں داشتہ بنابریں باید کہ حجت و دلیل بیارد تا راستی گفتار او معلوم شود و اگر دلیلے نداشت بیعت او بحال خود باقی است باید کہ مطیع و فرمانبردار باشد۔	جب زبیر عہد توڑ کر میدان جنگ میں حضرت علیؓ کے مقابلے میں آئے تو آپ نے فرمایا۔ تو نے میرے ساتھ بیعت کی ہے۔ اس لیے میری پیروی تم پر فرض ہے زبیر نے جواب دیا کہ میں نے بیعت کے وقت توریہ کیا تھا۔ یعنی زبان سے اقرار کیا لیکن دل میں انکار تھا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ زبیر کا خیال ہے کہ اس نے ظاہراً بیعت کی تھی دل سے خلاف تھا۔ یہی تو اس کا اقرار ہے کہ اس نے بیعت کی۔ اسے چاہیئے کہ دل کی بات پر دلیل پیش کرے۔ اگر دلیل نہیں تو اس کی بیعت باقی ہے اس لیے اسے چاہیئے کہ میرا مطیع اور فرمانبردار رہے۔

حضرت علیؓ کے اس استدلال کو دیکھ کر کون باور کر سکتا ہے۔ کہ دوسروں پر جس اصول کا اطلاق کرتے ہیں۔ آپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ آپ نے دو ٹوک فیصلہ کر دیا کہ قولی اقرار اور عملی اقدام ہی حجت ہے۔ آدمی لاکھ کہے کہ میرے دل میں اس کے خلاف عقیدہ ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

جہاں تک حضرت علیؓ کا خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا معاملہ ہے غیر دل

نے ان کے ذمے تہمت لگا دی کہ وہ دل سے اس امر کے خلاف تھے اور یہ درحقیقت نفاق کی تہمت ہے مگر اس پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کا نام تقیہ رکھ دیا۔ بھلا نام بدلنے سے حقائق بھی کبھی بدلا کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے تو ان اتہام پردازوں کی تردید فرمادی ہے۔

"انہ بایعنی القوم الذی بایعوا ابا بکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم فلم یکن للشاھد ان یختار و لا للغائب ان یرد۔ وانما شوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل و سمعوہ اماما کان ذلک للہ رضا۔

(شرح نہج البلاغہ بحرانی ۴: ۳۵۲)

میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور اسی بات پر بیعت کی جس کا عہد ان لوگوں نے تینوں سے کیا تھا۔ لہٰذا ہر حاضر کا فرض ہے کہ اپنے اختیار سے دست بردار ہو جائے۔ اور ہر غائب پر واجب ہے کہ اس کا انکار نہ کرے اصحاب الرائے تو مہاجرین و انصار ہیں اگر وہ کسی شخص کے حق میں اجماع کرلیں اور اسے اپنا امام بنالیں تو اللہ کی رضا اسی میں ہے۔"

⁂

کتنا صاف بیان ہے اور کیسا واضح اصول ہے کہ اہل الرائے مہاجرین و انصار ہیں جس شخص کی قیادت پر ان کا اجماع ہو جائے اور اس کو وہ امام تسلیم کرلیں۔ اسی میں اللہ کی رضا ہے گویا آپ نے اعلان کر دیا کہ خلفائے ثلثہ کی قیادت اور امامت پر مہاجرین و انصار کا اجماع ہے لہٰذا یہ فیصلہ اللہ کے ہاں درست اور پسندیدہ ہے۔

بات کتنی واضح ہو حیلہ جو طبائع چور دروازے ڈھونڈ لیتی ہیں چنانچہ اس قول کے متعلق کہا گیا کہ یہ الزامی قول تھا۔ مگر یہ کہتے وقت اس حقیقت کو بھول گئے۔ کہ آئمہ جو بقول شیعہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں الزامی زبان میں گفتگو نہیں کیا کرتے بلکہ سیدھے طریقے سے حقائق بیان کیا کرتے ہیں۔ الزامی انداز تو ان کی شان کے بالکل منافی ہے

حضرت علیؓ نے خود اپنے ایک بیان میں اس کی تردید فرمائی ہے۔

امالی شیخ ابو جعفر طوسی مطبع نعمانی نجف اشرف طبع ۱۹۶۴ء ۲ : ۱۲۱

"وبایعتم ابا بکر وعدلتم
عنی فبایعت ابا بکر
کما بایعتموہ وکرھت
ان اشق عصا المسلمین
وان افرق بین جماعتھم
ثم ان ابا بکر جعلھا
لعمر من بعدہ وانتم
تعلمون انی اولی الناس
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وبالناس بعدہ
فبایعت عمر کما بایعتموہ
فوفیت لہ ببیعتہ حتی
لما قتل جعلنی سادس
ستۃ فدخلت حیث
ادخلنی وکرھت ان
افرق جماعۃ المسلمین
واشق عصاھم فبایعتم
عثمان فبایعتہ وانا جالس
فی بیتی ثم اتیتمونی
غیر داع لکم ولا مستکرہ
لاحد منکم۔ فبایعتمونی

تم نے ابوبکرؓ کی بیعت کی اور میری
مخالفت کی۔ حالانکہ میں نے بھی ابوبکرؓ
کی بیعت اسی طرح کی جیسے تم نے
ان کی بیعت کی تھی۔ اور مجھے یہ ناپسند
تھا کہ میں مسلمانوں میں یعنی صحابہ
کرام میں نا اتفاقی ڈالوں اور ان کی
جماعت میں افتراق پیدا کروں۔
اور تم جانتے ہو کہ میری قرابت رسولؐ
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
سب سے زیادہ تھی۔ پھر میں نے
عمرؓ کی بیعت اسی طرح کی جیسے تم
نے کی تھی۔ اور میں نے حضرت عمرؓ
کے ساتھ کما حقہٗ وفا کی۔ حتیٰ کہ
جب وہ شہید ہوئے تو مجھے
مجلس شوریٰ کے ارکان میں چھٹا
رکن مقرر کیا۔ میں نے حضرت عمرؓ کی مقرر
کی ہوئی رکنیت کو قبول کیا اور میں نے
مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنا
پسند نہ کیا پھر تم نے حضرت عثمانؓ کی
بیعت کی اور میں نے بھی کی اور اب
میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوں اور تم بن

كما بايعتم ابا بكر و	بلائے میرے پاس پہنچ گئے اور میں نے
عمر و عثمان فما جعلكم	کسی شخص کو اپنی بیعت کے لیے مجبور نہیں
احق ان تفوا لابی بكر	کیا۔ پھر تم نے میری بیعت کی جن شرائط
و عمر و عثمان ببيعتهم	پر تم نے ابوبکرؓ عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت
منكم ببيعتی قالوا يا امير المؤمنين	کی تھی پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں تم میری
قل كما قال العبد الصالح	نسبت وفاداری کا زیادہ حق دار سمجھے
لا تثريب عليكم اليوم	سو کہنے لگے اے امیر المؤمنین! آپ بھی
يغفر الله لكم و هو ارحم	فرما دیجئے، جیسے حضرت یوسفؑ نے فرمایا
الراحمين فقال كذلك	تھا کہ آج تم پر کوئی زیادتی نہیں۔ اللہ
اقول يغفر الله لكم و هو	تعالیٰ تمہیں معاف کرے اور وہ بہت
ارحم الراحمين۔	زیادہ رحم کرنے والا ہے تو آپ نے
	فرمایا میں بھی کہتا ہوں کہ اللہ تمہیں معاف کرے"

اس اقتباس کے الفاظ پر غور کیجئے۔

(۱) یہ حضرت علیؓ کا اپنا قول ہے کسی اور امام یا کسی مجتہد کا قول نہیں۔

(۲) آپ نے دو ٹوک فیصلہ دیا کہ جس طرح تم لوگوں نے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ میں نے بھی اسی طرح کی تھی۔ اب یا تو ثابت کیا جائے کہ سب نے تقیہ کیا تھا، یا تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت علیؓ نے بھی باقی صحابہ کی طرح دل سے بیعت کی تھی۔ اسی طرح یا تو ثابت کیا جائے کہ سب سے جبراً بیعت لی گئی تھی۔ یا مان لیا جائے کہ سب صحابہ کی طرح حضرت نے بھی برضا و رغبت بیعت کی تھی، یہ کما بایعتموہ کہہ کر حضرت علیؓ نے ہر حیلہ جو، کج رو اور افترا پرداز کے منہ پر وہ چپت رسید کی ہے کہ قیامت تک اس کی ٹیس اٹھتی رہے گی۔

(۳) اب تو الزامی بیان کہنے والوں کو شرم ہی آنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا"

"حق کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کریم کی جو مخالفت کرتا ہے اس طرح کہ سابقہ مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ نکالتا ہے ہم اسے اسی گمراہی میں چلائیں گے اور جہنم میں داخل کریں گے"

حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے خطاب کرتے ہوئے اس آیت کا حوالہ دے کر بیعت کے سلسلے میں ایک اصول بیان فرمایا۔

"انما الشوری للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموه اماما کان ذلک الله رضا فان خرج عن امرهم خارج بطعن او بدعة ردوه الی ما خرج منه فان ابی قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المؤمنین وولاه الله ما تولی ولعمری یا معاویه لئن نظرت بعقلك دون هواك لتجدنی ابرأ الناس من دم عثمان ولتعلمن انی کنت فی عزلة منه۔

خلافت کے مشورے کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے کسی شخص پر اگر وہ متفق ہو جائیں اور اس کو امام و خلیفہ بنا دیں تو ان کا پسندیدہ اللہ کا پسندیدہ ہوگا۔ جو شخص ان کے مشورے کا مخالف ہو، اعتراض کرے یا نئی راہ نکالے تو اسے سیدھی راہ پر واپس لاؤ جو مہاجرین و انصار کا فیصلہ ہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اس سے جنگ کرو۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی راہ سے ہٹ کر اسلام سے نکل چکا اور اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف پھیرے رکھے گا جدھر وہ پھر چکا اے معاویہ! مجھے اپنی جان کی قسم اگر تم نفس کی اتباع کی جگہ عقل سے کام لو تو یقیناً مجھے خون عثمان سے بری الذمہ پاؤ گے۔ اور تجھے معلوم ہو جائے گا۔ اس قتل سے بالکل علیحدہ تھا۔

(شرح نہج البلاغہ میثم بحرانی ج ۴: ۳۵۲)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ:

(۱) حضرت علیؓ اپنی خلافت کا حق امیر معاویہ سے منوانا چاہتے ہیں، مگر کوئی نص نہیں پیش کی حالانکہ اس موقعہ پر نص سے بڑھ کر کوئی دلیل کارگر نہ تھی۔

(۲) آپ نے یہ اصول بیان کیا کہ مہاجرین وانصار جس کو خلافت وامامت کا مستحق قرار دیں وہی امام برحق اور خلیفہ راشد ہے اور وہی اللہ کا پسندیدہ ہے۔ یعنی آپ نے بتا دیا کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت پر مہاجرین وانصار کا اجماع تھا۔ انہوں نے ان کو خلیفہ چنا ہے۔ لہٰذا خلفائے ثلثہ امام برحق بھی تھے اور اللہ کے پسندیدہ بھی تھے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ خلافت وامامت کے لیے نص کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ بلکہ مہاجرین وانصار کے اجماع کی ضرورت ہے۔

(۳) مہاجرین وانصار کے فیصلہ کے بعد جو شخص ان کے فیصلہ کو چھوڑ کر نئی راہ نکالتا ہے وہ واجب القتل ہے اور خارج از اسلام ہے۔ یعنی حضرت علیؓ نے یہ واضح کر دیا کہ انہوں نے تقیہ کر کے خلفائے ثلاثہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ بلکہ ان کے فیصلہ کو اللہ کا پسندیدہ فیصلہ سمجھ کر سچے دل سے بیعت کی تھی۔ اگر کہا جائے کہ تقیہ کیا تھا تو ظاہراً وہ جرم سے بچ گئے، اگر وہ عند اللہ تو واجب القتل اور خارج از سلام ہی ٹھہرے اس سے وہ کیسے بچ سکتے تھے۔

لہٰذا حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو بتا دیا کہ جس طرح میں نے مہاجرین وانصار کے فیصلہ کو اللہ کا پسندیدہ فیصلہ سمجھ کر خلفائے ثلثہ کی بیعت کی اسی طرح آج مہاجرین وانصار کے میرے حق میں فیصلہ کو تم بھی اللہ کا پسندیدہ فیصلہ تسلیم کر دو اور میری بیعت کر لو۔

اس اصول پر علامہ بحرانی نے مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

شرح نہج البلاغہ علامہ میثم بحرانی ۴: ۳۵۳

وحصر الشوری والاجماع فی	اور حضرت علیؓ نے شوریٰ اور اجماع کو
المهاجرین والانصار لانهم	مہاجرین وانصار کی جماعت میں بند
اهل الحل والعقد من امة	کر دیا۔ کیونکہ امت محمدیہ میں یہی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم
فاذا اتفقت کلمتہم علی
حکم من الاحکام کاجتماعہم
علی بیعۃ وتسمیۃ اماما کان
ذلک اجماعاً حقا ھو رضی
اللہ ای مرضی لہ وسبیل
المؤمنین الذی یجب
اتباعہ فان خالف امرھم
وخرج بطعن فیہم او فیمن
اجمعوا علیہ کخلاف معاویۃ
طعنہ فیہ بقتل عثمان
ونحوہ او بدعۃ کخلاف
اصحاب جمل وبدعتہم
فی نکث بیعۃ ردوہ الی
ماخرج عنہ فان ابی
قاتلوہ علی اتباعہ غیر
سبیل المؤمنین حتی یرجع
الیہ وولاہ اللہ ماتولی
واصلاہ جہنم ۔"

لوگ اہل حل وعقد ہیں۔ اگر مہاجرین
وانصار کسی حکم پر متفق ہوجائیں جیسے
حضرت علی کی بیعت پر متفق ہوگئے۔
یہ اجماع ان کا حق ہے اور وہی خدا کا
پسندیدہ ہے اور یہی اہل ایمان کی راہ
ہے۔ جس کی اتباع واجب ہے اور اگر
کوئی شخص ان مہاجرین وانصار پر یا ان
کے فیصلہ پر طعن کرکے ان کا مخالف ہو
جائے جیسے امیر معاویہ کا ان پر قتل
عثمان کا طعن کرکے ان کے مخالف
ہونا یا اصحاب جمل کی طرح نئی راہ
نکال کے اور بیعت توڑ کے مخالف
ہونا۔ سو ایسے شخص کو اسی سیدھی راہ
پر لاؤ جہاں سے وہ ہٹا ہے اگر وہ انکار
کرے تو اس سے لڑو کیونکہ وہ مسلمانوں
کی راہ سے ہٹ گیا ہے یہاں تک کہ
وہ لوٹ آئے اگر نہ لوٹا تو اسے گمراہی
پر چھوڑ دے گا۔ اور اسے جہنم میں
پہنچا دے گا۔"

شرح نہج البلاغہ درا نجفیہ صـ۲۹۸ پر بعینہ یہی عبارت موجود ہے اور شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام ۳ : ۸۳۴ میں عبارت فارسی موجود ہے۔

ان شارحین نے حضرت علیؓ کے قول کی شرح کرتے ہوئے کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رہنے دیا۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ :

(۱) خلافت وامامت کے لیے فیصلہ کن بات مہاجرین وانصار کا اجماع ہے اور بس۔
(۲) حضرت علیؓ اپنی خلافت امیر معاویہ سے منوانا چاہتے تھے اگر اس کے لیے کوئی نص ہوتی تو یقیناً پہلے وہی پیش کرتے۔
(۳) مہاجرین وانصار جس کی امامت اور خلافت پر اجماع کر لیں وہی خدا کا پسندیدہ ہے لہٰذا خلفائے ثلثہ کی طرح حضرت علیؓ بھی خلیفہ برحق ہیں۔
(۴) مہاجرین وانصار کا راستہ سبیل المؤمنین ہے اور ان کا اتباع واجب ہے۔
(۵) مہاجرین وانصار کی ذات یا ان کے فیصلے پر جو طعن کرے وہ مسلمانوں کی راہ چھوڑ بیٹھا لہٰذا واجب القتل ہے بقول حضرت علیؓ ظاہر ہے کہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ خلفائے ثلثہ کے حق میں مہاجرین وانصار کے فیصلے پر طعن کر کے واجب القتل ٹھہرتے اور مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ بیٹھتے۔
(۶) یہ اصول حضرت علیؓ کا بیان اور ان کا فتویٰ ہے لہٰذا جو شخص حضرت علیؓ کے فتویٰ کو قبول نہیں کرتا وہ مہاجرین وانصار کا مخالف حضرت علیؓ کا دشمن اور اسلام سے کوسوں دُور۔

ایسی واضح بات اور اتنے صاف فیصلہ کا انکار کرنے کے لیے اچھا خاصا فن کار ہونے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس فن کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرزا احمد علی امرتسری نے فرمایا تھا۔ کہ امیر معاویہ چونکہ منصوص خلافت کے منکر تھے اور اجماعی خلافت کے قائل تھے۔ اس لیے حضرت علیؓ نے یہ الزامی جواب دیا۔ اور اپنی خلافت کے ثبوت میں مہاجرین وانصار کے اجماع کا اصول پیش کیا۔

بات تو خوب بنائی گئی مگر لوگ کہتے ہیں کہ المعنی فی بطن الشاعر اس لیے اگر یہ بیان الزامی ہے تو صاحب بیان حضرت علیؓ کا قول پیش کیا جاتے۔ آپ اس واضح بیان میں اپنی پسند کا مفہوم داخل کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ ورنہ آپ بات بنا نہیں رہے بلکہ حضرت علیؓ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اگر بات وہی ہوتی جو آپ بنا رہے ہیں تو حضرت علیؓ پہلے اپنا عقیدہ پیش کرتے کہ خلافت منصوص ہے اور میری خلافت پر نص

موجود ہے اور اسے معاویہؓ! اگر تم اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے تو تمہارے عقیدے کے مطابق میں ثبوت دیتا ہوں کہ میری خلافت پر بھی مہاجرین و انصار کا اسی طرح اجماع ہوا ہے جیسے خلفائے ثلثہ کی خلافت پر ان کا اجماع ہوا تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اپنا وہی عقیدہ بیان کیا جو سب مسلمانوں کا تھا کہ مہاجرین و انصار جس کی امامت پر متفق ہو جائیں وہ شخص اللہ کا پسندیدہ ہے۔ اگر اس سیدھی بات کو تسلیم نہ کریں اور اسے الزامی جواب قرار دیں تو اس پر کئی سوال اٹھتے ہیں مثلاً یہ کہ :-

ایسے مناسب موقع پر حضرت علیؓ نے اپنی خلافت منوانے کے لیے نص کیوں نہ پیش کی۔ یہ اقدام ایک طرف تو کتمان حق ہے دوسری طرف شیعہ کو گمراہی میں دھکیل دینا ہے اور کتمان حق کرنے والوں کے لیے اللہ کی وعید ہے اولئک یلعنہم اللہ و یلعنہم اللاعنون۔

لہذا ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ کا عقیدہ وہی تھا جو آپ نے ظاہر کر دیا۔

سید علی نقی شارح نہج البلاغہ نے اس خطبہ میں تھوڑی سی تحریف کی ہے لکھتے ہیں۔

"پس بعقیدۂ شما کہ خلافت از جانب خدا و رسول تعین نشدہ بلکہ باجماع امت برقرار می گردد"

مگر شارح حضرت علیؓ کے الفاظ میں "بعقیدہ شما" کا اضافہ کرتے ہوئے یہ بھول گئے کہ آپ نے فرمایا انہ بایعنی القوم الذی بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان علی ما بایعو ھم علیہ یعنی ان لوگوں نے میرے ہاتھ پر ان شرائط پر بیعت کی جن شرائط پر ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

وہ شرائط کیا تھیں یہی کہ کتاب و سنت پر عمل کرنا اور رسولؐ کے نقش قدم پر چلنا اگر یہاں "بعقیدۂ شما" کا اضافہ کریں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اے معاویہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بیعت ہوئی کتاب و سنت پر عمل کرنے پر اور حضورؐ کے نقش قدم پر چلنے پر مگر میرا عقیدہ یہ نہیں۔ کیا آپ اس لفظ کے اضافہ سے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی شرط یہ تھی کہ کتاب و سنت کی مخالفت کرتی ہے اور رسولؐ کا اتباع ہرگز

نہیں کرتا ہے (معاذ اللہ) اور بعقیدہ شما مہاجرین و انصار کے مقرر کردہ خلیفہ کی مخالفت کرنے والا واجب القتل ہے اور خارج اسلام ہے اور جہنمی ہے۔ مگر میرا عقیدہ یہ نہیں اس لئے اے معاویہ! نہ تم واجب القتل نہ خارج از اسلام نہ جہنمی۔ کیا امیر معاویہ سے اپنی خلافت کا حق منوانے کا یہی طریقہ ہے۔

چند تفسیری نکات اور فضیلت خلفائے ثلثہ

اب ہم آیت کے الفاظ کی تشریح اور اسکی تفسیر اور شیعہ کے خیالات پیش کرتے ہیں۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم :- وعدہ ان لوگوں سے کیا گیا۔ جو مومن اور صالح ہوں۔

نیز نزول آیت کے وقت جو حاضر تھے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ وعدہ رسول خدا سے نہیں، بلکہ آپ کے متبعین سے ہے۔ کیونکہ نبی تو بعثت کے وقت سے ہی خلیفہ ہوتا ہے۔ لہذا نبی کو خلافت کا وعدہ دینا ایسا ہے۔ جیسے خلیفہ کو کہا جا رہا ہے کہ ہم تمہیں خلافت دیں گے۔ یہ تو تحصیل حاصل ہے۔

منکم :- میں "من" بعضیہ ہے بیانیہ نہیں کیونکہ ضمائر پر جو من داخل ہوتا ہے۔ وہ بعضیہ ہوتا ہے۔

لیستخلفنھم فی الارض :- خلافت فی الارض دو قسم ہے۔ لغوی اور شرعی۔

لغوی کا مطلب یہ ہے کہ ایک کو ہٹا کر دوسرے کو اس کی جگہ مکان دینا۔ وطن بنانا وغیرہ۔ شیعہ علمائے نے یہ معنی کئے ہیں کہ مکہ اور دوسری جگہوں سے ہجرت کر کے مدینہ وطن بنانا ہے۔ مگر آیت میں لغوی معنی مراد نہیں کیونکہ ایک جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ متوطن ہونا مومن صالح، فاسق، کافر سب کو حاصل ہے اور قرآن نے وعملوا الصالحات کی قید لگائی ہے اور ایمان کی قید لگائی ہے لغوی معنی مراد لینے سے یہ دونوں قیدیں لغو اور بے معنی ہو جاتی ہیں۔ تیسری قید الارض کی ہے۔ قرآن

نے جہاں کہیں خلافت یا حکومت کے ساتھ الارض کی قید لگائی ہے وہاں یقیناً تسلط اور حکومت مراد ہوتی ہے۔ جیسے

(۱) انی جاعل فی الارض خلیفہ

۲۔ یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض ۔

۳۔ و کذالک مکنا لیوسف فی الارض ۔

۴۔ الذین ان مکنا ھم فی الارض ۔

اس قید سے وہ خلافت اس وعدہ سے خارج ہے جو شیعہ کے ہاں ذہنی، وہبی روحانی، خفی، غیر ظاہری اور غیر جلی وغیرہ کے لفظوں سے تعبیر کی جاتی ہے گو خلافت سے خلافت لغوی بھی مراد ہوتی ہے۔ مگر اس آیت میں لغوی مراد نہیں ہو سکتی۔ اس خلافت کو رب العالمین نے سابقہ خلافتوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کما استخلف الذین من قبلھم۔ سابقہ خلافتوں کے متعلق قرآن مجید نے یہ فرمایا کہ:

۱۔ وآتینا ھم ملکا عظیما۔ ہم نے ان کو بہت بڑے ملک کی حکومت دی۔

۲۔ اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً۔

اکثر مفسرین نے اس آیت سے خلافت حضرت موسیٰ مراد لی ہے کہ ان کے بعد ان کے تین خلفاء حضرت یوشع بن حضرت طالب اور حضرت یوساقوس مراد ہیں۔ ان تینوں خلفاء کے حالات خلفائے ثلثہ صدیق و فاروق و عثمان سے ملتے جلتے ہیں۔ بعض مفسرین نے حضرت داؤد کی خلافت مراد لی۔ ان کے بعد حضرت سلیمانؑ حاکم ہوئے۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ دونوں مراد ہو سکتی ہیں اس تشبیہ سے واضح ہو گیا کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت بھی رنگ نبوت اور علی منہاج النبوت تھی۔ صرف ظاہری دنیوی حکومت نہیں تھی۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے موعودین کے ساتھ خلافت کے ساتھ تمکین دین و استحکام دین کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ ان نعمتوں کو پورا کرنے کا خلفائے ثلثہ کو آلہ بنایا ہے۔

اس حقیقت کا اظہار حضرت علیؓ نے ان الفاظ میں فرمایا:-

درۃ النجفیہ شرح نہج البلاغہ طبع قدیم صہ ۳۹۲

اور شرح میثم بحرانی ۵ : ۴۶۳ حضرت فاروق کی تعریف میں فرمایا:

"وولیھم وال فاقام واستقام	اور حاکم ہوا مسلمانوں کا ایک حاکم اور
حتی ضرب الدین بجرانہ	اس نے قائم کیا دین کو حتی کہ دین نے
ان الوالی ھو عمر بن	اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا۔
الخطاب (میثم)	والی سے مراد عمر بن الخطاب ہے
ان الوالی ھو عمر بن	"
الخطاب (درۃ النجفیہ)	
وضرب بجرانہ کنایۃ	سینہ زمین پر رکھ دیا کنایہ ہے
بالوصف المستعار عن	اس سے مراد قرار پکڑنے اور متمکن
استقرارہ وتمکنہ	ہونے کے جیسے بیٹھنے والا اونٹ
کتمکن البعیر البارک	جب زمین پر سینہ ٹیک دیتا ہے
من الارض۔	ترجم کے بیٹھ جاتا ہے۔

یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آیت استخلاف میں جو تمکین دین کا وعدہ ہے وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے پورا ہوا۔ حضرت علیؓ کے عقیدہ کے مطابق حضرت عمرؓ نہ صرف کامل دیندار ہیں، بلکہ دین کے ایسے خادم ہیں کہ انہوں نے دین اسلام کو استحکام بخشا۔

اور شیعہ تفسیر المیزان فی تفسیر القرآن ۱۵ : ۱۵۲

ولیمکنن لھم دینھم	کسی شے کے متمکن ہونے سے مراد
الذی ارتضی لھم قال	قرار پکڑنا ہے یہ کہنا ہے شے کا اپنی
تمکین الشیء اقرارہ	جگہ پر ثابت و قائم ہونا اس طور پر کہ
فی مکان وھو کنایۃ	نہ زوال ہو نہ اضطراب نہ تزلزل
عن ثبات الشیء من غیر	اس حیثیت سے کہ دین کسی
زوال واضطراب و	مانع یا رکاوٹ کے بغیر پورا

تتزلزل بحیث یؤثر اثرہ من غیر مانع ولا حاجز فتمکن الدین ھو کونہ معمولا بہ فی المجتمع من غیر کفر بہ او استھانۃ بامرہ۔

اثر کرے۔ پس تمکین دین یہ ہے کہ پورے دین پر عمل ہو۔ اسطرح کہ نہ انکار کا شائبہ رہے نہ دین کے احکام کی توہین کا۔

حضرت علیؓ کے کلام سے ثابت ہوا دین کو تمکین حاصل ہوئی عمرؓ فاروق کے ہاتھ سے اور تمکین سے مراد یہ ہوئی کہ دین کو وہ قوت حاصل ہوئی جسے زوال اور تزلزل کا اندیشہ نہ رہا۔ ثابت ہوا کہ آیت استخلاف میں تمکین دین کا وعدہ حضرت عمرؓ جیسے کامل الایمان خلیفہ کے ہاتھوں پورا ہوا۔

موعودہ خلافت سے مراد ان خلفاء کی خلافت ہے جن کے عہد میں قیصر و کسریٰ اور دیگر سلطنتیں مملکت اسلامیہ میں شامل ہوئیں چنانچہ

تفسیر منہج الصادقین ۶ : ۳۳۵

"در اندک فرصتے حق تعالیٰ بوعدہ مومناں وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسریٰ و بلاد روم بدیشاں ارزانی داشت۔"

تھوڑی سی مدت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا کہ جزائر عرب مملکت کسریٰ اور روم کے علاقے مومنوں کے ہاتھوں فتح ہوئے۔

یعنی یہ وعدہ اس عہد میں پورا ہوا جسے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہتے ہیں۔ اس کے بعد کی حکومت کو نبی کریمؐ نے ملک عضوض کا نام دیا ہے۔ یہ وہ حکومت ہے جس کا ظاہر زمین پر تسلط ہو اور باطن میں پورے دین کو نہ سنبھال سکے اس میں من وجہ ہدایت ہوئی ہے۔ من وجہ عدم ہدایت۔

تیسری قسم وہ حکومت یا ریاست عامہ ہے جو ظاہراً و باطناً خدا و رسولؐ کی بغاوت کی آئینہ دار ہو۔ ایسی حکومت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت مقرر ہوتی ہے جب

V. 9
5

کسی قوم کو سزا دینا یا تباہ کرنا مقصود ہو۔

اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً	جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو اس
اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا	کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر
فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ	جب وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں۔
فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا	تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر اس
	بستی کو تباہ اور غارت کر ڈالتے ہیں۔

لیستخلفنهم فی الارض :- شیعہ تفسیر صافی۔

لیجعلنهم خلفاء بعد نبیکم ۔ اللہ ان کو نبیؐ کے بعد خلیفہ بنائے گا۔

یعنی موعودہ خلافت وہی ہے جو نبی کریمؐ کے بعد متصل خلفائے ثلثہ کو اللہ نے عطا کی۔

اور تفسیر مجمع البیان ۔ شیخ ابو علی طبرسی۔

"لیورثنهم ارض الکفار	یعنی ان کو کفار کی زمین کا عرب وعجم
من العرب والعجم	میں وارث بناؤں گا۔ ان کی زمین میں
فیجعلهم سکانها	ان موعودہ مومنین کو سکونت دوں گا اور
وملوکها۔	ان کو حاکم و بادشاہ بناؤں گا۔"

عرب وعجم کی کفار کی زمین کو فتح بھی خلفائے ثلثہ نے کیا۔ اور اس پر حکومت بھی انہوں نے کی۔

تفسیر شیعہ مجتہد طباطبائی ص ۱۵۳۔	یہ آیت نبی کریمؐ کے صحابہ کے حق میں
انها (آیت الاستخلاف)	نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں
واردۃ فی اصحاب النبیؐ	اپنا وعدہ یوں پورا کیا کہ انہیں زمین
صلی اللہ علیہ وسلم	کی خلافت دی۔ ان کے دین کو استحکام
وانجز اللہ وعدہ لهم	دیا۔ ان کے خوف کو امن سے بدل
باستخلافهم فی الارض	دیا۔ اسلام کا غلبہ اس کا سبب بنا۔
وتمکین دینهم وتبدیل	یہ سب نبی کریمؐ کے بعد خلفائے راشدین

خوفهم امنا بما اعلی الاسلام
بعد رحلة النبي صلى الله
عليه وسلم في ايام الخلفاء
الراشدين والمراد
باستخلافهم استخلاف
الخلفاء الاربعة بعد
النبي صلى الله عليه وسلم
والثلاثة الاول منهم
ونسبة الاستخلاف الى
جميعهم مع اختصاصه
ببعضهم وهم الاربعة
او الثلاثة من قبيل
نسبة امر البعض الى
الكل كقولهم قتل بنو
فلان.

کے عہد میں ہوا۔ استخلاف
سے مراد خلفائے اربعہ ہیں یا خلفائے
ثلثہ ہیں۔ تمام کی طرف خلافت
کی نسبت کنایہ ہے۔ خلافت
بعض کی کل کی طرف۔ جیسے
کہا جاتا ہے۔ فلاں قوم نے
قتل کیا۔ (حالانکہ سب لوگ
قتل نہیں کرتے، اسی طرح تمام
صحابہ خلیفہ نہیں ہوئے۔ یہاں
بھی نسبت بعض کی کل کی طرف
ہے)

(شیعہ مفسر نے مِنْ کو
تبعیضیہ تسلیم کیا ہے)

⁂

بات اتنی واضح ہے کہ مزید تجزیہ اور تبصرہ کی محتاج نہیں۔

اقتباس کا نتیجہ یہ ہے :-

(۱) یہ آیت حضورؐ کے صحابہ کے حق میں نازل ہوئی یعنی اس کا مصداق مہاجرین وانصار ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان سے خلافت وحکومت دینے کا وعدہ کیا اور وہ وعدہ پورا کر دیا۔ یعنی خلفائے ثلثہ جو انہی مہاجرین وانصار میں سے ان کی خلافت وہی موعودہ خلافت ہے۔

(۳) ان کے ہاتھوں دین حق کو استحکام دیا۔

(۴) خوف کے بعد امن دے کر یہ وعدہ بھی پورا کیا۔

(۵) شیعہ مجتہد نے تسلیم کیا کہ یہ وعدہ نبی کریمؐ کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں پورا ہُوا۔

(۶) اصل میں یہ وعدہ خلفائے ثلثہ کے عہد میں پورا ہُوا، مگر خلفائے راشدین کہنا صرف کنایہ ہے خلافت بعض کی کل کی طرف۔

(۷) شیعہ مجتہد نے حضرت علیؓ کی تقلید کی آپ نے خلفائے ثلثہ کو سب سے پہلے خلفائے راشدین کے لقب سے یاد کیا یہاں شیعہ مجتہد نے بھی خلفائے ثلثہ کو خلفائے راشدین لکھا۔

(۸) شیعہ مجتہد نے مِنْ کو تبعیضیہ تسلیم کیا ہے۔

تاریخی شہادت

لیستخلفنهم فی الارض :- حیات القلوب ۲ : ۲۷۱ -

"ابن شہر آشوب وغیرہ روایت کردہ اند کہ روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر کرد بسوئے ذراعہائے سراقہ بن مالک کہ باریک و پرمُو بود۔ پس فرمود کہ چگونہ خواہد بود حال تو در ہنگام کہ دست رنجہائے بادشاہ عجم را در دست ہا کردہ باشی۔ پس چوں در زمان عمرؓ فتح مدائن کردند عمرؓ اورا طلبید و دست رنجہائے بادشاہ عجم را در دستہائے او کرد و فرمود چوں مصر را فتح کنید قبطیاں را کشید

ابن آشوب وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سراقہ بن مالک کے بازوؤں پر نگاہ پڑی کہ باریک اور بالوں سے پُر تھے۔ فرمایا کہ وہ کیا منظر ہوگا جب تم نے شاہ عجم کے کنگن ان کلائیوں میں پہن رکھے ہوں گے۔ پس جب عہد فاروقی میں مدائن فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو بلایا اور شاہ فارس کے کنگن اس کی کلائی میں ڈال دیے۔ حضورؐ نے پھر فرمایا کہ جب

که مادر ابراہیم ماریہ از ایشاں است و فرمود که رومیہ را فتح خواہید کرد. چوں آنرا فتح کنید کلیسائے که جانب شرقی آں واقع است آں را مسجد کنید"

تم مصر فتح کرو تو قبطیوں کو قتل نہ کرنا که ابراہیم کی ماں (ماریہ) اسی قبیلہ میں سے ہے۔ اور جب رومیہ کو فتح کرو تو مشرقی جانب جو گرجا ہے اس کو مسجد بنانا"

یعنی نبی کریمؐ نے پیشگوئی فرمائی تم میرے بعد ایران کو فتح کرو گے اور شاہ ایران کے کنگن سراقہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔ فاروق اعظمؓ کے ہاتھوں حضورؐ کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور انہوں نے حضورؐ کا فرمان پورا کر دیا۔ که شاہ ایران کے کنگن سراقہ کو پہنائے، گویا لیستخلفنہم فی الارض کا خدائی وعدہ پورا ہوا که حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ عمرؓ نے ایران کو فتح کیا۔

دوسری بات حضورؐ نے فرمائی که تم مصر کو فتح کرو گے۔ تیسری بات رومیہ فتح کرو گے یہ پیشگوئیاں بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں پوری ہوئیں۔ فاروق اعظمؓ نے وہاں مسجد بنوائی۔

یعنی لیستخلفنہم فی الارض کے مصداق حضرت عمرؓ کو تسلیم کیا گیا۔

حیات القلوب ۲: ۲۷۷ عفیف راوی کہتا ہے۔

"من با عباس گفتم که ایں چه دین است که ماندیدم ہرگز گفت ایں محمد بن عبداللہ است و دعویٰ میکند که خدا اورا فرستادہ است میگوئید که گنجہائے کسریٰ وقیصر برائے او فتح خواہد شد۔

میں نے عباس سے کہا یہ کیسا دین ہے که ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہا یہ محمد بن عبداللہ ہے دعویٰ کرتا ہے که اللہ نے اس کو بھیجا ہے کہتا ہے که کسریٰ و قیصر کے خزانے اس کے لیے فتح ہوں گے۔

یعنی حضرت عباس نے جواب دیا که قیصر وکسریٰ کے خزانے رسولؐ خدا کے لیے فتح ہوں گے۔ اور یہ پیشگوئی خلفائے ثلٰثہ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

حیات القلوب ۲: ۲۸۰

"آنحضرت بمسجد آمد و بحجر اسماعیل ایستاد و بصدائے بلند ندا کرد کہ اے گروہ قریش وای طوائف عرب شمارا می خوانم بسوئے شہادت بوحدانیت خدا و ایمان آوردن پیغمبری من و امر می کنم شمارا کہ ترک کنید بت پرستی را و اجابت نمائید مرا در آنچہ شمارا بآں می خوانم تا بادشاہان عرب گردید و گروہ عجم شمارا فرمانبرداراں گردند و در بہشت بادشاہاں باشید۔

نبی کریم مسجد حرام میں آئے حجر اسمٰعیل کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا کہ اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کی توحید اور میری رسالت کی شہادت دو۔ اور میں حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی چھوڑ دو اور جو میں کہتا ہوں اسے قبول کرو۔ تاکہ تم عرب کے بادشاہ بن جاؤ اور عرب کے لوگ تمہارے حکم کے تابع ہو جائیں اور تم بہشت میں بھی بادشاہ بنو۔"

حضورؐ کی یہ سب پیشگوئیاں حضورؐ کے سچے جانشین خلفائے ثلثہ کے ہاتھوں پوری ہوئیں اور اللہ کے وعدے لیستخلفنھم فی الارض کی عملی تفسیر خلفائے ثلثہ کے عہد میں سامنے آگئی۔

(۱) حملہ حیدری علامہ باذل ۱: ۱۶

حضورؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا:

"کہ اے عم چہ بد کیشم من بہ قوم
رہے مینمایم کہ یوما فیوم
بیایند از اں حکم ایشاں رواج
ستانند از خسرواں ساج و باج
ز ملک عرب تا دیار عجم
گزارند بر حکم ایشاں قدم

"چچا جان میں نے اپنی قوم کے ساتھ کونسی برائی کی ہے صرف یہی کہ میں حق کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہوں۔ اگر قوم نے میری بات مان لی تو دنیا ان کے زیر نگیں ہو گی۔ عرب و عجم پر ان کا حکم چلے گا۔"

اس پر ابوجہل نے پوچھا کہ وہ کونسا کلمہ ہے جس کے کہنے پر یہ حکومت مل سکتی

ہے تو حضورؐ نے فرمایا :

(۲) "کہ گویند از صدق بے اشتباہ — نباشد جز اللہ دیگر الٰہ

"انہیں چاہیئے کہ صدق دل سے اقرار کریں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں"۔

حضورؐ کی یہ پیشگوئی خلفائے ثلثہ کے عہد میں پوری ہوئی ۔

حملہ حیدری باذل ۱: ۲۳۵

شاہ ایران نے باذان کو حضورؐ کی گرفتاری کے لیے بھیجا تو حضورؐ نے فرمایا :

(۳) "بگویند اول جواب سلام — رسانید آنگہ زمن ایں پیام
کہ از قدرت قادر ذوالجلال — شود پاک گیتی ز کفر و ضلال!
ہمہ اہل ایران و اہل یمن ! — بزودی در آیند در دین من

"شاہ کو میرا سلام کہنا اس کے بعد یہ پیغام دینا کہ اللہ کی قدرت سے اللہ کی زمین کفر اور گمراہی سے پاک ہو جائے گی ۔ اور اہل ایران اور اہل یمن جلد ہی میرے دین میں آ جائیں گے"۔

دنیا کو کفر و ضلال سے پاک کیا تو خلفائے ثلثہ نے اور اہل ایران و یمن کو دین محمدی کا گرویدہ بنایا تو خلفائے ثلثہ نے ۔ دین خلفائے ثلثہ دین محمدی تھا ۔

حملہ حیدری باذل ۱: ۲۲۹ قیصر روم نے فتح اسلامی کی خوشخبری خود دی ۔

"کہ بر کشور ما بزودی شوند — مسلط گروہے کہ نغتہ کنند

ہماری سلطنت پر جلد ہی ایک ایسی قوم مسلط ہو جائے گی جن میں نغتہ کا رواج ہے یہ پیشگوئی بھی خلفائے ثلثہ کے عہد میں پوری ہوئی ۔

لیستخلفنهم فی الارض کی تفسیر اور واقعۂ خندق

(۱) شیعہ تفسیر مجمع البیان ص۱۳۲ وہ سخت پتھر جو حضورؐ کی ضربوں سے ٹوٹا اور حضورؐ نے فرمایا :-

"اما الاولیٰ فان اللہ عزوجل — حضورؐ نے فرمایا کہ میری پہلی ضرب پر

فتح علیّ بها الیمن و اما الثانیة فان الله عز و جل فتح علیّ بها الشام والمغرب و اما الثالثة فان الله عز و جل فتح علیّ بها المشرق فاستبشر المسلمون۔

اللہ نے مجھ پر یمن فتح کیا۔ دوسری پر شام اور مغرب میرے لئے فتح ہوئے۔ تیسری ضرب پر مشرق۔ اس خوشخبری سے مومن خوش ہوئے۔

⁂

حضورؐ نے تینوں فتوحات کے ساتھ علیّ فرمایا: مگر یہ ممالک فتح ہوئے خلفائے ثلثہ کے ہاتھوں۔ گویا حضورؐ نے خلفائے ثلثہ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ فرمایا۔ کیونکہ خلفائے ثلثہ نے حضورؐ کے مشن کی تکمیل کی۔

(۲) تفسیر قمی۔ علی بن ابراہیم شاگرد امام حسن عسکری ۲ : ۱۷۸

"ثم اخذ هولاً فضرب ضربة فبرقت برقة فنظرنا فیها الی قصور الشام ثم ضرب اخری فبرقت برقة فنظرنا فیها الی قصور المدائن ثم ضرب اخری فبرقت برقة اخری فنظرنا فیها الی قصور الیمن فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما انه سیفتح الله علیکم هذه المواطن التی برقت فیها البرق۔

پھر حضورؐ نے ہول لے کر ایک ضرب لگائی اس سے روشنی اٹھی جس میں ہم (صحابہ) نے شام کے شاہی محل دیکھے۔ دوسری ضرب پر روشنی اٹھی تو مدائن کے شاہی محل دیکھے۔ تیسری ضرب پر روشنی اٹھی تو ہم (صحابہ) نے یمن کے محل دیکھے۔ تو حضورؐ نے فرمایا عنقریب اللہ تعالیٰ تم (صحابہ) کے ہاتھوں یہ ممالک فتح کرے گا جو تم نے اس روشنی میں دیکھے ہیں۔

⁂

صحابہ کے ہاتھوں خلفائے ثلثہ کی قیادت میں استخلاف فی الارض کا وعدہ پورا ہونے کی پیشگوئی کی جارہی ہے۔

(۳) تفسیر صافی طبع ایران صـ۳۳۶

"ثم اخذ المعول فضرب ضربة فبرقت برقة فنظرنا فيها الى قصور الشام ثم ضرب اخرى فبرقت برقة اخرى فنظرنا فيها الى قصور المدائن ثم ضرب اخرى فبرقت برقة اخرى فنظرنا فيها الى قصور اليمن فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اما انه سيفتح الله عليكم هذه المواطن التى برقت فيها البرق"

(۴) تفسیر المیزان فی تفسیر القرآن ۱۱ : ۲۹۳

"اما الاولى فان الله عزوجل فتح عليّ اليمن واما الثانية فان الله عزوجل فتح عليّ بها الشام والمغرب واما الثالثة فان الله عزوجل فتح عليّ بها المشرق فاستبشر بذلك المسلمون"

(۵) تفسیر منہج الصادقین ۷ : ۲۸۹

"حضرت متین را بدست مبارک گرفت و بسم اللہ گویان بر اں سنگ زد و دو دانگ آں سنگ بشکست و نوری ازاں مانند برق بجست مانند مصباح در جوف لیل مظلم و دراں روشنی نظر انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم برقصرہائے شام افتاد گفت اللہ اکبر مفاتیح شام بمن دادند۔ و مسلماناں نیز تکبیر کردند و نوبت دوم ضربتے دیگر برآں زد و دو دانگ دیگر شکستہ شدہ نوری دیگر ازو ظاہر گشتہ قصور یمن بنظر اشرف در آمد و گفت اللہ اکبر۔ مفاتیح یمن در دست من نہادند اہل اسلام نیز اللہ اکبر تکلم کردند سیم بارہ تمام سنگ را درہم شکست و بنوری کہ ازاں

درخشاں شد کو شکہائے کسریٰ بران حضرت مشاہدہ شد فرمود اللہ اکبر مفاتیح ممالیک فارس بقبضۂ اقتدار من دادند مومناں دیگر بارہ باللہ اکبر لب کشودند و خوشحالی شدند و گفتند الحمد للہ موعود صادق است"

بات وہی ہے مگر یہاں ذرا کھل کے سامنے آئی ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایران، شام، یمن وغیرہ ممالک حضورؐ کے زمانے میں فتح نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ خلفائے ثلثہ کے عہد میں مملکت اسلامیہ میں شامل ہوئے مگر حضورؐ نے پتھر توڑتے وقت فرمایا مفاتیح بمن دادند کہ چابیاں مجھے دی گئیں۔ یعنی حضورؐ نے فرمایا ان ممالک کو فتح کرنے والا ہاتھ میرا ہاتھ ہوگا۔ اور ان ممالک پر قبضہ کرنے والوں کا اقتدار میرا اقتدار ہے۔ اس منظر کے دیکھنے والوں اور اس بات کے سننے والوں نے دیکھ لیا کہ حضورؐ کی پیشگوئی خلفائے ثلثہ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ لیظہرہ علی الدین کلہ کی تفسیر اور تکمیل خلفائے ثلثہ نے کی اور لیستخلفنہم فی الارض کے مصداق خلفائے ثلثہ ہی بنے۔

(۶) روضہ کافی طبع جدید ص ۱۸۲

فتناول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعول فضرب بها ضربۃ فتفرقت بثلاث فرق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد فتح علیّ فی ضربتی ہذہ کنوز کسریٰ و قیصر"

وہی بات صاحب روضہ کافی نے کہی کہ فتح علیّ کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے میرے میرے ہاتھ لگے۔ جس کا مطلب یہ ہے جن کے ہاتھ لگے وہ حضورؐ ہی کے ہاتھ تھے۔ اور وہ خلفائے ثلثہ کے بغیر اور کون ہے۔ جو اس کا مصداق ٹھہرے۔

(۷) حملہ حیدری علامہ باذل ۱ : ۱۶۵

چہ بُداں وباشد چہ تعبیر آں | بتکبیر چوں کشودی زبان !
بپاسخ چنیں گفت خیر البشر ! | کہ چوں جست برق تخست از حجر
نمودند ایوان کسریٰ بمن ! | دوم قیصر روم سوم از یمن

سبب را چنین گفت روح الامین — کہ بعد از من انصار و اعوان دین
بداں مملکتہا مسلط شوند! — بآئین من اہل آں بگروند
بریں مژدہ و شکر لطف خدا — بہر بار تکبیر کردم ادا!!
شنیدند آں مژدہ چوں مومناں — کشیدند تکبیر شادی کناں

علامہ باذل نے تو کوئی لگی لپٹی رہنے نہیں دی۔

ہتھوڑے کی ضرب سے پیدا ہونے والی روشنی میں جو روم و شام ایران و یمن کے جو محل دکھائے گئے اس کی تعبیر اور سبب پوچھا گیا تو حضورؐ نے فرمایا:۔

(۱) میرے بعد دین اسلام کے سچے خادم ممد و معاون ان ممالک پر مسلط ہوں گے ظاہر ہے حضورؐ کے بعد ان ممالک پر اقتدار خلفائے ثلثہ کو حاصل ہوا۔ گویا حضورؐ نے بصیرت نبویؐ سے خلفائے ثلثہ کو یہ سرٹیفیکیٹ دے دیا کہ یہ میرے دین کے محافظ انصار و اعوان ہیں۔ اب اگر کوئی اس حقیقت کا انکار کرے اور خلفائے ثلثہ پر کسی قسم کا طعن کرے تو ظاہر ہے کہ رسول کا دشمن، دین کا مخالف اور جھوٹا ہے۔

(۲) ان ممالک میں میرا دین اور میرا آئین جاری کریں گے۔ خلفائے ثلثہ کے حق میں یہ حضورؐ کا دوسرا سرٹیفیکیٹ ہے کہ یہ نہ صرف دین کے محافظ ہیں، بلکہ دین اسلام کے داعی مبلغ اور اسلام کو ہیئت مقتدرہ دینے والے ہیں۔

(۳) مومن اس مژدہ پر خوش ہوئے اور آج بھی خوش ہیں، مگر جن کو اسلام سے بیر ہے ایمان سے دشمنی ہے وہ آج بھی دانۂ اسپند نظر آتے ہیں۔

اپنی اپنی قسمت ہے۔

۸۔ حیات القلوب ۲ : ۲۱۹

"خاصہ و عامہ روایت کردند کہ در جنگ احزاب آنحضرتؐ کندن خندق را میانۂ صحابہ قسمت فرمود کہ ہر چہل ذراع را دہ نفر حفر نمایند پس در حصۂ سلمان و حذیفہ زمین سنگ رسید کہ کلنگ دراں اثر نمی کرد چوں سلمان در خدمت آنحضرت عرض کرد از مسجد احزاب بزیر آمد و کلنگ را از ایشاں

گرفت وسہ مرتبہ زد و ہر مرتبہ شیئ ازاں جدا شد۔ و در ہر مرتبہ برق ساطع می شد کہ جہاں روشن می شد واللہ اکبر می گفت وصحابہ اللہ اکبر می گفتند پس فرمود کہ در برق اول قصر ہائے یمن را دیدم وخداں را بمن داد و در دوم قصر ہائے شام را دیدم وخدا آں را بمن داد و در برق سوم قصر ہائے مدائن را دیدم و ملک شاہاں عجم را بمن داد پس خدا فرستادہ کہ لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ؎

حیات القلوب کے تین حوالے گزر چکے ہیں۔ مگر یہاں ملا باقر مجلسی نے ایک بات کا اضافہ کیا ہے۔ کہ حضرت سلمان و حذیفہ کے حصے میں وہ جگہ آئی جہاں نبی کریمؐ نے اپنے دست مبارک سے ضربیں لگائیں۔ اور ہر ضرب پر فرمایا کہ یہ ملک بمن داد یعنی اللہ نے مجھے دیا ہے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ یہ ملک تو خلفائے ثلثہ کو اللہ نے عطا کئے۔ پھر حضورؐ کے فرمان کا مطلب کیا نکلا؟ یہی کہ دین اسلام کی توسیع اور اقتدار میں آنے میں میرے اور خلفائے ثلثہ کے ہاتھ میں کوئی فرق نہیں۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نا گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری !!!

دوسری نئی بات یہ بتائی، تیسری ضرب پر یہ آیت نازل ہوئی کہ لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون:

یعنی ان ممالک کے فتح ہونے کا مطلب لیظھرہ علی الدین کلہ ہوگا۔ ان ممالک کو فتح کرنے والے حضورؐ کے اس کام کی تکمیل کریں گے۔ جو آپ نے دین کو غالب کرنے کے لیے شروع فرمایا تھا۔ یعنی اللہ پاک نے تصدیق فرما دی کہ خلفائے ثلثہ ہی دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے کام کی تکمیل کریں گے۔ مگر آیت کا آخری حصہ ذرا قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ خلفائے ثلثہ کی خدمات کی رسول کریمؐ نے بھی بشارت دی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق کر دی۔ مگر مشرکوں کو یہ بات ہرگز پسند نہ آئے گی واقعی ومن اصدق من اللہ قیلا اللہ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا اور کون ہے؟

آج تک مشرکوں کا یہ حال ہے کہ خلفائے ثلثہ کی دینی خدمات کا اعتراف تو کجا ان کا نام سنتے ہی مشرکوں کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔

آیت استخلاف کی تفسیر کے سلسلے میں موعودین کی تعیین کے لیے شیعہ کتب سے یہ آٹھ اقتباسات مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسی ہی دوسری پیشگوئیوں کا ماحصل یہ ہے کہ :۔

(۱) ان میں سے نبی کریمؐ کے بعد جو خلفاء مقرر ہوئے ان کی قیادت میں جن لوگوں نے جہاد کیا۔

(۲) موعودین مہاجرین و انصار کا گروہ ہے۔

(۳) جن خلفائے محمدؐ نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔

(۴) ان کی فتوحات کو رسول کریمؐ نے اپنی فتوحات قرار دیا۔

(۴) یہی حضرات دین اسلام کے اعوان و انصار تھے۔

(۵) انہی خلفائے ثلاثہ نے دین حق کو غالب کیا اور لیظھرہ علی الدین کلہ جو نبی کریمؐ کا مشن تھا خلفائے ثلاثہ نے اس کی تکمیل کی۔

(۶) ان کے اقتدار کو نبی کریمؐ نے "قبضۂ اقتدار من" سے تعبیر فرمایا۔

(۷) استخلاف فی الارض کے موعودین خلفاء ثلاثہ کی دینی خدمات کا ذکر آئے تو مشرک اس سے جلتے ہیں۔

(۸) خلفائے ثلاثہ نہ صرف خود کامل الایمان تھے، بلکہ انہوں نے عظیم سلطنتوں کو کلمہ پڑھایا اور دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھا دیا۔

مہاجرین و انصار اور خلفائے ثلثہ کی فضیلت

باب اوّل آیات جہاد کے تحت فروع کافی کی ایک طویل حدیث کا بقدر ضرورت حصہ نقل کیا جا چکا ہے۔ یہ بہت طویل روایت امام جعفر سے مروی ہے۔ کئی صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس سے جو اصول حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں پہلے وہی حصے نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام جعفر نے فرمایا - فروع کافی ۵ : ۱۵ تا ۱۹

"ان جميع ما بين السماء
والارض لله عز وجل و
لرسوله و لاتباعهم من
المؤمنين من اهل هذه
الصفة -

یہ ساری کائنات اللہ کی ہے
اور یہ اس کے رسول کا حق ہے۔
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے متبعین اہل ایمان کا حق
ہے جن میں وہ صفات پائی جاتی ہیں
جو بیان ہو چکی ہیں!"

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام مہاجرین و انصار خلفائے کے عہد میں ہر میدان میں غالب آئے۔ قرآن مجید کا یہی فیصلہ ہے۔

انتم الاعلون ان کنتم مؤمنين
الا ان حزب الله هم الغالبون
انتما و من اتبعكما الغالبون

(۲) فرمایا :-

ولكن المهاجرين ظلموا من
جهتين ظلمهم اهل مكة
باخراجهم من
ديارهم واموالهم وقاتلوهم
باذن الله لهم في ذلك
وظلمهم كسرى وقيصر
ومن كان دونهم من
قبائل العرب والعجم
بما كان في ايديهم مما
كان المؤمنون احق به

لیکن مہاجرین پر دو طرف سے ظلم
کیا گیا اہل مکہ نے انہیں گھروں
سے نکال کر ان کے اموال چھین
کر ان پر ظلم کیا۔ اس لیے مہاجرین
اللہ کے حکم سے ان کے خلاف
لڑے۔ اور قیصر و کسریٰ اور دوسرے
قبائل عرب و عجم نے ان پر ظلم
کیا۔ کہ جو کچھ ان کے قبضے میں
تھا اس کے زیادہ حقدار مہاجرین
تھے اس لیے مہاجرین نے اللہ کا

منہم فقد قاتلوھم باذن	کے حکم سے ان حکومتوں کے خلاف
اللہ لہم فی ذالک ۔	جنگ کی ۔

قیصر وکسریٰ اور حکومتوں کے خلاف خلفائے ثلثہ نے جنگ کی، اللہ کے حکم سے کی اور فتح حاصل کی۔

ان ممالک کی حکومتوں کے زیادہ حقدار مہاجرین ہی تھے۔ یعنی امام جعفر نے اصولی بات کہہ دی کہ خلفائے ثلثہ ہی خلافت وحکومت کے صحیح حقدار تھے۔ اللہ کے حکم سے انہوں نے جنگ کی۔ اور اللہ نے ان کا حق انہیں دے دیا۔ اگر کسی کو اللہ کی پسند اور اس کے فیصلے کے خلاف شکایت ہے تو بیٹھا سر پیٹتا رہے۔ نادان کو اللہ کا دشمن بننے سے کیا حاصل ہوگا؛

(۳) فرمایا :۔

"وکذلک ما افاء اللہ	اسی طرح کفار کے قبضہ سے مومنوں
علی المؤمنین من الکفار	کے ہاتھ جو کچھ لگا وہ مومنوں کا حق تھا
فانما ھی حقوق المؤمنین	جو ان کے پاس لوٹ کر آگیا۔ اسی لئے
رجعت الیہم بعد ظلم	اللہ نے مہاجرین کو جنگ کی اجازت
الکفار ایاھم فذلک قولہ	دی۔ کیونکہ وہ مظلوم تھے اور ان
تعالیٰ اذن للذین یقاتلون	ممالک کی حکومت کے زیادہ
بانہم ظلموا ماکان المؤمنون	حق دار تھے۔"
احق بہ منہم ؛"	

خلفائے ثلثہ نے جنگ کرکے جو کچھ چھینا یہ ان کا حق تھا۔ کفار سے حکومت لی۔ دولت لی۔ یہ ان کا حق تھا، لہذا خلفائے ثلثہ خلفائے برحق تھے۔ اور یہی آیت استخلاف کے اصل مصداق تھے۔ اور آیت استخلاف بقول امام جعفر خلفائے ثلثہ کی خلافت پر نص صریح ہے۔

(۴) فرمایا :۔

"انما اذن للمؤمنين الذين
قاموا بشرائط الايمان التي
وصفناها و ذلك انه لا يكون
ماذونا له حتى يكون
مظلوما ولا يكون مظلوما
حتى يكون مؤمنا.
ولا يكون مؤمنا حتى يكون
قائما بشرائط الايمان
التي اشترط الله عز و
جل على المؤمنين والمجاهدين
فاذا تكاملت فيه شرائط
الله كان مؤمنا واذا كان
مؤمنا كان مظلوما واذا كان
مظلوما كان ماذونا له
في الجهاد لقوله تعالى اذن
للذين يقاتلون بانهم
ظلموا ۔

ان مومنوں کو جہاد کی اجازت دی
گئی جو ان شرائط ایمان پر پورے
اتریں، جن کا ہم نے ذکر کیا ہے
کیونکہ ماذون نہیں جب تک مظلوم
نہ ہوں ۔ اور مظلوم نہیں جب
تک مؤمن نہ ہوں ۔ ان شرائط
ایمان کے ساتھ جو اللہ نے مومنین
اور مجاہدین کے لیے رکھی ہیں ۔
جب وہ شرطیں پوری کر
لیں وہ مومن ہیں ۔ اور جب
مومن ہیں تو مظلوم ہیں ۔
اور جب مظلوم ہیں تو ماذون
ہیں ۔ جہاد کے لیے چنانچہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ۔
اذن للذین یقاتلون بانہم
ظلموا ۔

یعنی امام نے واضح کر دیا کہ مہاجرین مظلوم تھے ۔ لہذا کامل مومن تھے ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں جہاد کی اجازت دی ۔ اور انہوں نے کفار سے جنگ کر کے اپنا حق واپس لے لیا، اور یہ ساری جنگیں خلفائے ثلثہ نے جیتیں ۔ لہذا خلافت کے حقدار وہی ہیں ۔

اس طویل حدیث میں جو اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں ۔ ان کی وضاحت تو ہو گئی ۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے باقی متعلقہ حصے بھی نقل کر دیئے جائیں تاکہ پورا نقشہ سامنے آجائے ۔

"ثم اخبر تبارک و تعالیٰ

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس

انه لم يأمر بالقتال
الا اصحاب هذه الشروط
فقال عز و جل اُذِنَ لِلَّذِين
يقاتلون بانهم ظلموا وان
الله على نصرهم لقدير
الذين اخرجوا من ديارهم
بغير حق الا ان يَقُوْلُوْا
رَبُّنَا الله - وذلك ان
جميع ما بين السماء
والارض لله عز وجل
ولرسوله ولاتباعهم
من المؤمنين اهل هذه
الصفة فما كان من الدنيا
فى ايدى المشركين والكفار
والظلمة والفجار من
اهل الخلاف لرسول الله
صلى الله عليه وسلم
والمولىّ لمن طاعتهما مما
كان فى ايديهم ظلموا
فيه المؤمنين من اهل
هذه الصفات وغلبوهم
عليه مما افاء الله على رسوله
فهو حقهم افاء الله عليهم

نے جہاد کا حکم ان لوگوں کو دیا جو ان
اوصاف سے متصف ہیں چنانچہ فرمایا
اُذِنَ للذین الخ - اور یہ اس وجہ سے
ہے کہ تمام چیزیں جو آسمان اور زمین
کے مابین ہیں وہ اللہ و اس کے رسول
اور ان کے متبع ان مہاجرین کی ہیں
جو ان صفات سے موصوف ہیں۔
دنیا کا جس قدر حصہ مشرکین، کفار
ظالم اور بدکار لوگوں کے میں ہے
جو خدا اور رسول ص کے مخالف اور
ان کی اطاعت سے منحرف تھے
اور جو کچھ ان کے قبضے میں تھا۔
انہوں نے ان صفات سے متصف
اہل ایمان پر ظلم کر کے ہتھیا رکھا تھا
جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فے عطا
کیا تھا۔ وہ انہیں اہل ایمان
کا حق تھا کہ خدا نے انہیں ان
ظالموں سے واپس دلایا۔
فے کے معنی ہی یہ ہیں کہ
جو چیز مسلمانوں کی تھی مشرکوں
کے قبضے میں چلی گئی تھی۔
پھر مسلمانوں کے پاس آگئی تھی

ردّه اليهم و انما معنى الفئ كل ما صار الى المشركين ثم رجع مما كان قد غلب عليه او فيه فما رجع من قول او فعل الى مكانه فقد فاء ....

وكذلك ما افاء الله على المؤمنين من الكفار فانما هي حقوق المؤمنين رجعت اليهم بعد ظلمهم الكفار اياهم فذلك قوله تعالى اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا ما كان المؤمنون احق به منهم وانما اذن للمؤمنين الذين قاموا بشرائط الايمان التي وصفناها وذلك انه لا يكون ماذونا له في القتال حتى يكون مظلوما ولا يكون مظلوما حتى يكون مؤمنا ولا يكون مؤمنا حتى يكون قائما بشرائط الايمان التي اشترط الله عز وجل على المؤمنين والمجاهدين

جو چیز قول یا فعل کی قبیل سے اپنے مقام پر لوٹ آئے اس کے لیے کہتے ہیں "فاء" یعنی رجع لوٹ آئی۔ کفار نے ظلم سے جو چیز ہتھیا رکھی تھی وہ مومنوں کا حق تھا۔ ان کے پاس لوٹ آئی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذن للذین الخ۔ کیونکہ ان چیزوں کے حقدار تو وہ مومن تھے۔ جو ان شرائط ایمان پر ہی قائم ہوں جو ہم نے بیان کی ہیں۔ کیوں کہ جب تک مظلوم نہ ہوں جہاد کی اجازت نہیں اور جب تک مومن کامل نہ ہو مظلوم نہیں کہلاتا۔ اور مومن وہی ہوتا ہے جو ان شرائط پر پورا اترے جو اللہ تعالیٰ نے مومن مجاہدین کے لیے مقرر کی ہیں۔ جب ان میں یہ شرائط کامل ہوں گی۔ وہ مومن ہوں گے، مومن ہے تو مظلوم ہے تو اسے

واذا تكاملت فيه شرائط
الله عز و جل كان مؤمنا
واذ كان مؤمنا كان مظلوما
واذا كان مظلوما كان
ماذوناً له فی الجهاد لقوله
تعالیٰ اُذِنَ للذين يقاتلون
بانهم ظلموا وان الله علی
نصرهم لَقَدِيرٌ . وان لم
يكن مستكملا لشرائط الايمان
فهو ظالم ممن يبغی و يجب
جهادة حتی يتوب وليس
مثله ماذونا له . والدعاء
الی عز وجل لانه ليس
من المؤمنين المظلومين
الذين اذن لهم فی القرآن
فی القتال فلما نزلت هذه
الاية اُذِنَ للذين يقاتلون
بانهم ظلموا ... فی المهاجرين
الذين اخرجهم اهل مكة
من ديارهم واموالهم احل
لهم جهادهم بظلمهم جهادهم
اياهم واذن لهم فی القتال.
نقلت (ای راوی) فهذه

جہاد کی اجازت ملی۔ جیسا کہ
فرمایا۔ اذن للذین
یقاتلون الخ۔

اگر کسی شخص میں یہ شرائط ایمان
پوری نہ ہوں، تو وہ ظالم ہے۔
ایسے شخص سے جہاد کرنا مومنوں
پر فرض ہے جب تک وہ توبہ
نہ کرے اس کے لیے جہاد کی
اجازت نہیں اور وہ اسلام کی
دعوت دینے کا مجاز بھی نہیں
کیونکہ ایسا شخص ان لوگوں میں
سے نہیں جو مومن اور مظلوم ہیں
اور جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں
جہاد کی اجازت دی۔ جب یہ آیت
اذن للذین یقاتلون الخ۔
نازل ہوئی، تو یہ ان مہاجرین
کے حق میں نازل ہوئی جن کو اہل مکہ نے
گھروں سے نکالا اور اموال سے محروم کیا۔
اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کے لیے حلال
کر دیا کہ جہاد کریں اہل مکہ کے ساتھ جنہوں نے
ان پر ظلم کیا تھا۔ راوی کہتا ہے میں نے

نزلت فی مهاجرین بظلم
اهل مکة لهم فما بالهم
فی قتالهم کسری وقیصر
ومن دونهم من مشرکی
قبائل العرب فقال رای
امام، لوکان انما اذن
لهم فی قتال من ظلمهم
من اهل مکة فقط لم یکن
لهم الی قتال جموع کسری
وقیصر وغیر اهل مکة
من قبائل العرب سبیل
لان الذین ظلموهم غیر
هم وانما اذن لهم فی
قتال من ظلمهم من اهل
مکة لاخراجهم ایاهم من
دیارهم واموالهم بغیر
حق ولوکانت الایة انما
عنت المهاجرین الذین
ظلمهم اهل مکة کانت
الایة مرتفعة الفرض
عمن بعدهم اذ لم یبق
من الظالمین والمظلومین احد
وکان فرضها مرفوعا

امام سے کہا کہ یہ آیت ان مہاجرین
کے حق میں نازل ہوئی جن کو اہل مکہ
نے ظلم سے گھروں سے نکالا تھا تو
ان مہاجرین کا قیصر و کسریٰ اور دوسرے
قبائل سے جہاد کرنا کس بنا پر جائز
ہوا ؟ امام نے کہا اگر بات یہی
ہوتی کہ مہاجرین کو صرف اہل مکہ سے
ہی جہاد کرنے کی اجازت ہوتی تو
کسریٰ و قیصر اور دوسرے قبائل
عرب سے جہاد کرنے کی کوئی سبیل
نہ ہوتی کیونکہ انہوں نے تو مہاجرین
پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ اور اس آیت
کا تعلق مکہ کے بغیر کسی دوسرے سے
مطلق نہ ہوتا۔ جب ایسے
ظالموں اور مظلوموں کا
وجود ہی نہ رہتا تو جہاد
کی فرضیت بھی اہل مکہ
کے ظلم کے خاتمہ
کے بعد اٹھ جاتی۔ بات
یہ نہیں جو تو نے سمجھی۔

∴

عن الناس بعدهم وليس
كما ظننت ولا كما ذكرت
ولكن المهاجرين ظلموا من
جهتين ظلمهم اهل مكة
باخراجهم من ديارهم
واموالهم فقاتلوهم باذن
الله لهم في ذلك وظلمهم
كسرى وقيصر ومن
كان دونهم من قبائل
العرب والعجم في ايديهم
مما كان المؤمنون احق
به منهم فقد قاتلوهم باذن
الله عز وجل لهم في ذلك
وبحجة هذه الآية يقاتل
المؤمنون كل زمان وانما
اذن الله عز وجل للمؤمنين
الذين قاموا بما وصفها
الله عز وجل من الشرائط
التي شرطها الله على المؤمنين
في الايمان والجهاد. ومن
كان قائما بتلك
الشرائط فهو مؤمن مظلوم
ماذون له في الجهاد و

یا میرے سامنے بیان کی۔ اصل
بات یہ ہے کہ مہاجرین پر دو اطراف
سے ظلم ہوا۔ اہل مکہ نے انہیں گھروں
سے نکال کر اور ان کے اموال چھین
کر ظلم کیا اور مہاجرین نے اللہ کی
اجازت سے اہل مکہ کے ساتھ
جہاد کیا۔ کسریٰ و قیصر اور عرب و
عجم کے دوسرے قبائل نے
مہاجرین پر یہ ظلم کیا کہ جو کچھ ان
کافر حکومتوں نے دبا رکھا تھا۔
وہ در اصل مومنوں کا حق تھا اس
لیے مہاجرین نے اس آیت کی
رو سے اللہ کی اجازت پا کر
کسریٰ و قیصر وغیرہ کے خلاف
جہاد کیا۔ اور اسی آیت کے تحت
ہر زمانے میں مسلمان جہاد کر
سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان
اہل ایمان کو جہاد کی اجازت دی ہے
جو ان شرائط پر قائم ہوں جو اللہ تعالیٰ نے
ایمان اور جہاد کے سلسلے میں مومنوں
پر مقرر کی ہیں۔ جو ان شرائط پر
قائم ہے وہ مومن ہے اور مظلوم
ہے اور اسے جہاد کی اجازت ہے

بذلك المعنى ومن كان على خلاف ذلك فهو ظالم وليس من المظلومين وليس له في القتال ولا بالنهي عن المنكر والامر بالمعروف لانه ليس من اهل ذلك ولا ماذونا له في الدعاء الى الله عزوجل۔

اور اسی وجہ سے جو ان شرائط کے خلاف ہو وہ ظالم ہے مظلوم نہیں اس لیے اسے نہ جہاد کی اجازت ہے نہ نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کی اجازت ہے کیونکہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتا کہ اسے جہاد کی اجازت دی جائے یا دعوت دین کی اجازت دی جائے

امام جعفر صادق نے وہ تمام حقائق بیان کر دیئے جو امر واقع بن کر چشم عالم کے سامنے آئے اور تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو گئے مثلاً

(۱) اہل مکہ نے جن مہاجرین کو ظلم وستم کا نشانہ بنا کر گھروں سے نکالا اللہ تعالیٰ نے انہیں جہاد کی اجازت دی۔

(۲) جنہیں اذن جہاد ملا وہی کامل الایمان اور مظلوم تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں اذن نہ ملتا ہے کیونکہ سنت اللہ یہی ہے۔

(۳) قیصر وکسریٰ کے خلاف انہی مہاجرین کو جہاد کرنے کی اجازت ملی۔ جو اہل مکہ کے ہاتھوں گھروں سے نکالے گئے تھے۔

(۴) کفار مکہ کے علاوہ دوسروں سے جہاد کرنے کی اجازت اس لئے اللہ تعالیٰ نے دی کہ کفار نے وہ سب کچھ غاصبانہ طور پر اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ جو ان اہل ایمان کا حق تھا۔

(۵) ان مہاجرین نے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے قیصر وکسریٰ کے خلاف جہاد کر کے اپنا حق ان سے واپس لے لیا۔

(۶) ان مہاجرین نے جو کچھ اپنے حق کے طور پر واپس لیا وہ مال ودولت، جائیداد اور حکومت تھی۔

(۷) مال و دولت اور جائیداد جو ان مہاجرین کا حق تھا انہیں مل گیا۔ اور ان مہاجرین میں سے حکومت جن کا حق تھا وہ انہیں مل گئی۔

(۸) امام جعفر نے صاف بیان کر دیا کہ حکومت خلفائے ثلثہ کا حق تھا جو انہیں مل گیا۔ اگر انہیں خلیفہ حق تسلیم کرنے سے کوئی ہچکچاتا ہے تو ثابت کرے کہ مہاجرین نے قیصر و کسریٰ سے جنگ کر کے جو حکومت واپس لی وہ کس کو ملی؟۔

بات کیسی واضح اور صاف ہے مگر جسے اللہ اور رسول کی مخالفت کرنے میں عار نہ محسوس ہو وہ امام کی مخالفت کرنے سے کیوں چوکے گا چنانچہ ایک شیعہ مجتہد "سلطان العلماء" سید محمد اپنی کتاب "تشئید المبانی" میں لکھتے ہیں:۔

"نہایت آنچہ ازیں حدیث ظاہر می شود اینست کہ مہاجرین ماذون بجہاد کسریٰ و قیصر بودند حقیقت خلافت خلفاء۔ از اں اصلاً مستفاد نمی شود نہ براکہ دراحادیث معتمد اہل سنت وارد شدہ کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مسلمین راخبر تسلط خلفائے جور دادہ بود وامر باطاعت آنہانمودہ بود نیز دلالت صریح براں وارد و در خصوص جہاد فارس فاضل دہلوی نیز مشورہ نمودن خلیفہ ثانی باآنحضرت مذکور ساختہ پس بریں تقدیر ماذون بودن مہاجرین و انصار برائے جہاد فارس و روم وغیرہ مستغنی عن البیان است۔

اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہاجرین کو قیصر و کسریٰ کے خلاف جہاد کی اجازت دی گئی۔ خلفاء کا برحق ہونا اس سے مطلق ثابت نہیں کیونکہ اہل سنت کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو خلفائے جور کی خبر دی تھی اور ان کی اطاعت کا حکم دیا تھا نیز فاضل دہلوی نے تحفہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جہاد فارس کیلئے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا تھا۔ اس لیے مہاجرین و انصار کو جہاد فارس کے لیے اجازت ملنا محتاج بیان نہیں امام جعفر نے جو انہیں ماذون فرمایا تو اسکی

و آنچہ جناب امام جعفر صادق
در باب اذن آنہا فرمود بسبب
اذن دادن جناب امیر بود نہ بسبب
حقیقت خلافت ثلثہ ؟

وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے انہیں
جہاد کی اجازت دی تھی۔ خلفائے ثلثہ
کی خلافت کے حق ہونے کی وجہ
سے یہ اجازت نہیں ملی تھی ؟

انسان لٹھ لیے عقل کے پیچھے پڑا ہو تو اسے جگ ہنسائی کا خیال بھی نہیں رہتا۔ اور سلطان العلماء نے یہ تسلیم کیا کہ جہاد فارس کے لیے مہاجرین ماذون تھے۔ مگر اذن دینے والا صرف سلطان العلماء نے ڈھونڈ نکالا کہ وہ حضرت علیؓ تھے آدمی عقلی اعتبار سے خواہ کتنا ہی دامن ہو اگر اسے کبھی صاحب عقل کے پاس بیٹھنے کا کبھی موقعہ ہی ملا ہو تو وہ سوچ سکتا ہے کہ کسی حکومت میں حکم حاکم کا چلتا ہے یا مشیر کا ؟ اور مشیر کا کام مشورہ دینا ہے، یا حکم دینا ؟ اور مشورہ کی حقیقت ایک رائے ہوتی ہے، جسے قبول یا رد کیا جا سکتا ہے یا یہ حکم ہوتا ہے کہ اسے مطلق رد نہ کیا جا سکے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ خلیفہ تھے اور حضرت علیؓ ان کے ماتحت ایک مشیر۔ رائے لینے کے بعد فیصلہ حضرت عمرؓ نے کیا یا حضرت علیؓ کا یہ منصب تھا کہ فیصلہ کرتے اور حکم چلاتے ؟ اب کوئی سلطان العلماء ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ حکم مشیر کا چلتا ہے۔ حاکم کی بساط صرف اتنی ہے کہ مشیر کے سامنے درخواست پیش کر دے اور اگر سلطان العلماء نہ ہو تو کم از کم مخبوط الحواس ہونا ضروری ہے۔

اول تو امام جعفر نے حرف اذن کی بات نہیں کہی، بلکہ انہوں نے فرمایا کہ :

(۱) مہاجرین دوہرے مظلوم تھے۔ قیصر و کسریٰ کا ظلم یہ تھا کہ جو کچھ انہوں نے دبا رکھا تھا وہ دراصل مہاجرین کا حق تھا۔ لہٰذا مہاجرین باذن اللہ لڑے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آیت اذن للذین یقاتلون الخ نازل فرما کر ان مظلوموں کو اجازت دی کہ قیصر و کسریٰ کے خلاف جہاد کریں۔

(۳) اذن انہیں ملا جو مظلوم تھے۔ اور مظلوم وہ تھے جو مومن تھے۔ اور مہاجرین ان تمام اوصاف کے مالک تھے جو مومن کے لیے ضروری ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا۔ فرمایا

(۴) یہ عجیب بات ہے کہ گھر کے آدمی اور ماکان و مایکون کے جاننے والے امام تو اس راز سے واقف نہ ہو سکے کہ اجازت حضرت علیؓ نے دی اور سلطان العلماؒ کے پاس یہ راز سربستہ پہنچ گیا۔ امام تو کہیں اللہ نے حکم دیا۔ سلطان صاحب کہتے ہیں کہ علیؓ نے حکم دیا۔ بات وہی ہوئی من چہ می سرائم و طنبورۂ من چہ می سراید۔

(۵) فارس سے جنگ کرنے میں سلطان صاحب کو فاضل دہلوی کا اشارہ مل گیا کہ حضرت علیؓ سے مشورہ کیا گیا۔ مگر فارس کے علاوہ دنیا بھر کے خلاف جو جہاد حضرت عمرؓ کے عہد میں کیے گئے، ان کے متعلق تو کوئی ایسا سراغ نہیں ملا، پھر کسریٰ وغیرہ کے خلاف جنگ کرنے میں مہاجرین کو کس نے اجازت دی اور وہ کیونکر ماذون قرار پائے۔

(۶) اللہ کی طرف سے ماذون ہونے کی شرط مومن ہونا اور مظلوم ہونا ہے۔ اگر اللہ نے اجازت نہیں دی تو حضرت علیؓ نے کیوں اجازت دی؟ کیا اس لیے کہ حضرت علیؓ (معاذ اللہ) خدا کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔

(۷) اگر یہ مومن نہیں تھے تو واجب القتل تھے حضرت علیؓ کا کام یہ تھا کہ خود مہاجرین کے خلاف جہاد کرنے کا مشورہ دیتے۔ اور اگر انہوں نے مہاجرین کو فارس کے خلاف جہاد کرنے کا مشورہ دیا تو ظاہر ہے کہ انہیں کامل الایمان اور مظلوم تسلیم کیا۔

(۸) امام جعفر نے فرمایا کہ بما کان فی اید یہم مما کان المؤمنون احق بہ منہم ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ فارس وغیرہ کے پاس وہ کونسی چیز تھی۔ جس کے مہاجرین حقدار تھے۔ اور انہوں نے لڑ کر اپنا حق لے لیا۔ ظاہر ہے یہ سب سے بڑی چیزیں دو تھیں، حکومت اور دولت امام کہتے ہیں۔ کہ اس کے زیادہ حقدار مومن تھے۔ سوچئے کہ دولت تو سب مہاجرین میں تقسیم ہو گئی۔ ہر ایک کو مناسب حصہ مل گیا۔ وہی اس کے حقدار تھے۔ مگر یہ دوسری چیز کس کو ملی؟ اب سلطان العلماءؒ ہی بتائیں کہ خلفائے ثلثہ کے بغیر یہ چیز کس کو ملی؟ امام کہتے ہیں جس کو یہ ملی اس کا زیادہ حقدار تھا۔ تو حقیقت خلافت خلفاء از ال اصلاً مستفادہ نمی شود؟ کہنے وقت آپ نے اس علم کی تہمت کو کہیں اتار کے رکھ دیا تھا! یا تو بما کان

"فی ایدیھم" کی تعیین کیجیے۔ اور ثابت کیجیے کہ ان کے پاس حکومت و اقتدار نہیں تھا یا یہ ثابت کیجیے کہ ان سے اقتدار لے کر مہاجرین نے خلفائے ثلثہ کے علاوہ کسی اور کو دیا۔ سیدھی بات ہے کہ امام جعفر نے واضح کر دیا کہ مہاجرین مظلوم تھے مومن تھے اذن جہاد اللہ کی طرف سے ملا اور انہوں نے قیصر و کسریٰ سے اقتدار چھینا یہ ان کا حق تھا۔ اور خلفائے ثلثہ کو اقتدار ملا لہٰذا حق بحق دار رسید۔

امام جعفر صادق نے اس طویل حدیث میں مہاجرین کے نامذ خلفائے ثلثہ کی وہ مدح و ثنا کی ہے اور قرآن کریم کی آیت کے حوالے سے ان کا استحقاق اس طرح ثابت کیا ہے کہ کوئی کمی باقی نہیں رہنے دی، مگر پھر بھی آخر میں ایک زبردست انتباہ فرمایا ہے

"فلیتق اللہ عز و جل عبد لا یغتر بالامانی التی نہی اللہ عز و جل عنہا من ھذہ الحدیث الکاذبۃ علی اللہ التی یکذبھا القرآن ویتبرأ منہا ومن حملتھا ورواتھا ولا یقدم علی اللہ عز وجل بشبھۃ لا یعذر بھا فانہ لیس وراء المعترض للقتل فی سبیل اللہ منزلۃ یؤتی من قبلھا وھی غایۃ الاعمال فی عظم قدرھا"

انسان کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ اور ان جھوٹی آرزوؤں پر مغرور نہ ہونا چاہیے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان جھوٹی حدیثوں سے پرہیز کرنا چاہیے جو اللہ پر افترا باندھتی ہیں قرآن جن کی تکذیب کرتا ہے احادیث کو جھوٹا کہتا ہے اور ان حدیثوں کے راویوں اور ماننے والوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے کوئی شخص اللہ کے پاس کسی شبہ کے ساتھ نہ جائے جس میں وہ معذور نہ سمجھا جائے کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بڑھ کر قابل عزت اور قابل قدر کوئی شخص نہیں اور تمام اعمال سے عظیم عمل یہی ہے۔"

❖

یعنی امام جعفر نے انتباہ کر دیا کہ مہاجرین ماذون من اللہ ہیں۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور اس سے بڑا کوئی عمل نہیں۔ لہٰذا جھوٹی حدیثوں کے سہارے ان صحابہ پر طعن کرنے اور ان کی فضیلت کا انکار کرنے سے آدمی اپنی عاقبت خراب نہ کرے۔ ان کا ماذون ہونا، مظلوم ہونا، مومن ہونا اور جنتی ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے مگر معلوم ہوتا ہے یار لوگوں نے اسے کھلی دھمکی ہی سمجھا اس لیے مہاجرین صحابہ اور خلفائے ثلثہ کے حق در، باتیں کہیں جو صرف وہی آدمی کہہ سکتا ہے جسے امام جعفر صادق سے دلی عناد ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ اذن تو حضرت علیؑ کو ملا تھا کہ فارس وغیرہ سے جنگ کر کے ان سے حکومت چھین لیں۔ تو مشکل یہ ہے کہ یہ بات کہنے والوں نے خود اس راہ میں ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ہے کہ حضرت سے کچھ بن نہیں پڑتا۔

اصول کافی طبع نو کشور لکھنؤ ص ۱۷۳ حضرت علیؓ کے لیے ایک وصیت کا پورا باب ہے۔ جو جبرائیل اللہ کی طرف سے نبی کریمؐ کے پاس لے کر آئے اور حضورؐ نے حضرت علیؑ کو بلا کر سنائی تو حضرت اس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

قال امیر المؤمنین علیہ السلام فصعقت حین سمعت الکلمۃ ھذہ من جبرائیل حتی سقطت علی وجہی وقلت نعم قبلت ورضیت وان انتھکت الحرمۃ وعطلت السنن ومزق الکتاب وھدمت الکعبۃ وخضبت لحیتی من راسی بدم عبیط صابرا محتسبا حتی اقدم علیک۔

حضرت علیؓ نے فرمایا جب میں نے جبرائیل کی یہ بات سنی تو میں غش کھا کے گر پڑا۔ اور میں نے کہا کہ مجھے یہ وصیت منظور ہے میں اس پر راضی ہوں۔ اگرچہ میری بے حرمتی کی جائے۔ سنت رسولؐ معطل ہو جائے۔ قرآن کریم کے پرزے اڑا دیئے جائیں، خانہ کعبہ کو مسمار کر دیا جائے اور اگر داڑھی میرے سر کے خاص خون سے رنگی جائے میں ہر حال میں صبر کرونگا اور طالب ثواب ہونگا۔ یہاں تک کہ جان دے کر یا رسول اللہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔

ظاہر ہے کہ سنت کو معطل کرنا. کتاب الٰہی کی توہین کرنا اور امر کعبہ کو منہدم کرنا کفار ہی کا کام ہے اور اگر کفار ان سب باتوں پر تل جائیں تو حضرت علیؓ کا ان کے خلاف جنگ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انہیں تو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دی، بلکہ صبر کرنے اور یہ سب مناظر دیکھ کر ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بن کر ثواب کا امیدوار رہنے کا حکم ہے اور انہوں نے اس حکم کی تعمیل کرنا بخوشی قبول کیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قیصر و کسریٰ کے خلاف جنگ کر کے ان سے وہ سب کچھ چھین لیتے جو انہوں نے دبا رکھا تھا اگر ایسا کرتے تو وصیت کی خلاف ورزی کرتے اور خدا سے جو عہد کیا تھا اسے توڑ کر نقض عہد کے مجرم بنتے۔ یہ درست ہے مگر حیرت ہوتی ہے کہ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ نے یہ کیسے بھلا دی؟ شاید اس کی وجہ یہ کہ ان جنگوں میں نہ تو قرآن کو برباد کیا جا رہا تھا، نہ کعبہ کو دصیت گرایا جا رہا تھا اور نہ سنت کو معطل کیا جا رہا تھا۔ اگر یہ لوگ ان میں کوئی کام کرتے تو حضرت علیؓ بالکل نہ لڑتے اور پورے صبر سے کام لیتے۔ مگر جب ان لوگوں نے کوئی کام بھی نہ کیا تو حضرت علیؓ کو مجبوراً لڑنا پڑا۔ لہٰذا صاحب اصول کافی نے فیصلہ کر دیا کہ اذن للذین یقاتلون کی آیت میں جو اذن دیا گیا ہے وہ حضرت علیؓ کے لیے نہیں اور اصول کافی کا کون انکار کرے۔ جب اس کے ساتھ امام کا یہ سرٹیفکیٹ موجود ہے کہ ھذا کاف لشیعتنا اس لیے امام جعفر کے پیش نظر یہ وصیت یقیناً ہو گی۔ جبھی تو بات صاف کر دی۔ کہ مہاجرین کو اذن قتال دیا گیا تھا انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی قیصر و کسریٰ کے خلاف جہاد کیا، اللہ نے مدد کی اور فارس سے دولت چھینی جو ان کا حق تھا۔ اقتدار چھینا اور خلفائے ثلثہ کو اقتدار مل گیا، جو ان کا حق تھا۔ اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا کہ لیستخلفنھم فی الارض اور امام جعفر نے جو صحابہ اور خلفائے ثلثہ کی فضیلت کا اعتراف کیا تو گویا امام نے قرآن کریم کی تفسیر فرما دی۔

امام جعفر کی اس حدیث تک محدود نہیں قدیم شیعہ کتب میں خلفائے ثلثہ کی فضیلت کہیں مجموعی طور پر اور کہیں نام لے لے کر بیان کی گئی ہیں۔ جن میں شیخین کی فضیلت کا خصوصیت سے ذکر پایا جاتا ہے مثلاً

۱۔ تفسیر قمی طبع طہران ۲ : ۳۷۶

"فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ابا بکر یلی الخلافة بعدی ثم من بعد ابوک (عمر) فقالت من اخبرک هذا قال الله۔

حضور اکرمؐ نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ میرے بعد خلافت کا والی ابوبکرؓ ہوگا پھر تیرا باپ (عمرؓ) ام المؤمنین نے پوچھا آپ کو کس نے خبر دی؟ تو حضورؐ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔

۲۔ تفسیر صافی طبع ایران ۴ : ۱۷۰

"ان ابا بکر و عمر یملکان بعدی وقریب من ذلک ما رواه العیاشی۔

ابوبکرؓ و عمرؓ میرے بعد والی حکومت ہوں گے اور اسی کے قریب وہ روایت ہے جو مفسر عیاشی نے بیان کی ہے۔"

۳۔ تفسیر المیزان فی تفسیر القرآن طبع ایران ۱۹ : ۳۹۹

"والذی اعرض عنه قوله ان اباک وابا ها یلیان الناس بعدی مخافة ان یفشو ا...

اور بات جو رسولؐ خدا نے پوشیدہ رکھی وہ یہ تھی کہ اے حفصہؓ تیرا باپ (عمرؓ) اور عائشہ صدیقہؓ کا باپ ابوبکرؓ میرے بعد حاکم و والی ہوں گے اعراض کی وجہ یہ تھی کہ راز فاش نہ ہو جائے

۴۔ تفسیر منہج الصادقین ۹ : ۳۳۴

"سخنے را کہ تحریم ماریہ قبطیہ است وحکومت ابوبکرؓ و عمرؓ بعد از ان۔

بعض ازواج حدیث کے تحت لکھا ہے جو بات پوشیدہ رکھی وہ ماریہ قبطیہ کی تحریم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی حکومت کی بات تھی۔"

۵۔ تفسیر مجمع البیان طبع ایران ۳۱۴۰ واعرض عن بعض کے تحت لکھا۔

"ان ابا بکر و عمر یملکان بعدی وقریب من ذلک ما روی العیاشی بالاسناد عن عبد الله بن عطاء المکی عن ابی جعفر علیه السلام۔

ابوبکرؓ اور عمرؓ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ اسی کے قریب وہ حدیث ہے جو مفسر عیاشی نے عبداللہ بن عطاء اور اس نے امام باقرؒ سے کی سند سے بیان کی ہے۔"

۶۔ کشف المحجہ لثمرۃ المهجہ سید رضی الدین ابی القاسم علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاؤس۔
مطبع حیدریہ نجف اشرف فصل ۸۶ صـ ۶۱

یہ اقتباس اور اس پر تفصیلی بحث "آیت معیت" کے باب میں ملاحظہ ہو۔

۷۔ حملہ حیدری۔ علامہ باذل ۱: ۲۲۸ ہرقل روم کی پیشگوئی بیان کرتا ہے

"چنیں شد کہ یک شب بعلم نجوم | چنیں گشت معلوم والیٔ رُوم!
کہ از گردش نیلگوں آسماں | رود ملک از دست عیسائیاں
شوند آنکساں در جہاں پادشاہ | کہ در دین شاں ختنہ باشد روا

۸۔ حملہ حیدری۔ علامہ باذل ۱: ۱۴۱

"ابا بحراز آں پس براہ پا گزاشت | کہ گفتار کاہن بدل یاد داشت
بادکاہنے دادہ بود ایں خبر | کہ مبعوث گردد یکے نامور
ز بطحا زمین و در ہمیں چند گاہ | بود خاتم انبیاء آں اِلٰہ
تو با خاتم انبیاء بگردی! | چوں او بگزرد جانشینش تُوئی
ز کاہن چو بودش بیاد ایں نوید | بیاورد ایماں نشانش چو دید"

روایات میں کاہن کی جگہ راہب کا لفظ ہے۔ اگر کاہن سمجھا جائے تو اسے علم نجوم سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر ایمان بھی لائیں گے اور حضورؐ کے پہلے خلیفہ بھی ہوں گے۔ اور اگر راہب تسلیم کیا جائے تو اسے یہ حقیقت سابقہ کتب سماوی سے معلوم ہوئی ہوگی۔

(۱) یہ بات مسلم فریقین ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ اور یمن، مصر اور حبشہ کے سلاطین کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے خطوط بھیجے تھے۔

(۲) علامہ باذل کے حملہ حیدری سے یہ اقتباس گزر چکا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

ہمہ اہل ایران و اہل یمن | بزودی در آیند در دینِ من

(۳) حملہ حیدری سے یہ حوالہ بھی گزر چکا ہے کہ

بیا سیخ چنیں گفت روح الامین | کہ بعد از من انصار و اعوانِ دین

بر آں مملکت ہا مسلّط شوند! بآئین من اہل آں بگروند!"

اب ان آٹھ اقتباسات کو پھر سے پڑھیے، اور ان سوالوں کے جوابات تلاش کیجیے کہ:-

(۱) ان ممالک کو فتح کس نے کیا؟

(۲) ان ممالک میں جو دین فاتحین نے پھیلایا وہ اسلام تھا یا کوئی اور اگر اسلام ہی تھا تو حضورؐ نے جو دین من فرمایا اس کے پھیلانے والے کون تھے؟

(۳) ان ممالک پر مسلّط کون ہوئے؟ حکومت کس کی رہی؟

(۴) ان مسلّط ہونے والوں کو حضورؐ نے اعوان و انصار دین جو فرمایا تو وہ کونسا دین تھا؟

(۵) یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضورؐ کے بعد خلافت خلفائے ثلثہ کے پاس رہی تو اوپر کے چار سوالوں کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے جن سلاطین کو اسلام کی دعوت دی ان کو خلفائے ثلثہ نے فتح کیا۔ ان ممالک میں وہی دین اسلام پھیلایا جس کی حضورؐ نے دعوت دی تھی۔ لہٰذا وہی اعوان و انصار دین ہیں کامل الایمان ہیں اور خلفائے ثلثہ برحق ہیں اور آیت استخلاف کے مصداق وہی ہیں۔ ورنہ تاریخ سے اس آیت کا کوئی اور مصداق ثابت کیجیے۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ خلافت تو واقعیً خلفائے ثلثہ نے سنبھالی۔ لیکن یہ ظالم حکمران تھے مگر شیعہ مفسرین نے روایات بیان کی ہیں اور اصول کافی میں حضورؐ کی ان خلفاء کے متعلق جو پیشگوئیاں بیان ہوئی ہیں ان میں کہیں جور و ظلم کا تذکرہ بھی ہے اگر نہیں تو یہ کیا بات ہوئی کہ حضورؐ نے آدھی بات بتائی اور آدھی راز سربستہ ہی رہی اگر اسے بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال پھر بھی حل نہ ہوگا۔ کہ پھر شیعہ کو یہ راز کس نے بتایا اور کیوں؟ ضد کا بھی آخر کوئی سلیقہ ہوتا ہے یہ کیا کہ آدمی خدا کی مخالفت پر ڈٹ جائے۔ رسولؐ کا مدِمقابل بن جائے۔ اور اپنے آئمہ کا انکار بھی کر بیٹھے۔ اور نہ اس کے ایمان میں خلل آئے، نہ اس کے محب اہل بیت ہونے پر حرف آئے۔

سہ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس حقیقت سے گریز کی ایک راہ کھلی ہے اور یہ راہ ہی نہیں شاہراہ ہے۔ کیونکہ اس پر ہر قسم کے احکام واقعات کی ٹریفک چل سکتی ہے۔

وہ راہ یہ ہے کہ "امام نے تقیہ کر کے صحابہ کرام کو ماذون للجہاد فرمایا ہے اور تقیہ کر کے ہی انہیں مظلوم اور کامل الایمان بہ شرائط عشرہ بیان کیا ہے"۔ وہ یہ اکسیر ہے جو شیعہ حضرات ہر اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جہاں وہ دلیل کے میدان میں زچ ہو جائیں۔ مگر یہ نسخہ ہر مقام پر کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اس معاملے میں غور کیجئے۔

(۱) کیا امام نے کسی مقام پر اس بات کا اظہار کیا کہ وہ بات میں نے تقیہ کے طور پر کہی تھی؟

(۲) اگر نہیں تو کسی بات پر تقیہ کا لیبل لگانے کا معیار کیا ہے؟ اگر معیار یہ ہے کہ جہاں کوئی دلیل نہ مل سکے وہاں تقیہ کا ٹھپہ لگا دو۔ تو اس سے خود فریبی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ اور ہر سوچنے والا انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ محض ضد ہے جو باطل پر ڈٹ جانے کے لیے ایک آڑ سے زیادہ کچھ نہیں اور اگر معیار یہ ہو کہ جس بات کے متعلق جی چاہے کہہ دو یہ تقیہ کر کے کہی گئی ہے۔ تو اس وقت بڑی الجھن پیدا ہو گی جب کوئی شخص کہہ دے کہ امام نے تقیہ کر کے اقرار شہادتین کیا تھا۔ پھر امام کا ایمان اور اس کا مذہب کیونکر ثابت ہو گا۔ یہ ایسا اندھا کنواں ہے جس سے شیعہ لاکھ کوشش کریں نکل نہیں سکتے۔

(۳) اس حدیث میں امام نے قرآن کی آیت کا حوالہ دے کر صحابہ کو ماذون، مظلوم، مومن صالح ثابت کیا ہے۔ اگر اسے تقیہ کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔ جو لوگ (بقول شیعہ) مرتد، کافر ظالم اور غاصب تھے۔ ان کو قرآن کی آیت سے مومن صالح اور خلافت و حکومت کا حق دار ثابت کیا۔ یہ تو صاف طور پر خدا کے خلاف مورچہ لگانا ہوا۔ خدا کچھ کہے امام کچھ کہے کیا امام کا منصب

یہی ہے؟

(۴) امام نے تقیہ کر کے ثواب حاصل کر لیا۔ مگر اس حدیث سے جو مخلوق خدا گمراہ ہوئی، اس کا گناہ کس کے ذمے۔ امام نے تقیہ کر کے خلق خدا کو جو دھوکا دیا ہے اس کا اثر تو صدیوں تک اور دنیا کے کونے کونے میں پھیلا ہے، کیا تقیہ کا ثواب ان تمام گناہوں کو بہا لے جائے گا؟ تقیہ نہ ہوا طوفان نوح ٹھہرا۔

(۵) امام نے تقیہ کیوں کیا حالانکہ امام کو اس سے منع کیا گیا تھا۔

اصول کافی طبع جدید ایران ۲ : ۵۹ امام باقر نے اپنے بیٹے امام جعفر کو مہر شدہ وصیت یہ دی تھی اور امام نے پڑھی وہ وصیت یہ تھی۔

"ثم دفعه الی ابنه جعفرؑ	امام باقر نے وہ وصیت کا لفافہ اپنے
ففک خاتما فوجد فیه	بیٹے امام جعفر کو دیا انہوں نے لفافہ کی
حدث الناس وافتهم	مہر توڑی تو اس میں لکھا پایا" لوگوں کے
وانشر علوم اهل بیتک	سامنے حدیث بیان کر، انہیں فتویٰ
وصدق آباءک الصالحین	دے اور اپنے خاندان کے علوم پھیلا
ولا تخافن الا الله عز وجل	اور اپنے نیک آباؤ کی تصدیق کر اور
وانت فی حرز وامان۔	اللہ کے بغیر کسی سے نہ ڈر، تو محفوظ اور مامون ہے"

ایک تو باپ، پھر امام، پھر اس کی وصیت۔ بیٹا اور وہ بھی امام مگر دیکھنا یہ ہے کہ آدمی جب جھوٹ بولتا ہے یا یوں کہیے کہ تقیہ تب کرتا ہے جب اسے کسی قسم کا اندیشہ ہو کر سچی بات کہی تو رسوائی ہوگی۔ یا جان جائے گی۔ تو وصیت میں "ولا تخافن الا الله عز وجل" اگر یہ کہیں کہ امام نے اس وصیت پر ضرور عمل کیا تو ماننا پڑے گا کہ اس جملے میں "الا" کا لفظ یا تو امام نے پڑھا نہیں تھا یا اس وقت تھا ہی نہیں بعد میں تبرکاً داخل کر دیا گیا۔ گویا اصل عبارت یوں تھی "ولا تخافن الله عز وجل" یعنی اللہ سے ہرگز نہ ڈرنا۔ اس لیے امام نے جھوٹ کے وبال سے بے نیاز ہو کر اور اللہ کے خوف سے یکسر آزاد ہو کر بڑی بے تکلفی سے جھوٹ بول دیا۔ پھر "حدث الناس" کا حکم ہے تو اس میں کوئی

مذارہ گیا ہے اور امام نے بین سطور پہ حدیث اس کا مطلب ہے جھوٹی حدیث بیان کیا کر۔ اسی طرح "فی نفسہم" کا مطلب بھی یہی ہوگا۔ کہ اگر بوجھیں تو جھوٹ بتا دیا کرو۔ اور "دانتش علوم اہل بیت" کو دیکھا جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ نے تقیہ کرکے یہ حدیث بیان کی تو وصیت کے اس حصے کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل بیت کے علوم کا جوہر اور خلاصہ جھوٹ ہے جس کی تلخی سے بچنے کے لیے اس پہ تقیہ کی شیرینی کا کوٹ کر دیا گیا ہے۔

امام کے متعلق یہ تصور دلانا امام پر اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ شاعر تو محبوب کو ظالم کہتے ہیں۔ مگر یہاں تو عاشقوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ یہاں ایک اور بات قابل غور ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تقیہ دین ہے یا کفر ہے؟ ظاہر ہے کہ کفر ہوتا تو امام سے منسوب کون کرتا لہٰذا معلوم ہوا دین ہے۔ اگر یہی بات ہے تو شیعہ کو بھی چاہیئے کہ تقیہ کرکے صحابہ کرام بالخصوص خلفائے ثلثہ کی مدح و ثنا کریں۔ اس کے تین فائدے ہیں۔ اول یہ کہ تقیہ کا ثواب ملے گا اور وہ اتنا ہے کہ سمیٹا ہی نہیں جا سکتا۔ دوم یہ کہ امام مفترض الطاعۃ کی اطاعت اور اس کی سنت پہ عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔

سوم یہ کہ قوم میں منافرت نہ پھیلے گی۔ اس میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوگا۔ جس کی ہر زمانے میں بالعموم اور اس وقت بالخصوص شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔

مگر جہاں نفس پرستی اور ہنگامہ آرائی ہی محبوب مشغلہ ہو، وہاں ثواب کا کسے خیال آ سکتا ہے ؎

ہائے ان مالیوں نے باغ اجاڑا اپنا

خلافت اور نص

کہا جاتا ہے کہ خلافت کا منصوص ہونا ضروری ہے اور حضرت علیؓ کی خلافت منصوص ہے خلفائے ثلثہ کی خلافت کے لیے کوئی نص موجود نہیں۔ نص کیا ہے اور خلافت کے منصوص ہونے سے کیا مراد ہے اس پہ تفصیلی اور مدلل بحث ہماری کتاب "تحذیر المسلمین" میں کی گئی ہے۔ تاریخی ترتیب کی روشنی میں اس موضوع پہ اجمالی بیان کیا جاتا ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے لیے نص کب اور کس صورت میں نازل ہوئی اس سلسلے میں ملاحظہ ہو۔

احتجاج طبرسی صفحہ ۲۹:

"وقد بقی علیك من ذلك فی یفتتان مما یحتاج ان تبلغهما قولك فی یفنة الحج وفی یضة الولایة والخلافة من بعدك الی ان قال فلما بلغ غدیر خم قبل الجحفة بثلاثة امیال نزل بلغ ما انزل الیك من ربك.	(اے میرے رسول) آپ پر دو فریضوں کا بیان کرنا باقی رہ گیا ہے، ایک فریضہ حج دوسرا آپ کے بعد ولایت اور خلافت کا فریضہ... آپ جب غدیر خم پر پہنچے جو الجحفہ سے تین میل ادھر ہے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا۔"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ:

(۱) حجۃ الوداع تک حضرت علیؓ کی خلافت ولایت کے متعلق کوئی شخص بھی جانتا نہیں تھا۔

(۲) غدیر خم پر آیت نازل ہوئی جس کا مفہوم عام ہے کہ جو کچھ تجھ پر نازل ہوا وہ لوگوں تک پہنچا۔ اس میں خلافت علیؓ کا اشارہ تک موجود نہیں۔

(۳) اس موقع پر حضرت علیؓ کی خلافت کا حضورؐ نے کوئی واضح اعلان نہیں فرمایا۔

اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے اس واقعہ سے پہلے آیت اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ الخ نازل ہو گئی تھی۔ یعنی اس سے پہلے ہی اعلان ہو چکا تھا کہ دین مکمل ہو گیا۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ غدیر خم کے مقام پر پہنچنے کے بعد خلافت علیؑ کے اعلان حکم دیا گیا۔ تو اس سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ دین کا حصہ نہیں تھا۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا الیوم اکملت لکم دینکم والی بات (معاذ اللہ) محض بہلاوا ہے اس میں کوئی

حقیقت نہیں بیان کی گئی اور یہ بات ماننا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت معاذ اللہ بے معنی یا زائد ہے مسلمان کے بس کی بات نہیں لہذا لازماً دوسری حقیقت ہی تسلیم کرنی پڑے گی۔ کہ خلافت علیؓ کا اعلان کرنا دین کا حصہ نہیں اور اس حقیقت کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان نہیں فرمایا۔ لہذا خلافت علیؓ کا منصوص ہونا بس نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

خلفائے ثلثہ کے متعلق غدیر کے واقعہ سے پہلے برسوں ایسے اعلان ہوتے رہے جن میں مہاجرین وانصار اور خلفائے ثلثہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ ان کے کامل الایمان ہونے کی سند ان کے جنتی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً:

(۱) والسابقون الاولون
من المهاجرين والانصار
والذين اتبعوا هم
باحسان رضى الله عنهم
ورضوا عنه.

(۲) لقد رضى الله عن المؤمنين
اذ يبايعونك تحت
الشجرة.

(۳) والذين امنوا وهاجروا
وجاهدوا فى سبيل الله
والذين اووا ونصروا
اولئك هم المؤمنون
حقا لهم مغفرة ورزق
كريم.

(۴) لا يستوى منكم من انفق

من قبل الفتح و قاتل
اولئک اعظم درجة من
الذین انفقوا من بعد
وقاتلوا وکلًّا وعد اللّٰہ
الحسنیٰ۔

پہلی تین آیتوں میں مہاجرین وانصار کے کامل الایمان اور جنتی ہونے کا اعلان ہے چوتھی آیت میں فرق مراتب بیان ہوا ہے کہ جو لوگ فتح مکّہ سے پہلے ایمان لائے جہاد کیا دین کے رستے مال خرچ کیا وہ ان صحابہ سے افضل ہیں جنہوں نے فتح مکّہ کے بعد دین کی یہ خلافت کی۔ ظاہر ہے خلفائے ثلثہ کا تعلق پہلے گروہ سے ہے۔ لہٰذا اس آیت میں خلفائے ثلثہ کی فضیلت بلکہ افضلیت کا اعلان ہوا ہے۔ اور دونوں گروہوں کے جنتی ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری ہُوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے اس موقعہ خاص پر تو راضی ہو گیا مگر یہ لوگ بعد میں معاذاللہ مرتد ہو گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی یہ سندات ان کے کسی کام نہیں آسکتیں۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا علم ناقص ہے ایک بات کر دیتا ہے نتائج کی اسے خبر نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ بات یا تو بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ کو بدلنی پڑتی ہے۔ اسی مجبوری کی بنا پر شیعہ نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بدا کا عقیدہ ایجاد کیا۔ جس پر تفصیلی بحث "تحذیر المسلمین" میں ملاحظہ ہو۔

دوسری بات یہ تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اللہ کی رضامندی کی سند کے بعد معاذاللہ اگر یہ لوگ بگڑ گئے تو رسول کریمؐ جیسی شخصیت اور آپ کی صحبت اس جم غفیر میں سے کسی کی اصلاح نہ کر سکی۔ تو پھر بعد میں کوئی کس برتے پر مسلمان ہونے کا یا جنتی ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے؛

تیسری بات یہ ہے کہ بقول شیعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بلا فصل ہونے کا وعدہ فرمایا، حضورؐ اکرم سے اس کا اعلان کرایا مگر واقعات اس کے بالکل برعکس

ظہور میں آئے۔ کیا خدا کو اپنے وعدے کا کوئی پاس نہیں تھا؟ اگر پاس تھا تو کیا خدا ایسا کمزور ہے کہ بندوں کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ چپ سادھ لی اور اپنے "مخالفین" کا کچھ نہ بگاڑ سکا؟ حضرت علیؓ نے بھی کسی موقع پر خدائی وعدہ کا حوالہ نہ دیا۔ کہ میرا لحاظ نہ سہی خدا کے وعدے کا تو کچھ خیال کرو۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ خلافت بلافصل کی بات محض ایک افسانہ ہے۔ جو بعد میں مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لیے گھڑ لیا گیا۔ اس کا تانا بانا کیسے تیار ہوا اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ پروگرام اس انداز سے پورے کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کی قدرت کا اقرار کئے بغیر کچھ بن نہیں پڑتی مثلاً:

(۱) فرعون جیسا سرکش حکمران اپنے ہوا خواہوں کے بتانے پر اپنی اور اپنی حکومت کی حفاظت کے لیے یہاں تک کر گزرتا ہے۔ کہ قبطی قوم کو من حیث القوم ذلیل و رسوا کر کے چھوڑا۔ پھر قبطیوں کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دینے کا حکم رائج کیا۔ تاکہ ان کی نسل کا وہ حصہ ہی ختم ہو جائے جو اس کے سامنے صف آرا ہو سکے مگر اللہ تعالیٰ کا پروگرام دیکھئے کہ جس سال بچوں کو قتل کر دینے کا حکم فرعون نے صادر کیا۔ اسی سال حضرت موسیٰؑ کو پیدا فرمایا۔ پھر صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کرایا۔ پھر فرعون کے گھر میں ان کی پرورش کرائی۔ پھر انہی کے ہاتھوں اسکو ہلاک کرایا۔ اور اس کی حکومت کا خاتمہ کرایا۔

تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ فرعون جیسے سرکش سے تو خدا نہ دبا۔ مگر ابوبکرؓ و عمرؓ کیا فرعون سے بھی زیادہ طاقتور تھے کہ ان کے مقابلے میں خدا کی ایک نہ چلی۔ اور خدا نے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کا فیصلہ کر کے انہیں مدتوں انتظار کرایا۔ اس لیے اس معاملے میں یا تو خدا کو عاجز اور بے بس ماننا پڑے گا یا خلافت علی بلافصل کو افسانہ تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۲) حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے انہیں اپنی راہ کا کانٹا سمجھتے ہوئے راہ سے ہٹانے

کی تدبیر کی۔ قافلے کے ہاتھوں بیچا۔ پھر مصر میں عزیز مصر کی بیوی نے انہیں جیل بھجوا دیا مگر خدا نے نہ صرف اسے جیل سے نکالنے کی تدبیر کی بلکہ حکومت مصر میں اس منصب پر پہنچایا جو دنیا کے لیے قابلِ رشک تھا اور بتایا کہ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ اور جو لوگ قدرت قادر کے منکر تھے ان کے لیے اعلان بھی فرمایا کہ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ ۔

اگر خلافت بلافصل کی بات اللہ کا امر تھا تو اللہ کو غالب آنا چاہیئے تھا۔ اور جب یہ نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا فیصلہ تھا ہی نہیں۔ ورنہ بندوں کے مقابلے میں مغلوب ہو جانے والا خدا بھی کیا خدا ہُوا۔

پھر تاریخ سے اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ جب کوئی ظالم حکمران اللہ والوں کے مقابلے میں اٹھا اللہ نے اس ظالم کی گردن توڑ دی اور غلبہ اللہ والوں کو عطا کیا۔ مگر یہاں کیا بات ہے کہ بقول شیعہ یکے بعد دیگرے تین ظالم حکمران رہے، مگر خلافت بلافصل کا فیصلہ کرنے والا رب بس دیکھتا ہی رہ گیا۔

اس کے مقابلے میں خلفائے ثلثہ کے حالات دیکھے جائیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی خلافت منصوص تھی، مثلاً حضرت علیؓ کی خلافت کا معاملہ تو بقول شیعہ غدیر خم تک منصۂ شہود پر نہیں آیا تھا، بلکہ کسی کے ذہن اور تصور میں بھی نہیں پایا جاتا تھا مگر نبی کریمؐ نے اپنی حیات طیبہ میں عملاً خلفائے ثلثہ کو اسی ترتیب کے ساتھ کاروبار سلطنت سنبھالنے کی ٹریننگ دی، چنانچہ

۱۔ تفسیر قمی طبع ایران ۲ : ۴۳۴ شیعہ کی پہلی تفسیر۔

وادی یابس جنگ سلاسل میں نبی کریمؐ نے ۱۲ ہزار کافروں کے مقابلے میں پہلے حضرت ابو بکرؓ کو پھر فاروق اعظمؓ کو امیر بنا کر بھیجا۔

"فنزل جبريل على محمد صلى الله عليه و سلم واخبره بقصتهم	جبریل امین نازل ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے قصہ کی خبر دی، جو انہوں نے

وما تعاقدوا علیه وتواثقوا	آپس میں معاہدے کیے تھے ان کی
وامرہ ان یبعث فلانا	بھی اطلاع دی۔ اور حکم دیا کہ ان کے
(ابوبکرؓ) الیہم فی اربعۃ	مقابلے کے لیے مہاجرین و انصار
آلاف فارس من المہاجرین	میں سے ۴ ہزار سواروں کے ہمراہ
والانصار الی ان قال ثم قال	ابوبکر صدیق کو بھیجوں .... اے جماعت
یا معشر المسلمین انی امرت	مسلمین مجھے حکم ملا ہے اور مجھے جبریلؑ
وان جبرائیل امرنی عن اللہ	نے اللہ کی طرف سے حکم دیا ہے کہ میں
ان ابعث الیہم فلانا	ان کفار کے مقابلے میں عمر فاروقؓ
(عمرؓ) فی اصحابہ اربعۃ	کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ جو ۴ ہزار
آلاف ۔	ہیں بھیجوں ۔"

۲۔ تفسیر صافی طبع ایران بسورۃ العادیات ص ۸۴۳

" فنزل جبرائیل ...... قد اخبرنی وامرنی ان اُسیر الیہم ابابکرؓ بامرہ ...... وان جبرائیل امرنی عن اللہ ان ابعث الیہم عمر فسیر یا عمر "۔

۳۔ تفسیر فرات بن ابراہیم طبع قدیم ایران

" فنزل جبرائیل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ بقصتہم وامرہ ان یبعث ابابکر الیہم فی اربعۃ آلاف ثم وان جبرائیل امرنی ان ابعث عمر مکانہ الیہم "۔

۴۔ حیات القلوب ۲: ۵۲۰ / ۵۲۱

" پس جبرائیل نازل شد و قصہ ایشاں را برائے آنحضرت نقل کرد و از جانب خدا مامور گردانید آنحضرت را کہ ابوبکرؓ را با چہار ہزار سوار از مہاجرین و انصار بجنگ ایشاں بفرستد ..... و حضرت رسولؐ ابوبکرؓ

ما طلبید و بر ایشاں امیر کرد...... و اینک جبرائیلؑ امراز جانب خدا امر می کند کہ عمرؓ را بجائے اد فرستم با چہار ہزار سوار با عمرؓ برو بانام خدا۔"

یہ چاروں شیعہ کی معتبر کتابیں ہیں۔ ان میں ابو بکرؓ و عمرؓ کی امارت کا ذکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضورؐ اکرمؐ نے انہیں یکے بعد دیگرے امارت سونپی۔ اس کا وزن کم کرنے کے لیے راویوں نے اپنی طرف سے آخر میں یہ دم لگائی کہ ابو بکرؓ بھی بھاگ کے آگئے پھر عمرؓ بھی بھاگ کے آگئے۔

تقیہ کی آڑ میں ایسی کوششیں کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں مگر اس سے شیخینؓ کی امارت پر اور من جانب اللہ مامور ہونے پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ بزدل تھے۔ جنگ سے بھاگ آئے۔ اس انداز سے سوچیں۔ تو اس سے ایک اور حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ حضرت علیؓ تو ان دونوں سے بزدل تھے جو ان "بزدلوں" کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور اپنا حق نہ لے سکے۔ اور شیعوں کا خدا ان سے بھی "بزدل" تھا۔ جو ان "بزدلوں" سے حضرت علیؓ کا حق بھی نہ دلوا سکا۔ آدمی سلیقے سے جھوٹ بولے تو کبھی کبھی بات بن جاتی ہے مگر شیعہ راویوں کو تو صرف تقیہ کی عبادت سے غرض ہوتی ہے۔ سلیقہ کا کم ہی خیال رکھتے ہیں۔

گزشتہ صفحات میں شیعہ کی تفسیر قمی، تفسیر صافی، تفسیر المیزان، تفسیر منہج الصادقین تفسیر مجمع البیان اور حملہ حیدری علامہ باذل کے حوالے گزر چکے ہیں۔ کہ حضورؐ اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کی خبر دی، اگر خلافت منصوص ہی ہے تو شیخین کی خلافت پر حضورؐ کا بار بار کا فرمان نص ہے۔ اور اگر اس سے انکار نہ کیا جائے کہ و ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی تو حضورؐ اکرمؐ اپنے سامنے حضرت ابو بکرؓ صدیق کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کر کے عملاً ان کی خلافت پر نص قائم کر گئے۔

آیت استخلاف میں خلیفہ بنانے کی نسبت خدا کی طرف سے ہے

"یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنانے کی نسبت اپنی طرف کی ہے مگر خلفائے ثلثہ کو مہاجرین و انصار نے خلیفہ بنایا لہذا یہ آیت کا مصداق نہیں بن سکتے"۔

چونکہ بات علمی انداز میں کہی گئی ہے اس لئے بظاہر وزنی معلوم ہوتی ہے مگر یہ علمی نکتہ جب علمی حقائق کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو نہایت بودا نظر آتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ جس طریقے سے خلفائے ثلثہ کی خلافت عمل میں آئی ٹھیک اسی طریقہ سے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا گیا۔ اگر استخلاف کی نسبت خلفائے ثلثہ کے حق میں درست نہیں معلوم ہوتی تو کیا حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کے لیے اللہ نے کوئی فرشتے نازل کئے تھے کہ انہیں اٹھا کر تختِ خلافت پر بٹھا دیں، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مہاجرین و انصار نے انتظار کیا کہ حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ خود خلیفہ بنائے گا۔ مگر جب انتظار طویل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مافوق الفطرت انتظام نہ کیا تو مہاجرین و انصار نے سمجھ لیا کہ اللہ تو انہیں خلیفہ بناتا نہیں چلو ہم ہی حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیں۔ مگر یہی کچھ تو وہ لوگ صدیق و فاروق و عثمان کے انتخاب کے وقت کر چکے تھے۔ اگر وہاں انتخاب کی نسبت غلط سمت کو مڑ گئی تو حضرت علیؓ کے انتخاب کے وقت وہ نسبت کیسے درست قرار پائی؟

اگر حضرت علیؓ کے پاس خلافت پر کوئی نص ہوتی تو خلفائے ثلثہ میں سے کسی کے انتخاب کے وقت پیش تو کرتے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے کسی موقع پر نص پیش کرنا تو کیا نص کا ذکر ہی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے تو امیر معاویہؓ کے مقابلے میں بھی نص کی بجائے مہاجرین و انصار کے اجماع کو بطور دلیل پیش کیا جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو جو خط لکھا اس کا متن شیعہ کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغہ

علامہ میثم بحرانی ۴: ۳۵۵، ۳۵۶ ۔

زعمت انه انما افسد علی بیعتك خطیئتی فی عثمان لعمری ما کنت الا رجلا من المهاجرین اوردت کما اوردوا وصدرت کما صدروا وما کان الله لیجمعهم علی ضلال ولا یضربهم بعمی واما مازعمت ان اهل الشام الحکام علی اهل الحجاز فهات رجلین من قریش الشام یقبلا فی الشوری ان تحل لهما الخلافة فان زعمت ذلك کذبك المهاجرون والانصار.

(اے معاویہ) تمہارا خیال ہے کہ آپکی بیعت جو مجھ سے ہوئی اسے خون عثمان کے گناہ نے فاسد کر دیا ہے مجھے اپنی جان کی قسم میں مہاجرین میں سے ایک فرد ہوں مہاجرین جس راہ پر چلے ان کی طرح میں بھی اسی راہ پر چلا جیسا انہوں نے چھوڑا اسے میں نے بھی چھوڑا اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین و انصار کو دل کا اندھا بنا کر گمراہی پر جمع کر دے اور اگر آپ کا خیال ہے کہ شامی عربوں پر حاکم ہیں تو آپ شام کے دو قریشی جو شوریٰ کیلئے مقبول ہوئے ہوں، پیش کریں کہ ان کیلئے خلافت ہے (میری بیعت کے بعد) اگر آپ کا یہی خیال ہے تو مہاجرین و انصار اس خیال کی تکذیب کریں گے۔

ایضاً ۴: ۳۵۷

وهی کونها بیعة واحدة باتفاق المهاجرین والانصار الذین هم اهل الحل والعقد من امة محمد صلی الله علیه وسلم وهذه صغری من شکل الاول وتقدیر کبری

اور بیعت ایک ہی ہے جو امت محمدیہ کے ارباب حل و عقد مہاجرین و انصار کے اجماع اور اتفاق سے ہوئی ہے یہ صغریٰ شکل اول کا تھا اب کبریٰ جو بیعت مہاجرین و انصار کے اجماع سے ہو جائے اس میں نظر ثانی نہ ہو گی۔

وكل بيعة وقعت كذلك
فلا يثنى فيها نظر ولا يستأنف
فيها خيار وكل ما سبق من
حال الائمة الثلاثة (خلفاء ثلثه)
قبله عليه السلام اذ لم
يكن لاحد ان يثنى فى
بيعتهم نظرا و لا يستأنف
خيارا بعد ان عقدها
المهاجرون والانصار لاحدهم
ثم اشار الى حكم من لم
يدخل فى بيعته وهم
قسمان لان من لم يدخل
فيها اما ان يخرج عنها
او يقف فيها فحكم الخارج
عنها ان يكون طاعنا فى
صحتها و انعقادها فيجب
ان يجاهد و يقاتل حتى
يرجع اليها اذ هى سبيل
المؤمنين كما سبق و
حكم الواقف فيها والمتردد
فى صحتها انه مداهن
ومولوع من النفاق
و مستلزم للشك فى

اور نہ اس میں کسی کا اختیار چلے گا۔ اور
خلفائے ثلثہ کی بیعت کا جو حال گزر چکا
ہے ان کی بیعت خلافت میں کسی کو
نظر ثانی کرنے یا نئی راہ نکالنے کا اختیار
نہیں رہا یہ سوال جب ان کی بیعت
ہو چکی تھی۔ جس بیعت کا انعقاد مہاجرین
وانصار کے ہاتھوں ہو چکا تھا پھر حضرت
علی نے اس آدمی کے متعلق حکم کی طرف
اشارہ کیا جو بیعت خلافت میں داخل
نہیں ہوا۔ کہ اس کے لیے دو راستے
ہیں۔ اور وہ آدمی دو قسم کے ہیں۔
یا تو مسئلہ خلافت میں طعن کر کے
مہاجرین وانصار کی مخالفت کی راہ اختیار
کرے گا۔ تو ایسے آدمی کے خلاف
جہاد کیا جائے۔ تاکہ وہ اہل ایمان
کی راہ پر پلٹ آئے۔ یعنی بیعت
خلافت میں مسلمانوں کے ساتھ
متفق ہو جائے۔ دوسرا وہ شخص ہے
جو بیعت تو کرے مگر صحت امامت
وخلافت میں متردد ہو اور تسلیم کرنے
میں پس و پیش کرے۔ وہ ایک قسم
کا منافق ہے اسے اہل ایمان کی
راہ کے متعلق شک ہے اس پر

سبیل المؤمنین ووجوب اتباعه -	واجب ہے کہ مسلمانوں کی راہ اختیار کرے اور انکی اتباع کرے۔ اس راہ میں شک کرنا نفاق ہے۔
ایضاً ٣ : ٣٣٩	
ایها الناس ان احق الناس بهذا الامر اقواهم علیهم واعلمهم بامر الله فیه فان شغب مشاغب استعتب فان ابی قوتل ولعمری لئن کانت الامامة لا تنعقد حتی تحضرها عامة الناس فما الی ذلك سبیل ولکن اهلها یحکمون علی من غاب عنها ثم لیس للشاهد ان یرجع ولا للغائب ان یختار الا وانی اقاتل رجلین رجلا ادعی مالیس له وآخر منع الذی علیه -	لوگو! خلافت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قوی ہو اور احکام شرعی کا زیادہ عالم ہو، اگر کوئی اس کا اعتراض کرے تو اسے سمجھایا جاوے اور اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے میری جان کی قسم اگر خلافت کا انعقاد اس طریقہ سے ہو کہ تمام عوام اس پر جمع ہو جائیں تو اس انعقاد کا کوئی راستہ نہیں۔ لیکن جو خلافت منعقد کرنے کے اہل ہیں اگر وہ فیصلہ کریں تو انکا حکم غائب پر بھی ہے حاضر کے لیے رجوع کا کوئی حق نہیں اور غائب کوئی اور راہ اختیار کرنے کا مجاز نہیں خبردار میں ان آدمیوں سے لڑونگا جو خلافت کا حقدار ہونیکا دعویٰ کرے اور اس سے جو امام کی مخالفت کرے گا۔

حضرت علیؓ کے اس خطبے کی شرح علامہ میثم بحرانی نے یوں کی ہے -

الاول بیان احکام الذی هو احق الناس بامر الخلافة وحصر الاحق به فی امرین احدهما اقوی الناس علیه	پہلے ان احکام کا ذکر ہے جو سب سے زیادہ حق دار خلافت کے متعلق ہیں۔ اس حقدار کو دو اوصاف میں بند کر دیا ہے۔ پہلا یہ کہ سب سے قوی ہو وہ شخص سیاست

وهو الاكمل قدرة على السياسة والاكمل علما بمواقعها وكيفياتها و كيفيت تدبير المدن والحروب وذلك يستلزم كونه اشجع الناس ......

وبيان كيفية انعقاد الامامة بالاجماع فبين لقوله لعمري الى قوله ما الى ذلك سبيلا ان الاجماع لا يعتبر فيه دخول جميع الناس حتى العوام اذ لو كان ذلك لادى الى ان لا ينعقد اجماع قط فلم تصح امامة احد ابدا لتعذر اجتماع المسلمين باسرهم من اطراف الارض بل المعتبر في الاجماع اتفاق اهل الحل والعقد من امة محمد صلى الله عليه وسلم الخ...

فليس لاحد منهم بعد انعقادها ان يرجع ولا عن عداهم من

پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ مواقع خلافت کا کامل علم رکھتا ہے۔ شہروں کی آبادی کی کامل تدبیر جانتا ہے فن جنگ سے خوب واقف ہے ان اوصاف کا مالک سب سے زیادہ بہادر ہوگا...

اجماع کے ذریعے امامت کے انعقاد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اپنے قول "میری جان کی قسم تا اسکی کوئی صورت نہیں" میں فرمایا اس اجماع کا کوئی اعتبار نہیں جسمیں تمام عوام جمع ہوں کیونکہ یہ محال ہے اس طرح تو خلافت پر اجماع ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر تو خلافت کبھی صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کا اکٹھا ہونا محال ہے۔ بلکہ اجماع معتبر وہ ہے جو امت کے اہل حل وعقد صائب الرائے لوگوں کا اجماع ہو۔ اس اجماع سے جو خلافت منعقد ہوجائے اس کے بعد کسی مسلمان کو اختیار نہیں کہ اس سے منہ پھیرے اور نہ کسی غائب کو حق ہے کہ مسلمانوں کی

العوام ومن غاب عنها ان یختاروا غیر من اجمع هؤلاء علیه ؛	اس راہ کے بغیر کوئی اور راہ اختیار کرے ۔

حضرت علیؓ کے ان ارشادات اور میثم بحرانی کی شرح سے خلافت کے انعقاد کے متعلق حضرت علیؓ کا عقیدہ نکھر کے سامنے آجاتا ہے ۔ آپ نے اس بارے کوئی لگی لپٹی نہیں رہنے دی حضرت علیؓ کے عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ :

(۱) حقیقی اور صحیح خلافت وہ ہے جو مہاجرین و انصار کے اجماع سے منعقد ہو ۔ کیونکہ امت محمدیہ میں اہل حل وعقد اور صائب الرائے وہی ہیں ۔

(۲) اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین و انصار کو دل کا اندھا بنا کر کسی گمراہی پر جمع کر دے ۔

(۳) مہاجرین و انصار کے اجماع کے بعد دوسرے لوگوں کا دو قسم کا ردِ عمل ہو سکتا ہے اوّل وہ شخص جو اس اجماع پر طعن کرکے مخالفت کی راہ اختیار کرے ایسے آدمی کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے ۔

دوسرا وہ شخص جو بیعت تو کرے مگر صحت خلافت میں متردد ہو تو ایسا شخص منافق ہے اس کی راہ مسلمانوں کی راہ سے الگ ہے ۔

(۴) حاضرین میں سے جو شخص بیعت کرے اسے رجوع کا کوئی اختیار نہیں ۔

(۵) جو شخص اس اجماعی منتخب خلیفہ کے مقابلہ میں خلافت کا حق دار ہونے کا دعویٰ کرے میں اس کے خلاف لڑائی کرونگا ۔

حضرت علیؓ کے اس عقیدے کے آئینے میں خلفائے ثلثہ کی خلافت اور حضرت علیؓ کے کردار کا جائزہ لیجئے ۔

(۱) خلفائے ثلثہ کی خلافت کا انعقاد مہاجرین و انصار کے اجماع سے ہوا جو اُمت محمدیہ میں مسلمہ ارباب وحل وعقد ہیں ۔ لہذا ان کی خلافت صحیح اور وہ اپنے اپنے وقت خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ثابت ہوئے ۔ اور حضرت علیؓ کا عقیدہ

یہی ہے۔ اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

(۲) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کی خلافت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے ان کی بیعت کی یا کوئی دوسرا ردِ عمل اختیار کیا۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ان حضرات کو خلافت کا صحیح حقدار سمجھ کر ان کی بیعت کی اور جس طریقے سے ان کی خلافت منعقد ہوئی حضرت علیؓ نے اس طریقہ کو صحیح اور معیاری طریقہ بیان فرمایا۔

اگر بقول شیعہ یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت علیؓ نے ان کی خلافت پر طعن کر کے ان کی مخالفت کی تو حضرت علیؓ ایسا شخص اس قابل ہے کہ اس کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اور اگر بقول شیعہ بیعت تو تقیہ کر کے کر لی مگر صحت خلافت میں انہیں تردد رہا تو بقول حضرت علیؓ ایسا شخص منافق ہے اب یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ شیعہ کا قول معتبر ہے یا حضرت علیؓ کا ارشاد اور عقیدہ۔

اب اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جس کام کی نسبت اللہ کی طرف ہو۔ وہ کام کیسے انجام پاتا ہے یا ظہور میں آتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس حقیقت کیطرف رہنمائی ہوتی ہے بمثال کے طور پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اللہ نے تلوار چلا کر کفار کو قتل کیا تھا یا اللہ نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ تلوار ہاتھ میں لے کر اللہ کے باغیوں کو قتل کریں۔

(۲) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

کیا اللہ نے اپنی مٹھی میں خاک لے کر دشمنان اسلام کی طرف پھینکی تھی یا ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اور یہ بات حضورؐ کے دل میں اللہ نے ڈالی تھی؟

(۳) وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا۔

اللہ رزق کیسے دیتا ہے کیا خوراک کی بوریاں بھر کر آسمان سے پھینکتا ہے یا اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے اپنی وسیع زمین میں روئیدگی کی طاقت پیدا کر کے رزق

پھیلا دیا اور حیوانات کی جبلت میں یہ داعیہ رکھ دیا کہ اپنا رزق تلاش کریں۔ اور اللہ کے وسیع خزانے سے حاصل کریں۔

(۴) نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۔

تمہیں اور تمہارے متعلقین کو اللہ رزق کیسے دیتا ہے۔ کیا اللہ نے آسمانوں پر کہیں روٹی پلانٹ لگا رکھے ہیں کہ پکی پکائی روٹی ہر آدمی کے گھر پہنچ جاتی ہے۔ یا اس کی صورت یہ ہے کہ سامان رزق زمین میں فراوانی سے پھیلا دیا اور ہر آدمی کے اندر یہ خواہش اور قوت رکھ دی کہ اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق خدا کے اس وسیع خزانے سے اپنا اپنا حصہ حاصل کریں۔

اس قسم کی بیسیوں آیتیں اللہ کی کتاب میں جابجا ملتی ہیں اس اصول کی روشنی میں آیت استخلاف پر غور کریں۔

زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا طریقہ کیا یہی ہے کہ آسمان سے ایک تخت اتارا جائے ایک تاج ہو کنگن ہوں فرشتے آئیں اور اللہ کے مقرر کردہ آدمی کو اٹھا کے تخت خلافت پہ بٹھا دیں، یا اس کی صورت سنت اللہ کے مطابق یہی ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں ایک بات ڈال دے۔ ان میں ارباب حل و عقد کسی موزوں آدمی کو خلیفہ چن لیں، ظاہر ہے کہ قابل عمل صورت وہی ہے جو حضرت علیؓ نے بیان کر دی کہ خلافت کا انعقاد مہاجرین و انصار کے اجماع سے ہوا جن کو یہ لوگ حق دار سمجھیں اللہ کے نزدیک وہی حق دار ہے۔

اور لیستخلفنھم فی الارض کی عملی تفسیر یہی ہے۔ اور یہی منصوصی خلافت کا مفہوم ہے۔ اگر اس کے بغیر کوئی مراد ہو اور حضرت علیؓ کی خلافت کو کسی اور مفہوم کے اعتبار سے منصوصی کہا جائے تو اس کی صورت کچھ اس طرح ہو سکتی ہے جیسے ارشاد باری ہے يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِی الْاَرْضِ اسی طرح ہونا چاہیئے تھا۔ یا علی انا جعلنٰک خلیفۃ بعد رسول اللہ مگر اس قسم کی کسی نص کا سراغ نہیں ملتا۔

آیت استخلاف میں خلیفہ بنانے کی جو نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے اس کی حقیقت بیان ہو چکی البتہ یہ اصول سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ عدم سے جو چیز وجود میں آتی ہے وہ بحکم الٰہی ہی آتی ہیں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی نسبت اسباب و علل کی طرف کردی جاتی ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں خصوصی شرف اور اعلیٰ درجہ کی عظمت پائی جاتی ہے تو ان کی نسبت ذات باری کی طرف کر دی جاتی ہے جیسے بیت اللہ، کعبۃ اللہ، مساجد اللہ روح اللہ وغیرہ۔ اسی طرح منصب خلافت کے شرف کے اعتبار سے اسکی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔ اسی قبیل سے یہ ارشاد باری ہے کہ وَاذْكُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ اور وَاذْكُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ۔

حضرت علیؓ کی خلافت کا منصوص ہونا اور مفترض الطاعۃ وغیرہ ہونا دراصل ایک خاص یہودی ذہن کی پیداوار ہے جس کی نشاندھی شیعہ کتب میں متعدد مقامات پہ کی گئی ہے مثلاً

فرق الشیعہ۔ علامہ نوبختی طبع نجف اشرف مطبع حیدریہ ص ۴۴

"اصحاب عبداللہ بن سباء	عبداللہ بن سباء پہلا آدمی ہے جس نے
وکان ممن اظھر الطعن	خلفائے ثلثہ اور صحابہ کرام پر طعن اور
علی ابی بکر وعمر وعثمان	تبرا بازی شروع کی اور کہا کہ حضرت علیؓ
والصحابۃ وتبرأ منھم	نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے حضرت علیؓ
وقال ان علیاً علیہ السلام	نے اس کو گرفتار کیا اور اس قول کے
امرہ بذلک فاخذہ علیؓ	متعلق پوچھا۔ تو اس نے اقرار کیا۔
فسالہ عن قولہ ھذا	حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دینے کا حکم دیا
فاقر بہ فامر بقتلہ	اس پر اس کے ہم خیال لوگوں
فصاح الناس الیہ یا	نے واویلا مچا دیا اور حضرت علیؓ
امیرالمؤمنین اتقتل	سے کہا کہ آپ ایسے شخص کو
رجلا یدعوا الی حبکم	قتل کرتے ہیں جو لوگوں کو آپکی

اهل البیت والی ولایتک والبرأت من اعدائک فنیصه الی المدائن و حکی جماعة من اهل العلم من اصحاب علی علیه السلام ان عبدالله سباء کان یهودیا فاسلم ووالی علیا علیه السلام وکان یقول وهو علی یهودیته فی یوشع بن نون بعد موسیٰ علیه السلام بهذه المقالة فقال فی اسلامه بعد وفات النبی صلی الله علیه وسلم علیؑ بمثل ذلک وهو اول من اشهر القول بفرض امامة علی علیه السلام واظهر البرأة من اعدائه و کاشف مخالفیه فمن هناک قال من خالف الشیعة ان اصل الرفض ماخوذ من الیهودیة ولما بلغ عبدالله بن

اور اہل بیت کی محبت اور ولایت کی دعوت دیتا ہے۔ اور آپ کے دشمنوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے تو آپ نے ابن سبا کو مدائن کیطرف جلاوطن کر دیا اور اصحاب علی کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ پھر مسلمان ہونا ظاہر کیا اور حضرت علیؓ سے محبت کا اظہار کرنے لگا۔ جب یہودی تھا تو موسیٰؑ کے بعد یوشع بن نون کے متعلق یہی بات کہتا تھا جو اس نے نبی کریمؐ کے بعد حضرت علی کے متعلق کہی۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے حضرت علی کی امامت وخلافت کے فرض ہونے کا اعلان کیا اور تبرا بازی شروع کی اور ان کے مخالفوں کی کھلی مخالفت کی۔ اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ رافضیوں کا مذہب یہودیت سے ماخوذ ہے جب مدائن میں ابن سبا کو حضرت علیؓ کے قتل یعنی شہادت کی خبر ملی تو خبر دینے والے سے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔

سباء نعی علی بالمدائن	اگر تم حضرت علیؓ کا دماغ ستر
قال للذی نعاہ کذبت	تھیلیوں میں لپیٹ کے لاتے اور
لوجئتنا بدماغہ فی سبعین	اور ستر گواہ پیش کرتے تب بھی
صرۃ واقمت علی قتلہ	ہم کہتے کہ وہ فوت نہیں ہوئے
سبعین عدلا علمنا انہ	اور وہ اس وقت تک نہیں مریں
لم یمت ولم یقتل ولایموت	گے جب تک پوری زمین کے
حتی یملك الارض ۔	مالک نہ ہو جائیں ؟

اور رجال مامقانی جلد ۲، ۳ صفحہ ۱۸۴ باب عبداللہ بن سبا ۔

وکان اول من اشھر
بالقول بفرض امامۃ علی
واظھر البرأۃ من اعدائہ
وکاشف مخالفیہ وکفرھم
فمن ھنا قال من خالف
الشیعۃ ان اصل التشیع
والرفض ماخوذ من
الیھود ؟

اسی طرح شیعہ کی اسماء الرجال کی مستند کتاب رجال کشی میں صفحہ ۷۰، ۷۱ پر ابن سبا کے پورے حالات درج ہیں ۔

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی امامت اور ولایت اور ان کے مفترض الطاعۃ ہونے کے متعلق کوئی نص یا کوئی سند حضرت خلفائے کے عہد کے اختتام تک سامنے نہ آئی اور حضرت علیؓ کے عہد میں سامنے آئی بھی تو ایک یہودی کی زبانی ۔ اور وہ بھی اس پائے کا ثقہ آدمی کہ حضرت نے اس کے اس بکواس پر اسے قتل کر دینے کا حکم دیا ۔
یہ عجیب نص ہے کہ حضرت علیؓ کو تو خبر بھی نہیں اور ایک بہروپیے یہودی پر یہ راز منکشف

ہوگیا اور وہ بھی ایسے وقت میں کہ خلافت بلافصل کا موقع ہاتھ سے جاچکا تھا۔ یہ افسانہ تو عجائبات عالم میں شمار ہونے کے لائق معلوم ہوتا ہے۔

محدث جلیل اور مفسر قرآن حافظ عماد الدین ابن کثیر نے حضرت علی کی خلافت منصوصی واجماعی پر اصولی بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق تو حضرت علیؓ خلافت کے حقدار ہو ہی نہیں سکتے۔

البدایہ والنہایۃ ۵ : ۲۵۲

"ثم لو كان مع علي ابن ابي طالب نص فلم لا يحتج به على الصحابة على اثبات امارته عليهم وامامته عليهم فان قالوا الشيعة لم يقدر على تنفيذ ما معه من النص فهو عاجز والعاجز لا يصلح للامامة والامارة وان كان يقدر ولم يفعله فهو خائن والخائن الفاسق مسلوب معزول عن الامارة وان لم يعلم بوجود النص فهو جاهل ثم وقد عرفه وعلمه من بعده هذا محال وجهل وضلال وهذا يحسن في اذهان الجهلة الطغام"

اگر حضرت علی کے پاس اپنی خلافت پر کوئی نص تھی انہوں نے صحابہ کرام کے سامنے بطور حجت کیوں پیش نہیں کی اگر شیعہ کہیں کہ آپ اس نص کو نافذ کرنے پر قادر نہیں تھے لہٰذا پیش نہیں کی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عاجز تھے اور عاجز آدمی امامت و خلافت کا اہل ہی نہیں ہوتا لہٰذا وہ خلافت کے اہل ہی نہیں تھے۔ اور اگر کہیں کہ قادر تو تھے مگر عمداً ظاہر نہیں کی۔ تو وہ خائن ثابت ہوئے اور خائن تو فاسق ہوتا ہے۔ وہ امارت کا اہل ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر کہیں کہ حضرت علیؓ کو نص کا علم نہیں تھا تو وہ جاہل ثابت ہوئے اور اگر کہیں کہ بعد وفات ان کو نص کا علم ہوا تو یہ محال ہے اور جہالت اور گمراہی ہے یہ آخری بات صرف جاہلوں اور باغیوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے ورنہ نص کا سرے سے وجود ہی نہیں"۔

علامہ ابن کثیر نے شیعہ کے تمام مفروضے بیان کر کے اصولاً ثابت کر دیا کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق تو حضرت علیؓ مطلق خلافت کے اہل نہیں ثابت ہوتے خلافت بلافصل تو دور کی بات ہے۔

فضیلت شیخین اور حضرت علیؓ

خلفائے ثلثہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے والے، ان کے کردار پر بہتان طرازی کرنے والے اگر حضرت علیؓ کی ذات اور ان کے خیالات کا ہی احترام کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو آنکھیں کھل جاتیں مگر جسے اپنی آنکھیں میچ لینے پر ہی اصرار رہا اس کی آنکھیں کون کھولے۔ آیئے ذرا حضرت علیؓ کے ارشادات دیکھیں۔

(۱) شرح نہج البلاغہ علامہ میثم بحرانی طبع جدید ۴: ۳۶۲ حضرت علیؓ کا ارشاد امیر معاویہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وکان افضلهم فی الاسلام کما زعمت وانصحهم لله ولرسوله الخلیفة الصدیق وخلیفة الخلیفة الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ما عملا۔

(اے معاویہ) جیسا کہ تمہارا خیال ہے اسلام میں سب سے افضل اور اللہ و رسول کے ساتھ سب سے زیادہ کھرا معاملہ رکھنے والا خلیفہ صدیق اکبر تھا۔ اور خلیفہ کا خلیفہ عمر فاروق تھا۔ مجھے اپنی جان کی قسم ان دونوں کا درجہ اسلام میں بڑا عظیم ہے ان کی موت نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ان پر خدائی رحمت ہو اللہ ان دونوں کو جزائے احسن دے۔"

حضرت علیؓ کے اس مختصر سے خطاب میں کتنی عظیم حقیقتوں کا اظہار ہے۔

(۱) اسلام میں سب سے افضل صدیق و فاروق ہیں۔

(ب) اللہ و رسول ؐ کے ساتھ ان دونوں جیسا کھرا معاملہ اور کسی نے نہیں کیا۔

(ج) ان کی موت سے اسلام کو بہت نقصان پہنچا۔

(د) یہ دونوں اللہ کی رحمتوں اور احسن جزا کے مستحق ہیں۔

(۲) شافی۔ شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ طبع ایران ۲: ۴۲۸

حضرت علیؓ نے مجمع عام میں ایک خطبہ دیا۔ جس کا ایک ایک نقطہ ایمان افزا ہے فرماتے ہیں:۔

"اللھم اصلحنا بما اصلحت	الہٰی! ہماری اس طرح اصلاح فرما کہ
به الخلفاء الراشدین	جیسی تو نے خلفائے راشدین کی
قیل فمن هم قال حبیبای	اصلاح فرمائی۔ پوچھا گیا کہ خلفائے
وعمای ابوبکر و عمر	راشدین کون تھے فرمایا میرے دوست
اماما الهدی و رجلا قریش	میرے بزرگ ابوبکر اور عمر وہ ہدایت
والمقتدی بهما بعد	کے امام تھے، قریش کے زعیم تھے
رسول الله وشیخا الاسلام	اور رسول کریم کے بعد امام اور مقتدیٰ
من اقتدیٰ بهما عصم	تھے۔ وہ شیخ الاسلام تھے۔ جس نے
ومن اتبع اثارهما هدی	ان کی اقتدا کی گمراہی سے بچ گیا۔ جو
الی صراط مستقیم۔	ان کے نقش قدم پر چلا صراط مستقیم پا گیا۔"

شیخین کے ساتھ حضرت علیؓ کی عقیدت ملاحظہ ہو۔

(۱) ان دونوں کو خلیفہ برحق تسلیم کیا۔

(۲) سب سے پہلے ان کو خلفائے راشدین کا لقب دیا۔

(۳) اپنا محبوب اور قابل احترام بزرگ قرار دیا۔

(۴) قریش میں ان کے ارفع مقام کا ذکر کیا۔

(۵) ان کی ذات کو نبی کریم ؐ کے بعد مسلمانوں کے لیے مقتدیٰ تسلیم کیا یہ اسی کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے جو حضور ؐ نے فرمایا تھا کہ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔

(۶) ان کی پیروی کو گمراہی سے بچاؤ کا قلعہ قرار دیا۔
(۷) ان کی اتباع کو ہدایت اور صراط مستقیم قرار دیا۔
کیا مدعیان محبت علی کو جھنجوڑنے کے لیے اس سے زیادہ قوت کی بھی ضرورت ہے۔
یاد رہے کہ یہ خطبہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مجمع عام میں دیا جب انہیں پورا اقتدار حاصل تھا۔ کوئی خوف و خطر نہ تھا کہ تقیہ کرنے کی ضرورت ہو۔

(۳) شافی۔ ۲ : ۴۲۸

روی ابو جحفہ و محمد بن علی و عبد خیر و سوید بن عفلہ و ابو حکیم و غیرھم و قد قیل اربعۃ عشر رجلا ان علیا علیہ السلام قال فی خطبتہ خیر ھذہ الامۃ بعد نبیہا ابو بکر و عمر و فی بعض الاخبار انہ علیہ السلام خطب بذلک بعد ما انھی الیہ ان رجلا تناول ابا بکر و عمر بالشتمۃ فدعا بہ و تقدم بعقوبتہ بعد ان شہدوا علیہ بذلک ؟

اور کہا گیا ہے کہ چودہ آدمیوں سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا نبی کریمؐ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ خطبہ اس وقت دیا جب ان کو اطلاع ملی کہ کسی (رافضی) نے شیخین کو گالیاں دیں۔ آپ نے اسے طلب فرمایا، شہادت لی اور اسے سب و شتم کرنے کی سزا دی۔

(۱) اس خطبہ میں حضرت علیؓ نے اپنا عقیدہ بیان فرمایا کہ امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں۔
(۲) یہ خطبہ اس وقت دیا جب آپ کو اطلاع ملی کہ کسی نے شیخین پر سب و شتم کیا ہے

یعنی آپ کو ایسے نابکاروں سے بھی واسطہ پڑا جو آپ کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور آپ کے محبوبوں کو گالیاں دیتے ہیں۔

(۳) آپ نے اسے طلب فرما کر شہادت لے کر سزا دی یعنی حضرت علیؓ کے نزدیک شیخین پر سب وشتم کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ آج اگر حضرت علیؓ ہوتے تو ان کے مواخذہ اور اس جرم کی سزا سے بھلا کوئی شیعہ بچ سکتا تھا۔ مگر ستم ظریفی دیکھئے کہ امام ایک کام کو جرم قرار دیتے ہیں۔ اور امام کی پیروی اور محبت کا دم بھرنے والے اسی کام کو عبادت سمجھتے ہیں۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

(۴) شافی۔ ۱:۱۷۱ حضرت علیؓ کا ارشاد:

خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر و عمر و فی بعض الاخبار و لو اشاء ان اسمی الثالث لفعلت۔	نبی کریمؐ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر اور عمر ہیں بعض روایات میں ہے کہ اور اگر میں چاہوں کہ تیسرے کا نام تو ایسا کر سکتا ہوں۔

اب اگر کوئی کہے کہ یہ تو امام نے تقیہ کر کے کہا تھا۔ تو اسے کہنا چاہئے کہ تم بھی تقیہ کر کے ہی سہی فضیلت کا اقرار کر لو۔ ایک تو تقیہ کا ثواب لو دوسرے امام کی اتباع کا۔ ورنہ تقیہ کے ثواب سے محروم اور امام کے باغی شمار ہو گے۔

باب پنجم

تفسیر آیت رضوان

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ
قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ
عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا
قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً
يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
حَكِيْمًا ط وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ
كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ
لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ
عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا
وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا
قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ط
وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت (شجرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا۔ اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح دیدی۔ اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی (دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سردست تم کو یہ دیدی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تاکہ یہ (واقعہ) اہل ایمان کیلئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو احاطہ میں لیے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے، پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا نہ مددگار

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ۝	اللہ تعالیٰ نے (کفار کے لئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے اور آپ خدا کے دستور میں ردو بدل نہ پائیں گے۔

(سورۃ الفتح پ ۲۶)

ان آیات کریمہ میں رب العالمین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کرنے والوں کو چند دینی اور چند دنیوی انعامات سے نوازا۔ دینی انعامات کا اس پاک کتاب قرآن کریم میں اعلان فرمایا اور دنیوی انعامات کا بطورِ پیشنگوئی وعدہ فرمایا۔

روض الانف ج ۲ ص ۲۳۵

وفی روایت عن

جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَانُوْا اَلْفًا وَّخَمْسَمِائَۃٍ قَالَ سَلَمَۃُ بْنُ الْاَکْوَعِ بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمَوْتِ	حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ وہ (حدیبیہ والے) ۱۵۰۰ تھے سلمہ بن الاکوع فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جان دینے کی بیعت کی۔

ان پندرہ سو بیعت کرنے والے صحابیوں کے ایمان کی شہادت رب العالمین نے دی ہے ایمان تو بیعت سے پہلے بھی تھا۔ ان کے ایمان کا اعلان کیا اور بتایا کہ میں ان کے ایمان کا شاہد ہوں اور قرآن حکیم میں اعلان کر رہا ہوں کہ قرآن کریم قیامت تک ان کے ایمان کی شہادت دیتا چلا جائے گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ جس کے ایمان کی شہادت خدا تعالیٰ دے اس سے بڑھ کر کون اور شاہد ہو سکتا ہے؟ کوئی ایمان دار جس کا ایمان قرآن پر ہے، وہ ہرگز شک نہیں کر سکتا، بلکہ قرآن کریم کی ان آیاتِ کریمہ کے اعلان کے بعد بھی جو شخص بیعت کرنے والوں کے ایمان میں یا ان کے اسلام میں شک کرتا ہے، وہ حقیقتاً ان کے اسلام و ایمان میں شک نہیں کر رہا بلکہ وہ قرآن کریم کو مشکوک کہہ رہا ہے۔ جس سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ اور وہ وعدۂ خداوندی کو جھٹلا رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کے ایمان کا خدا تعالیٰ نے

قرآن کریم میں اعلان کیا ان کا خاتمہ یقیناً بالایمان ہوگا۔ العیاذ باللہ اگر اس اعلان کے بعد ان کا خاتمہ بالایمان نہ ہو تو پھر باقی مخلوق کے ایمان کی تو خیر ہی کہاں ؟

۲- رب العالمین نے ایمانی شہادت کے بعد ان پر اپنی رضامندی کا اعلان بھی کیا گو راضی تو پہلے بھی تھا۔ رضامندی کا اعلان اس بیعت کے بعد فرمایا اور یہ امر ظاہر ہے کہ جس پر خدا تعالیٰ راضی ہو محض راضی نہیں بلکہ رضامندی کا قرآن کریم میں اعلان بھی کر دیا ہے ان کا خاتمہ باکمل الایمان ہی ہوگا اور رضامندی بھی بہ حرف تاکید کے جو لَقَد ہے قد بھی تاکیدیہ اور اس پر لام بھی ابتدائیہ تاکیدیہ داخل کیا۔ پھر رضامندی بھی صیغہ ماضی سے بیان فرمائی کہ یہ بیعت کرنے والے میرے ازلی محبوب ہیں۔ میں ان سے پہلے سے راضی ہوں۔ خدا تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ اور میری رضامندی سے ہی دنیا سے جائیں گے۔ خدائے تعالیٰ عَلیم بذات الصُّدُور ہے دلوں کا مالک ہے ہم آج کسی سے راضی ہوتے ہیں اور کل اسی سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں آیندہ کے واقعات سے واقفیت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے دل بنائے ہیں اور ان کے رازوں سے بھی خوب واقف ہے۔ دیکھئے ابلیس لعین نے کئی ہزار سال عبادت کی مگر رضامندی کا اعلان اس کے متعلق نہیں فرمایا ؂

صد ہزاراں سال ابلیس لعین

بود از ابدال امیر المؤمنین

یاد رہے خداوند قدوس کی رضامندی کا نام ہی جنت ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور جنت محل رضا ہے۔

۳- اپنی رضامندی کے ساتھ بیعت کا ذکر بھی فرمایا۔ حالانکہ رسول خدا سے صحابہ کرام کی متعدد بار بیعت ہوئی، مگر قرآن کریم میں اس مبارک بیعت کا ہی ذکر فرمایا۔ اس بیعت کی شان اور بیعت کرنے والوں کی شان بیان کرتے ہوئے اس مبارک شجر کا بھی ذکر فرمایا۔ علامہ باذل شیعہ نے حملۂ حیدری صـ۲۱۵ ج۔ ۱ خوب فرمایا ؂

رسول مؤید بہ نیروئے بخت
بیاید سوئے سایۂ آں درخت
بروتکیہ فرمود خیر البشر
بہ عزت زطوبی گذشت آں شجر

رسولِ خدا کے تکیہ فرمانے سے اس درخت کی شان طوبیٰ درخت سے بھی بڑھ گئی۔
علامہ باذل کے اس قول سے ایک عجیب بات ثابت ہوئی کہ رسولِ خدا کا جسمِ اطہر اس
برکت وتقدس کا حامل تھا۔ کہ جس چیز سے لگتا تھا اس کی شان بھی دوبالا کر دیتا تھا جب
رسولِ اکرم کے جسمِ اطہر کے مس کرنے سے اس شجر کی شانِ طوبیٰ درخت سے بڑھ گئی تو
جن جن انسانوں سے آپ کا وجود مبارک لگا۔ جیسے امہات المؤمنین ہوئیں۔
ان کی کیا شان ہوگی۔ سُبحَانَ اللہِ۔

سوال :۔ مخالفین حضرات جن کا ایمان قرآن کریم پر نہیں ہے کہتے ہیں کہ یہ رضامندی
وقتی تھی۔ نہ کہ دائمی بلکہ ایک فعل پر تھی رضامندی کا تعلق فعل سے ہے نہ کہ صحابۂ کرام کی
ذات سے اور وہ فعل اِذْ یُبَایعونَكَ تھا۔ بیعت کے فعل پر راضی ہوا۔ فعل ایک وقتی
چیز تھی۔ رضامندی بھی وقتی تھی۔ رضامندی کی علت اذ تعلیلیۃ ہے لہٰذا متعلق
رضا فعل بیعت ہوا نہ کہ ذات صحابہ کرامؓ جب ذاتوں پر راضی نہ ہوا تو جنتی نہ ہوئے۔
بدیں وجہ آیت وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ میں بھی رضا کا تعلق فعل
ہجرت ونصرت سے ہے نہ کہ ذاتوں سے۔ رضا کا مُتَعَلِّق فعل ہجرت ونصرت ہوا وہ
وقتی تھا۔ رضا بھی وقتی تھی۔ یہ تقریر سوال علامہ عبداللہ مشہدی نے اپنی کتاب "اظہار الحق"
میں کی ہے۔ اور بندہ سے بھی مناظرہ میں یہ سوال ہوا تھا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ دخولِ جنت رضاءِ
الٰہی پر موقوف ہے۔ مگر رضا کا باقی رہنا حسنِ خاتمہ پر موقوف ہے اور بقائے ایمان پر
اور عدم صدور اعمال محبطہ پر۔

الجواب - اول مناظرہ میں جو جواب دیا تھا وہ یہ تھا کہ بہر حال خدا تعالیٰ راضی ہوگیا۔

جب راضی ہوگیا اور جن پر راضی ہوا وہ اہل ایمان جنتی مقبولِ خدا ہوئے و رضوانٌ من اللہ اکبر، خداوندِ کریم کی تھوڑی سی رضامندی بھی بہت بڑا انعام ہے۔ رضامندی سے بڑھ کر کوئی بڑا مرتبہ نہیں ہے۔

جواب دوم - یاد رہے تعلق رضا کی علت فعل بیعت نہیں بلکہ فعلم ما فی قلوبھم ہے خدائے تعالیٰ عالم الغیب ہے جس نے دلوں کو پیدا کیا ہے وہ دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔ بیعت رضوان والوں کے دلوں کے رازوں کو جان کر اعلان رضامندی فرمایا۔ ظاہری فعل پر تو وہ راضی ہوتا ہے جو اسرارِ قلوب سے جاہل اور انجام کار سے بے خبر ہو۔ کیا خدا تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ ان کے دلوں میں خلافِ فعل ظاہر کچھ اور ہے یا علم نہ تھا، اگر تھا تو ظاہر ہے کہ دھوکہ بازی ہوئی۔ معاذاللہ پھر خدا تعالیٰ کے کسی وعدہ پر اعتبار ہی نہ رہا۔ اگر علم نہ تھا تو پھر خدا تعالیٰ معذور ہوا۔ مگر ایسے خدا سے پناہ جس کو انجام کا علم بھی نہ ہو۔

سوم - رضامندی وقتی نہیں ہے بلکہ دائمی ہے۔ دوسری آیت والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار ...... رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سورۃ التوبہ کی آخری سورت ہے اور اس آیت میں تعلق رضا کی علت سبقت ہجرت ونصرت کو قرار دیا۔ جیسا مفسرین بیان کرتے ہیں۔ کہ ابوبکر صدیقؓ سابق فی الہجرت ہیں جو ہمراہ رسول خدا ہوئی۔ لَا شَكَّ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ سَبَقَ اِلَى الْهِجْرَتِ فَهُوَ مِنَ السَّابِقِيْنَ وَ قَدْ اَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِىْ اَبِىْ بَكْرٍ وَلَا شَكَّ اِنَّ الرِّضٰى مُعَلَّلٌ بِالسَّبْقِ اِلَى الْهِجْرَتِ فَتَدُوْمُ بِدَوَامِهَا فَدَلَّ ذٰالِكَ عَلٰى صِحَتِ اِيْمَانِهٖ وَ اِمَامَتِهٖ وَعَدَمِ جَوَازِ الطَّعْنِ عَلَيْهِ۔

ترجمہ:- اس میں شک نہیں کہ صدیق اکبرؓ سابق فی الہجرت ہیں پس وہ سابقین اولین مہاجرین سے ہوئے اور خبر دی خدا تعالیٰ نے کہ وہ ان پر راضی ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ رضا کی علت سبقت ہجرت ونصرت ہے رضامندی دائمی ہوگی کیونکہ ہجرت دائمی

ہے۔ پس آیت قرآنی ابوبکر رضہ کے ایمان کی صحت پر خلافت کے صحیح ہونے پر اور طعن کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

خوب یاد رکھیں۔ ہجرت و نصرت اور بیعت یہ عنوان نہیں بلکہ معنون ذاتِ اصحابِ رسول ہے باری تعالیٰ کی رضامندی کا تعلق صحابہ کرامؓ کی ذات سے ہے۔ ہجرت نصرت اور بیعت تعلق رضا کی علت ہیں نہ کہ متعلق۔ لہٰذا یہ کہنا کہ بیعت یا ہجرت و نصرت کے فعل پر راضی ہوا تو قرآن کریم سے جہالت کی دلیل ہے۔ باقی رضامندی کا دوام حسن خاتمہ اور بقائے ایمان پر رہا۔ ٹھیک ہے جب خدا تعالیٰ نے بیعت رضوان والوں کے ایمان کی شہادت دے کر رضامندی کا اعلان فرمایا تو خدا تعالیٰ کو ان کے حسن خاتمہ اور بقاءِ ایمان کا آخر عمر تک علم تھا۔ تب ہی تو اعلان فرمایا۔ دلوں کو جانتا تھا۔ اعلانِ رضامندی میں ان کے خاتمہ بالخیر کی زبردست دلیل ہے آپ کے بے مغز خرافات چند منٹوں کے لیے فرضی طور پر تسلیم بھی کر لیں کہ فعل پر راضی ہو گیا تو بھی ایمانی شہادت کے بعد رضامندی کا اعلان فرمایا لقد رضی اللہ عن المؤمنین رضامندی کا اعلان مومن کے لئے فرمایا۔ جس طرح ایمان کا دائمی ہے۔ آیت میں عموم ہے۔ اس کا کوئی مخصص موجود نہیں۔ اگر ہے تو پیش کریں یاد رکھیں آیت بیعت رضوان والوں کے ایمان اور رضامندی کا قطعی طور پر اعلان کر رہی ہے۔ مدلول مطابقی آیت کا ایمان اور رضامندیٔ باری تعالیٰ ہے۔ اب کوئی خبر واحد اس کے مقابلہ میں پیش کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے خبر واحد اپنے مافوق سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو گی۔

جب بیعت رضوان والوں سے کوئی عمل صادر نہیں ہوا۔ جو کہ محبطِ عمل بنے چہ جائیکہ محبط ایمان ہو۔ اس آیت کے مقابلہ میں فدک کا قصہ پیش کرنا اور حدیث قرطاس دہرانا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ یہ قصے مخصص آیت قرآنی نہیں ہیں۔ لہٰذا ۵ اصد صحابی کا مومن ہونا۔ خدا تعالیٰ کا ان پر راضی ہونا اور ان کا جنتی ہونا اس آیت کریمہ سے اظہر من الشمس ثابت ہو گیا۔ فھو مقصودٌ۔ ہاں جو شخص بوجہ عناد و عداوت صحابہ پر طعن کرے اُسے قرآن سے اس بات کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے

صحابہؓ کے ایمان اور رضامندی کے اعلان کے بعد عدم رضا اور حبط ایمان کا اعلان کیا ہو۔ حضور اکرمؐ نے صحابہ کے حق میں بھی اعلان فرمادیا۔

أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ تم پوری زمین پر بسنے والوں میں سب سے افضل ہو۔

انعام سوم :- نَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ اى مِنَ الصِّدْقِ وَالْوَفَا

یعنی ان کے دلوں میں صدق وحق تھا۔ اور بیعت پر وفا کرنا تھی۔

چہارم :- فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ. قَالَ ابْنِ عَبَّاسٍ كُلُّ سَكِينَةٍ فِي الْقُرْآنِ فَهِيَ طُمَأْنِينَةٌ۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا اعلان ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں سکینۃ کا ذکر آیا ہے۔ اطمینان مراد ہے۔ یعنی اطمینان قلبی۔ قرآن کریم نے ان کے ایمان اکمل کی شہادت دے کر اور رضامندی کا اعلان کر کے بعد میں ان کے قلوب پر سکینہ نازل فرما کر دلوں کو مطمئن فرمادیا کہ پھر ایمان میں کسی قسم کی جنبش پیدا نہ ہو۔ جس شخص کا قرآن کریم کی اس آیت فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ پر ایمان ہے وہ صحابہؓ کرام پر ہرگز طعن نہیں کر سکتا۔ اگر ان میں بیعت کے بعد کوئی خرابی پیدا ہو تو یقیناً یہ جملہ فانزل السکینۃ علیہم کا وعدہ غلط ہو جائے گا۔ معاذاللہ۔

انعام پنجم :- وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا فرمایا میں بیعت رضوان والوں کا ہادی و رہبر ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ جس کا ہادی و رہبر خدا تعالیٰ ہو اس کو گمراہ کرنے والا کون ہے : فَمَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ، یہ ہے نتیجہ نماز پنجگانہ کی دعا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا فاتحہ میں دعا بتائی آخر میں وعدہ فرمایا کہ میں تمہارا ہادی ہوں اور وعدہ بھی بصیغہ مضارع فرمایا کہ اب بھی میں ہادی ہوں۔ اور آئندہ بھی میں ہی ہوں گا۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کے آئندہ گناہگار ہونے کا الزام غلط ہوا۔ اگر اس الزام کو درست مان لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے آئندہ کے حالات سے واقف نہیں تھا معاذاللہ ثم معاذاللہ! بہرحال اس آیت قرآنی سے صحابہ

کرامؓ کا ہدایت یافتہ ہونا ثابت ہوگیا۔ جو شخص ان کے گمراہ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت کی تکذیب کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے بیعتِ رضوان میں شامل ہونے والے صحابہ کرامؓ پر پانچ انعامات کا اعلان فرمایا۔

۱۔ ان کے ایمان کی شہادت۔ ۲۔ رضائے خداوندی، ۳۔ ان کے دلوں میں صدق و صفا کی موجودگی، ۴۔ طمانیہ قلب، ۵۔ ان کی ہدایت کی ذمہ داری اور ان کا ہدایت یافتہ ہونا۔

اگر عصمت انبیاء کی ذات سے مخصوص نہ ہوتی تو بیعت رضوان والوں کو معصوم کہنا کچھ بعید نہ تھا۔ اب پانچ دنیوی انعامات کا ذکر ہوتا ہے۔

۱۔ وَاَصَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا	یعنی فتح خیبر
قِيْلَ اَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ بَعْدَ الرُّجُوْعِ مِنَ الْحُدَيْبِيَّةِ عَشَرَ لَيَالٍ اَوْ خَمْسَةَ عَشَرَ وَقِيْلَ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً۔	حدیبیہ سے واپسی کے بعد حضور اکرم نے مدینہ طیبہ میں دس یا پندرہ یا بیس دن قیام کیا۔

اس کے بعد خیبر پر حملہ کر دیا اور فتح ہوئی اس لئے فتح قریب سے یہی مراد ہے۔

۲۔ وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا
اَيْ مِنْ اَمْوَالِ يَهُوْدِ خَيْبَرَ وَكَانَتْ خَيْبَرَ ذَاتَ عِقَارٍ وَاَمْوَالٍ وَذَاتَ نَخِيْلٍ فَقَسَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ بَيْنَهُمْ۔

۳۔ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ

وَلِتَكُوْنَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَهِيَ الْفُتُوْحِ الَّتِيْ يَفْتَحُ لَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اِنْصَرَافُهُمْ مِّنْ مَكَّةَ بِصُلْحٍ فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ يعنى فتح خيبر وآية للمومنين يعنى ولتحصل من بعدكم آية تدلهم على ان ما وهبكم الله تحصل مثله لهم۔

یہ وہ فتوحات ہیں جو انہیں قیامت تک حاصل ہوتی رہیں گی اس میں اہل ایمان کی تسلی کا سامان ہے کیونکہ وہ مکہ سے صلح کرکے واپس آتے تو اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے یہ یعنی فتح خیبر کا سامان جلدی کر دیا۔

۴۔ وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا۔ قَالَ اِبْنِ عَبَّاسٍ هِيَ فَارِسٍ وَالرُّوْمِ وَمَا كَانَتِ الْعَرَبَ تَقْدِرُ عَلٰى قِتَالِ فَارِسٍ وَالرُّوْمِ بَلْ كَانُوْا حَوْلًا لَهُمْ حَتّٰى اَقْدَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ بِشَرَفِ الْاِسْلَامِ۔ (خازن)

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔

ان پانچ انعامات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک قانون بیان فرمایا:

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ؕ

يعنى سَنَّ اللّٰهِ سُنَّةَ غَلَبَةِ اَوْلِيَآئِهٖ وَاَنْبِيَآئِهٖ عَلٰى اَعْدَآئِهٖ قَالَ تَعَالٰى لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ

یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ اس کے انبیاء اور اولیاء کو اس کے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے حکم ازلی میں لکھ دی ہے۔

وَقَالَ اِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ
وَقَالَ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ
وَقَالَ تَعَالٰی وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا
نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَالَ تَعَالٰی
وَكَفَى اللهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ۔

کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔
خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ غالب ہے اور
اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔ اور
جنگ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے
آپ ہی کافی ہو گیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وعدے کس زمانے میں اور کس کے ہاتھ پر پورے ہوئے۔ وہی خلیفہ اللہ ہوا، وہی خلیفہ رسول ہوا، وہی امیرالمؤمنین ہوا۔ اور حدیبیہ والوں کو مخاطب کر کے جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا مصداق وہی شخص ہوا۔ اس کے خلیفہ برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضور اکرمؐ کے زمانے میں گو فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور فتح خیبر اور فتح مکہ آنے والے فتوحات کا پیش خیمہ اور مقدمہ تھیں مگر اسلام نے جزیرۂ عرب سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ البتہ خلفائے ثلثہ کے زمانے میں بیرونِ عرب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔ اور انہیں کے مبارک عہد میں کفر کی پرشوکت اور مستحکم سلطنتیں اسلام کے زیرنگین آئیں اور وہ روم اور ایران کی سلطنتیں تھیں۔ ان غیر مسلم قوتوں کو قرآن کریم نے اولی باس شدید اور واخریٰ لم تقدروا علیہا سے ظاہر فرمایا ان شدید قوتوں کے ساتھ خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں اسلام کی ٹکر ہوئی اور بفضل اللہ انہیں حضرات کے ہاتھوں یہ سلطنتیں پاش پاش ہو گئیں۔ اور حضور اکرمؐ کے بعد علی الاتصال یہ خلافتیں قائم ہوئیں اور انہوں نے کفر کا زور توڑا جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ سارے وعدے خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں پورے ہوئے۔

حدیبیہ والوں کے لیے ان وعدوں کے پورا ہونے کی صورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے یوں شروع ہوئی۔

۱۔ فعجّل لکم هٰذه کے مطابق حضور اکرم نے مغانم خیبر کی تخصیص بیعت رضوان والوں سے کر دی اور یہ اموال صرف انہی حضرات میں تقسیم فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا تھا کہ قال تعالیٰ۔

سیقول المخلّفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدّلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذالکم قال اللہ من قبل فسیقولون بل تحسدوننا بل کانوا لا یفقھون الّا قلیلاً

جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے چلوگے کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں۔ وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے سے ہی یوں فرما دیا ہے تو وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔

ان المؤمنین انصرفوا من الحدیبیہ علی صلح من غیر قتال ولم یصیبوا من الغنائم شیئاً وعدھم اللہ عزوجل فتح خیبر وجعل غنائمھا لمن شھد الحدیبیة خاصة عوضا عن غنائم اھل مکة حیث انصرفوا عنھم ولم یصیبوا منھم شیئاً

حدیبیہ سے مسلمان جنگ کئے بغیر صلح کرکے لوٹے گئے۔ کوئی غنیمت ہاتھ نہ آئی اللہ تعالیٰ نے فتح خیبر کا وعدہ فرمایا اور خیبر کے غنائم حدیبیہ والوں کے لیے مخصوص کر دیئے۔ یہ گویا اس کے بدلے میں تھا کہ وہ حدیبیہ سے غنیمت حاصل کئے بغیر لوٹے تھے۔

قال تعالیٰ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ ای یریدون ان یّغیروا ویبدلوا مواعید اللہ لاھل الحدیبیة حیث وعدھم اللہ غنیمة خیبر لھم خاصة وھذا قول الجمھور المفسّرین۔

وہ لوگ خدا کی بات بدلنا چاہتے ہیں یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ نے حدیبیہ والوں سے خیبر کی غنیمت کا جو وعدہ کیا ہے اور وہ ان کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ اس وعدہ کو بدل دیں۔ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ جو لوگ اہل وعیال اور مال کے غیر محفوظ ہونے کا عذر کرکے بیٹھ گئے اور حدیبیہ کی نعمت اور بیعت رضوان کی فضیلت سے محروم ہوتے ان کو

اللہ تعالیٰ نے معیت رسولؐ سے منع فرمایا۔ کہ تم آئندہ رسولِ خدا کے ہمراہ ہو کر کسی قوم سے جہاد نہیں کروگے۔

دوم۔ فتوحاتِ خیبر کے غنائم سے کوئی حصّہ حاصل کرنا غیر اہلِ حدیبیہ کیلئے حرام قرار دیدیا۔

۲۔ واخریٰ لم تقدروا علیھا۔ دوسرا وعدہ صرف بیعتِ رضوان والوں کے ساتھ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہوتے تو لم تقدروا کی جگہ لم تقدر ہوتا۔ صیغہ جمع کا ہے۔ مفرد کا نہیں۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ قومیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اولی بأس شدید اور لم تقدروا علیھا کے الفاظ بیان فرمائے ہیں۔ فارس اور رُوم کی سلطنتیں ہیں یہ وعدہ ان لوگوں کے ہاتھوں پورا ہوا جنہوں نے بیعتِ رضوان میں حصّہ لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا۔ جس خلیفہ کے عہد میں یہ وعدہ پورا ہوا وہ اس آیت کا موعود لہٗ ہوگا۔ یہ امر بھی مخفی نہیں کہ ایران و رُوم کی سلطنتیں حضورؐ کے عہد میں فتح نہیں ہوئیں بلکہ خلفائے ثلٰثہ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت میں شامل ہوئیں اس لئے ثابت ہو گیا کہ اس آیت کا مصداق خلفائے ثلٰثہ ہیں۔

اس حقیقت کا اعتراف علامہ باذل نے حملہ حیدری میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ دعوتِ العشیرہ کے موقعہ پر حضورؐ اکرم نے اپنے چچا ابو طالب کے سامنے بطور پیشگوئی فرمایا تھا۔

(حملہ حیدری ۱: ۱۶ طبع ایران)

کہ اے عمّ چہ بد می کنم بقوم	رہے می نمائم کہ یوماً فی یوم
بیاید از اں حکم ایشاں رواج	ستانند از خسرواں ساج و باج
ز ملک عرب تا دیارِ عجم	گذارند بر حکم ایشاں قدم

(حضورؐ نے فرمایا، چچا جان! میں اپنی قوم کے ساتھ کون سی بُرائی کر رہا ہوں۔ میں تو انہیں روز بروز ہدایت کی راہ دکھا رہا ہوں۔ ایک دن آئے گا کہ ان کا حکم دنیا میں جاری ہوگا۔ اور سلاطین دنیا ان کے باجگذار ہوں گے۔ عرب و عجم ان کے تابع فرمان ہوگا۔

اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۸ پر ابو طالب کی وفات کے وقت ان کی زبانی بیان کیا کہ

چنیں دیدہ ام من بچشمِ یقین	کہ دینش بگیرد سراسر زمین

زملک عرب تا دیارِ عجم — در آید بفرمان او یک قلم

(ابوطالب نے کہا) میں نے نگاہ یقین سے دیکھا ہے کہ حضورؐ کا دین عرب و عجم میں پھیلے گا۔ اور انہی کا حکم دُنیا میں چلے گا۔

علامہ باذل ایرانی مجتہد شیعہ نے ان اشعار میں دو باتوں کا اعتراف کیا ہے۔

اوّل یہ کہ رسولؐ خدا کا دین پوری دنیا میں پھیلے گا۔

دوئم یہ کہ مسلمان عرب و عجم کے مالک ہوں گے۔ تو یہ پیش گوئی اور خدا کا وعدہ خلفائے ثلثہ کے عہد میں پورا ہوا۔ اس کا نقشہ بھی علامہ باذل نے یوں پیش کیا ہے۔

چناں شد کہ یک شب بعلمِ نجوم — چنیں گشت معلوم والیٔ رُوم
کہ از گردشِ نیلگوں آسماں — رَوَدْ ملک از دستِ عیسائیاں
شوند از کساں در جہان بادشاہ — کہ در دین شاں ختنہ باشد رَوَا
بروزِ دگر با مداواں پگاہ — برآمد بر اندیشہ قیصر بگاہ
طلب کرد پس نزد خود در زماں — حکیمان وانجیلی واں راہباں
چو کردند آں جنبِ رداں انجمن — در آمد شہِ رومیاں در سخن
بگفت آنکہ از گردشِ اختراں — چنیں گشتہ بر دانش من عیاں
کہ بر کشورِ ما بزودی شوند! — مسلط گروہے کہ ختنہ کنند

"ہوا یوں کہ قیصر رُوم کو ایک رات علمِ نجوم کے ذریعے معلوم ہوا کہ عیسائیوں کا ملک ان کے ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اور وہ قوم بادشاہی کرے گی جن کے ہاں ختنہ کا رواج ہے دوسرے دن صبح اس نے دانشوروں اور علماء انجیل اور راہبوں کو دربار میں بلایا۔ جب یہ لوگ جمع ہوئے تو بادشاہ نے کہا کہ مجھے گردش آسمانی سے معلوم ہوا ہے کہ بہت جلد ہمارے ملک پر ایک ختنہ شدہ قوم مسلط ہو جائے گی"

قیصر روم اپنے خواب کی تعبیر معلوم کر ہی رہا تھا۔ کہ حضرت وحیہؓ کلبی حضورؐ انور کا دعوت نامہ لے کر اس کے دربار میں پہنچے۔ جس میں حضورؐ اکرم نے فرمایا کہ مسلمان ہو جا

ورنہ ساری رعیت کا گناہ تجھ پہ ہو گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ رُومی سلطنت خلفائے ثلثہ کے عہد میں اسلام کے زیرِ نگیں آئی۔ اور خلفائے ثلثہ کے جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ برحق ہونے کی گواہی آسمان کے ستاروں نے بھی دے دی۔

ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب میں بھی قیصر روم کے خواب کا ذکر قریباً انہی الفاظ میں کیا ہے۔

"واما قیصرِ رُوم کہ او ہرقل بادشاہ رُوم بود گفت درخواب دیدم کہ بادشاہ ختنہ کنندگان ظاہر گردیداست" (۲ : ۵۰۹)

۳:- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس مصر کو جو دعوت نامہ بھیجا اس کے متعلق علامہ باذل نے لکھا ہے ؎

بود وصف آن خاتم انبیار | کہ عیسیٰ خبر دادہ از وے بما
شود تابع او جہان سر بسر | چہ ایں ملک وچہ ملکہائے دِگر

(مقوقس نے کہا، کہ جو اوصاف تم نے بیان کیے ہیں۔ یہ شخص تو خاتم انبیار ہو گا۔ اس کی خبر عیسیٰ نے ہمیں دی ہے مصر اور دوسرے ممالک اس کے تابع فرمان ہونگے،)

جب قاصد واپس آیا شاہِ مصر کا جواب حضورِ اکرم کو سنایا ؎

بفرمود در حق او ایں حدیث | بخیلی بملکش نمود آن خبیث
وے آنچہ از قدرت ذوالجلال | نمی ماند از ملک بہ وے بحال
شنیدم کہ در عہدِ عادل عمرؓ | مقوقش رواں شد بقعرِ سقر
بتائید و فضلِ جہاں آفرین | بملکش مسلط شدند اہل دیں!!

"(حضورؐ نے فرمایا کہ اس خبیث کے قبضہ میں کچھ عرصہ تک رہے گا۔ پھر اللہ کی قدرت سے اس کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔"

میں نے سنا ہے کہ عادل عمرؓ کے عہد میں مقوقس مصر واصلِ جہنم ہوا۔ اور تائید ایزدی اور فضلِ ربانی سے اہل دیں اس پہ قابض ہو گئے (حملہ حیدری ۱ : ۲۳۶)

فائدہ:- حضور اکرمؐ کی یہ پیشگوئی فاروق اعظمؓ کے زمانے میں پوری ہوئی جن کو رسولؐ خدا نے دین دار کے لفظ سے یاد فرمایا اور علامہ باذل نے عادل عمرؓ کہا۔

۴۔ حضور اکرمؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد کسریٰ ایران کو دعوت نامہ لکھا۔ اس نے دعوت نامہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور پاؤں تلے مسل دیا پھر حاکم یمن باذان کو حکم بھیجا کہ جاؤ اور نبی عربی کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ باذان نے فیروز دیلمی کو فوجی دستہ دے کر مدینہ روانہ کیا اس واقعہ کو علامہ باذل نے بیان کیا ہے۔

شما سوئے باذان گردید باز | کہ کوتاہ شد آن آرزوئے دراز
بگوئید اوّل جواب سلام | رسانید آنگہ ز من این پیام
کہ از قدرت قادرِ ذوالجلال | شود پاک گیتی ز کفر و ضلال
ہم اہل ایران و اہل یمن | بزودی در آیند در دینِ من!

"تم باذان گورنر کے پاس لوٹ جاؤ۔ تمہاری آرزو تو پوری نہیں ہوئی اسے سلام کا جواب دو اور میرا پیام سناؤ کہ اللہ کی قدرت سے زمین کفر اور گمراہی سے پاک ہو جائے گی۔ تمام ایرانی اور یمنی بہت جلد میرے دین میں داخل ہو جائیں گے۔" (حملہ حیدری ۱: ۲۳۵)

اور ملا باقر مجلسی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

"اما کسریٰ پس چوں نامہ حضرت را خواند نامہ را درید و حضرت او را نفریں کرد کہ ملک ایشاں بزودی زائل شود و چناں شد" (حیاۃ القلوب ۲: ۵۱۱)

پھر لکھا ہے: "مشت خاک از برائے حضرت فرستاد، حضرت فرمود کہ امت من بزودی مالکِ زمینِ او خواہد شد" (حیاۃ القلوب ص ۵۱۲)

ان ہر دو شیعہ علماء نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ حضور اکرمؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ ایران اور یمن کو جلد میری امت فتح کرے گی۔ اور میرا دین وہاں پھیلے گا۔ اور علامہ باذل نے تسلیم کیا کہ یہ زمین عادل عمرؓ کے ہاتھوں کفر و ضلال سے پاک ہوئی۔ اور ان کے ہاتھوں وہاں دین اسلام پھیلا جسے رسولؐ خدا نے "دین من" فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ دیندار

کے ہاتھوں ہی کوئی زمین کفر و ضلال سے پاک کی جاسکتی ہے ثابت ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں فتوحات کے متعلق قرآن کریم کی تمام پیشگوئیاں خلفائے ثلثہ بالخصوص فاروق اعظمؓ کے ہاتھوں پوری ہوئیں گویا اس فاتح اعظمؓ کا ہاتھ رسولِ خدا کا ہاتھ تھا۔ اور اس کا پھیلایا ہوا دین رسولِ خدا کا دین تھا۔ اگر ایسا نہیں تو تاریخ سے قرآن کی اس آیت کا کوئی اور مصداق پیش کیا جائے یا ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ خدا سے بھول ہو گئی۔ یا مجبور ہو گیا۔

اب پھر اس حصہ آیت کو پڑھئے:۔

وَ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا اور وَ لَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا۔

۵۔ اصول کافی جلد سوم روضۂ کافی صد ۱۰۲ پر خندق کا واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا۔

لما حضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخندق مر بالکدیۃ فتناول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعول من ید امیر المومنین علیہ السلام او من ید سلمان فضرب بہا فتفرقت بثلاث فرق فقال رسول اللہ لقد فتحت علی فی ضربتی ہذہ کنوز کسری و قیصر

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خندق پر تشریف لائے تو حضرت علی یا حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال لی اور پتھر پر تین ضربیں لگائیں اور فرمایا کہ میرے پیے کسریٰ و قیصر کے خزانے کھول دیئے گئے ہیں۔

کسریٰ و قیصر کے خزانے کس کے ہاتھ لگے تھے؟ حضورؐ نے تو فرمایا "فتحت علی" مجھ پر کھول دیئے گئے اور ظاہر ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں تو یہ خزانے قیصر و کسریٰ کے اپنے پاس تھے تو جس کے ہاتھ لگے۔ وہ گویا حضورؐ کے ہاتھ ہی آئے اور وہ حضورؐ کا سچا جانشین ہوا۔ اور وہ فاروق اعظمؓ کے بغیر بھلا کون تھا؟ علامہ باذل نے اس واقعہ کو یوں پیش کیا ہے۔

کہ یک گوشۂ سنگ از ہم شکست | دراں وقت برقے ازاں سنگ جست
کہ روشن شد آں دشت و صحرا تمام | برآورد تکبیر خیر الانام!
بضربِ دوم ضلع دیگر شکست | بدانگونہ برقے ازو باز جست
بفرمود تکبیر بار دوم | بزد پس براں سنگ ضرب سوم
دریں بار ہم جست برقے چناں | نبیؐ شد بتکبیر رطب اللساں
شد ایں بار آں سنگ زیر و زبر | نماند احتیاجش بضرب دگر
دراں دم بدو گفت سلمان چنیں | کہ اے خاک راہت سپہر بریں
ندیدیم ہرگز کہ گردد پذیر! | بدینگونہ برقے ز سنگ و حدید
چہ بدایں و باشد چہ تعبیر آں | بہ تکبیر چوں برکشودی زباں
بپا سخ چنیں گفت خیر البشر | کہ چوں جست برق نخست از حجر
نمودند ایوان کسرٰے بمن | دوم قیصر روم سوم از یمن
سبب را چنیں گفت رُوح الامیں | کہ بعد از من انصار و اعوانِ دین
براں مملکتہا مسلط شوند | بہ آئین من اہل اں بگروند
بدیں مژدہ و شکر لطف خدا | بہر بار تکبیر کردم ادا
شنیدند آں مژدہ چوں مومناں | کشیدند تکبیر شادی کناں

خلاصہ:۔ "آپ کی پہلی ضرب سے پتھر کا ایک حصہ ٹوٹا اس سے روشنی ظاہر ہوئی۔ حضورؐ نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ دوسری ضرب سے کچھ حصہ اور ٹوٹا اور روشنی نمودار ہوئی حضورؐ نے اللہ اکبر کہا۔ تیسری ضرب پر بھی یہی عمل ہوا۔ اور پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ سلمان فارسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا معاملہ تھا۔ میں نے پتھر اور لوہے کے ٹکرانے سے ایسی روشنی کبھی نہیں دیکھی۔ حضورؐ نے فرمایا پہلی مرتبہ مجھے روشنی میں کسریٰ ایران کے شاہی محل نظر آئے دوسری مرتبہ قیصر روم کے محل اور تیسری مرتبہ یمن کے محل نظر آئے۔ اس کا مطلب جبرائیلؑ نے یہ بتایا ہے کہ میرے بعد دین کے حامی اور مددگار ان ممالک پر قابض ہو جائیں گے اور ان میں اسلام

کا قانون رائج ہو گا۔ اس بشارت کو سُن کر میں نے شکرانہ کے طور پر تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے جب یہ مژدہ سُنا تو خوشی سے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔

(حملہ حیدری ۱ : ۱۶۵)

اور ملّا باقر مجلسی نے حیاۃ القلوب ۲ : ۲۱۹ پہ لکھا ہے :-

"و در ہر مرتبہ برقے ساطع می شد کہ جہاں روشن می شد و اللہ اکبر می گفت و صحابہ اللہ اکبر می گفتند پس فرمود کہ در برق اوّل قصرہائی یمن را دیدم و خدا آن را بمن داد و در دوم قصرہائی شام را دیدم و خدا آن را بمن داد۔ و در برقِ سوم قصرہائی مدائن را دیدم و ملک شاہانِ عجم را بمن داد و پس خدا فرستاد کہ لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔"

"ہر ضرب پہ جو روشنی نکلتی اس سے گویا ایک جہان روشن ہو جاتا تھا اور حضور اکرم اللہ اکبر کہتے اور صحابہ بھی تکبیر کا نعرہ بلند کرتے آپ نے فرمایا کہ پہلی روشنی میں یمن کے محل دیکھے کہ خدا نے وہ محل مجھے دے دیئے، دوسری مرتبہ شام کے محل دیکھے کہ خدا نے مجھے دے دیئے۔ تیسری مرتبہ مدائن کے محل دیکھے کہ خدا نے مجھے دے دیئے۔ پھر خدا نے یہ وحی بھیجی کہ آپ کے دین کو تمام ادیان عالم پر غالب کرے گا۔ خواہ مشرکوں کو یہ بات نہ بھائے۔"

خندق کا کشفی واقعہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ ان ممالک کے فتح ہونے کے متعلق حقیقت کشفی طور پہ دکھائی گئی پھر بقول باقر مجلسی بذریعہ وحی یہ پیشگوئی کی گئی اور علامہ باذل کے کہنے کے مطابق حضور اکرم نے صاف فرمایا۔ میرے دین کے حامی اور ممد میرے بعد ان ممالک پہ مسلط ہوں گے۔ اور مجلسی کے قول کے مطابق حضور اکرم نے فرمایا کہ "بمن داد" مجھے دیئے۔ ان باتوں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایران و روم شام و یمن جن لوگوں کے ہاتھوں فتح ہوئے وہی دین حق کے حامی اعوان و انصار تھے۔ اور ان کا مسلط ہونا بعینہٖ رسول خدا کا مسلط ہونا ہے۔ یعنی حضور اکرم کے سچے جانشین تھے۔ اگر خلفائے ثلٰثہ کو کامل الایمان حامیانِ دین جانشینِ رسول تسلیم نہ کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ

معاذاللہ خدا نے بھی غلطی کی، جبرائیل نے بھی دھوکا کیا اور رسولؐ خدا نے بھی غلطی کی، یا اس پیشگوئی اور اس آیت کا مصداق ڈھونڈنا پڑے گا۔ مگر تاریخ کے اوراق سے خلفائے ثلثہ کے بغیر اس کا کوئی اور مصداق ملتا ہی نہیں۔

اور حیاۃ القلوب صہ ۱۷۲ ج ۲ علامہ مجلسی شیعہ یوں فرماتے ہیں۔

"ابن شہر آشوب وغیرہ روایت کردند کہ روزے آنحضرت نظر کرد بسوئے ذراعہای سراقہ بن مالک کہ باریک و پر موئی بود۔ پس فرمود کہ چگونہ خواہد بود حال تو در ہنگام دست رنج ہا بادشاہ عجم را در دست ہائے خود کردہ باشی پس چوں در زمان عمرؓ او را طلبید و دست رنج ہائے بادشاہ عجم را دست ہائے او کرد و فرمود کہ چوں مصر را فتح کنید قبطیان را مکشید کہ ماریہ مادر ابراہیم از ایشاں است و فرمود کہ رومیہ را فتح خواہید کرد و چوں او را فتح کنید کلیسائی کہ در جانب شرق آن واقع است آنرا مسجد کنید۔"

خلاصہ:۔ "ابن شہر آشوب نے اور دوسروں نے بھی بیان کیا کہ رسولؐ خدا نے سراقہ بن مالک کے بازوؤں کی طرف دیکھا جو بالوں سے پُر تھے اور باریک تھے۔ تو فرمایا کہ اے سراقہ تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب بادشاہِ عجم یعنی ایران کے کنگن تو اپنے ہاتھوں میں ڈالے گا۔ پس جب فاروق اعظمؓ کا زمانہ آیا ان کے زمانے میں مدائن جو دارالخلافہ ایران تھا۔ فتح ہوا، تو فاروق اعظمؓ نے سراقہ بن مالک کو طلب کیا اور شاہِ ایران کے کنگن سراقہ کے ہاتھ میں ڈال دیئے اور حضور نبی اکرمؐ نے بھی فرمایا کہ جب مصر کو فتح کرو گے تو قوم قبطیہ کو قتل نہ کرنا اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جب شہر رومیہ کو فتح کرو گے، تو وہ گرجا جو جانب شرق واقع ہے۔ اس کو مسجد بنا دینا۔

فوائد:۔ بتاؤ یہ تین پیشنگوئیاں کس زمانے میں پوری ہوئیں۔ الفضل ما شہدت بہ الاعداء

فاروق اعظمؓ نے حضور اکرمؐ کی پیشنگوئی کو پورا کرنے کے لیے خود سراقہ کو بلایا اور

شاہِ ایران کے کنگن اس کے ہاتھ میں پہنائے اور باقی دونوں وصیتوں کو بھی نہایت اہتمام سے پورا فرمایا جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں دین کی حفاظت اور اشاعت کے لیے مسجدیں بنانے کا یہ اہتمام کیا کہ جو مقام قبضہ میں آیا وہاں مسجد بنانے کا فوری طور پر حکم دے دیا اور مساجد میں آئمہ اور موذنوں کا تقرر فرمایا جن کی تعداد چار ہزار تک ہے اور نو سو جامع مسجدیں تعمیر کی گئیں اور بیت المقدس کی تعمیر بھی فاروق اعظمؓ نے کرائی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ لَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ"

قرآنِ مجید نے فاروق اعظمؓ کے کامل الایمان ہدایت یافتہ ہونے کی شہادت دیدی۔ بلکہ قرآن کریم تو یہ اعلان کرتا ہے کہ مَا کَانَ لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ اَنۡ یَّعۡمُرُوۡا مَسٰجِدَ اللّٰہِ اس لیے فاروق اعظمؓ کی خدمتِ اسلام کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بیعت رضوان والوں کی وفاداری اور ان کی شان کا اعتراف عروہ بن مسعود ثقفی نے اس وقت کیا جب اسلام نہیں لایا تھا۔ علامہ باذل نے حملہ حیدری کے صفحہ ۲۱۲ جلد ۲ پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"کہ من آنچہ دیدم زیارانِ او | ازاں سر بکف جاں نثارانِ او
در ایران و در رُوم و در زنگبار | نہ دیدم زنیک و بدِ آن دیار
کہ دارند پاسِ شاہ خود چنیں | لبسایند بر نقش پائش جبیں
محمد گر اندازد آب دہن، | برآں آب خوں می کند انجمن
کہ گیرند و مالند بر چشم و رو، | وزاں آب تازہ کنند آبرو،
غرض اے دلیرانِ ما نام و ننگ | نہ دارد برائے شما سرفہ جنگ
کہ ایشاں نہ ما بر نہ تابند رو | بجاہائے نازک رسد گفتگو!
ہماں بہ کہ ایں قصہ کوتاہ کنید | ازاں پیش کہ راکند راہ دہید

خلاصہ:۔ میں نے حضورؐ کے ساتھیوں کو جان قربان کرنے کے لئے سروں کو ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے دیکھا میں نے ایران، رُوم اور زنگبار کے علاقوں میں کوئی ایسا (نیک اور بد لوگوں میں) نہیں دیکھا جو اپنے بادشاہ کی عزت اتنی کرتا ہو جتنی کہ حضورؐ کے صحابہؓ ان کی عزت و قدر کرتے ہیں اور جس طرح وہ حضورؐ کے نقش قدم پر چلتے ہیں دوسرا کوئی نہیں چلتا۔ اگر حضورؐ منہ سے پانی (تھوک) زمین پر پھینکتے ہیں۔ تو اس کو حاصل کرنے کے لیے جملہ حضرات خون گرانے کو بھی تیار ہوتے ہیں۔ اس (تھوک) کو حاصل کر کے اپنی آبرو کو تازہ کرنے کیلئے آنکھوں اور چہروں پر ملتے ہیں غرض یہ کہ وہ آپ کے خلاف جنگ کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ حالات نازک مرحلہ پہ آپہنچے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس قصہ کو مختصر کریں پیشتر اس کے کہ وہ زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے راستہ مانگیں انہیں راہ دے دو۔"

فوائد:۔ اہل حدیبیہ کی عقیدت، جانثاری اور وفاداری کا اعتراف ایک کافر نے کیسے جامع انداز میں کیا اور شیعہ عالم نے کیسا عمدہ بیان کیا۔ اب اس بیعت کی تفصیل بھی علامہ باذل کی زبانی سُنئے۔ (حملہ حیدری ۲ : ۲۱۵)

رسولؐ مؤید بہ نیروئے بخت | بیامد بسُوئے سایہ آن درخت
بروتکیہ فرمود خیر البشر | بعزت ز طوبیٰ گذشت آن شجر
بفرمود تا اہل دینِ حنیف | بیایند نزدش ز وضیع و شریف
دلیراں ہماں دم بفرمانِ او | کمر بستہ رفتند از چار سُو
چوں مجمع نمودند انصارِ دیں | بدیشاں چنیں گفت سالارِ دیں
کہ جہال گردن کشانِ قریش | نہادند از کثرت وکین وطیش
فراتر زِ اندازہ خویش پائے | کنوں نیست مارا بجز جنگ رائے
بپاسخ بگفتند اصحابِ دیں، | کہ یاری دہست باد جاں آفریں
بحکمِ تو بودیم در انتظار | چوں بر جنگ رائے ترا شد قرار

قدم پیش بگذار و مارا بہ بیں — کہ چوں می زنیم آسماں بر زمیں
بر ایشاں نبیؐ آفریں کرد و گفت — کہ تائیدِ حق با شما باد جفت
ولی از شما خواہم اے اہلِ دیں — بحکمِ خدا بیعتِ ایں چنیں
کہ ورزید چنداں ثباتِ قدم — کہ گیرید از دستِ دشمن حرم
وگر آن کہ از گردشِ آسماں — نگردید فیروز بر دشمناں
ہمہ گشتہ گردید در کارزار — نہ گیرید در پیش راہ فرار

خلاصہ:۔ ”حسنِ اتفاق سے حضورؐ درخت کے سایہ میں تشریف لاتے۔ آپ کے اس درخت سے تکیہ اور سہارا کی وجہ سے اس کی شان طوبیٰ سے بھی زیادہ ہوگئی۔ حضورؐ نے ہر طبقہ کے لوگوں (صحابہؓ) سے کہا کہ وہ قریب آجائیں چاروں طرف سے فوراً دلیرانِ اسلام جمع ہوگئے۔ حضورؐ ان سے مخاطب ہوئے کہ قریش حد سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے سوائے جنگ کے اب کوئی چارہ کار نہیں۔ ان دیندار صحابہؓ نے آپ کو جواب دیا: اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ ہم تو آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ اگر آپ کی رائے مبارک جنگ کرنا ہے تو دیکھیں کہ ہم آسمان کو کس طرح کاٹ کر زمین پر لاتے ہیں۔ حضورؐ نے آپ کو شاباش فرمائی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی امداد آپ کے شاملِ حال ہو۔ میں آپ سے حکم خداوندی کے تحت بیعت لینا چاہتا ہوں۔ کہ دشمن کے خلاف اس قدر ثابت قدمی سے لڑیں کہ حرم پاک حاصل کر لیں۔ دوسرا یہ کہ اگر بالفرض آپ دشمن پر کامیابی حاصل نہ کر سکیں اور جنگ کا نقشہ بدل جائے، تو آپ تمام اپنی جانوں کو اس میدانِ کارزار میں قربان کر دیں گے۔ اور راہِ فرار کبھی بھی اختیار نہ کریں گے۔“

فائدہ:۔ یہ بیعت صرف جان قربان کرنے کے لیے لی گئی۔ اور دیکھئے کہ ان جانثاروں نے کس شوق اور کس خوشی سے حضورِ اکرمؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر جانثاری

کا عہد کیا۔ گو اس موقع پر جانثاری کا عملی مظاہرہ نہ ہو سکا۔ مگر وہ لوگ اس جماعت میں سے ہی تھے جنھوں نے اس عہد کو یوں پورا کیا کہ روم کی سلطنت جو چار صد سال سے ایک خاندان میں چلی آرہی تھی اس میں دین کا ڈنکا بجا دیا اور ایران کی حکومت جس کے استحکام میں گیارہ صدیاں گزر گئی تھیں کفر و ضلالت سے اس مقدس گروہ کے ہاتھوں پاک ہوئی۔ جس کی قیادت جانثار رسولؐ فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھ میں تھی۔ فاروقِ اعظمؓ نے ۱۳ھ میں مسند خلافت سنبھالی۔ سب سے پہلے حضورؐ اکرم کے نامۂ مبارک کی بے حرمتی کرنے کا انتقام لینے کے لیے ایرانیوں سے جنگ کرنیکا منصوبہ بنایا اور ۱۵ھ میں ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی اس میں فاروقِ اعظمؓ کے اضطراب کا وہی عالم تھا جو حضورؐ کا جنگِ بدر میں تھا۔ فاروقِ اعظمؓ نے صبح کی نماز میں مسلمانوں کی فتح کے لیے دعا قنوت پڑھنا شروع کر دیا۔ اور عام بھرتی کا اعلان کر دیا۔ سعد ابن ابی وقاصؓ کو سپہ سالار بنا کر اس محاذ پر بھیجا۔ کل تعداد ساٹھ ہزار بتائی جاتی ہے۔ جس میں ایک ہزار صحابی تھے اور ان میں تہتر بدریؓ تھے۔ دوسری طرف ایرانیوں نے اپنی ساری قوت اور ساری دولت اس فیصلہ کن جنگ میں جھونک دی۔ نتیجۃً ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے اور چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے اور مسلمانوں کا ایران پر قبضہ ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھوں پورا ہوا۔ قادسیہ کی جنگ میں تائید غیبی کے جو چند واقعات پیش آئے وہ بھی سن لیجیے۔

۱۔ جنگ کے پہلے روز ہرمزان حاکم آذربائیجان ایک تیز رو گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا اور کہا "آج ہم عربوں کو کچل دیں گے"۔ کسی نے کہا "کہو اگر خدا نے چاہا" جواب میں کہنے لگا "خدا چاہے نہ چاہے" یہ الفاظ سنتے ہی حضرت منذر بن حسان نے ایک تیر مارا گھوڑے سے گرا اور مر گیا۔

۲۔ جنگ کے دوسرے روز حضرت عمرو بن معدی کرب نے ایرانی فوج پر تنہا حملہ کر دیا۔ کئی ایرانی قتل کیے آخر فوج نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ ان کا گھوڑا مارا گیا۔ تو ایک ایرانی سپاہی کے دوڑتے ہوئے گھوڑے کو ٹانگ سے پکڑ کر کھڑا کر لیا۔ ایرانی سوار گھوڑے سے اتر کر بھاگا اور آپ اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

۳- جنگ کے پہلے روز ایک ایرانی پہلوان گھوڑے پر سوار اکڑتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا۔ اس کے مقابلہ میں ایک کمزور پست قد دُبلا پتلا مسلمان باہر نکلا۔ ایرانی نے پہلے وار میں اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی رسی اپنی کمر سے باندھی ہوئی تھی۔ جب وہ مسلمان کا سر کاٹنے لگا، تو اچانک گھوڑا ڈر کر بھاگا اور وہ ایرانی پہلوان کو گھسیٹتا ہوا چلا گیا۔ اس مسلمان نے فوراً اٹھ کر تعاقب کیا اور اسے قتل کر دیا۔

۴- لڑائی کے اختتام پر ایرانیوں نے دریا کا پُل توڑ دیا کہ دارالخلافہ کو مسلمانوں سے بچا لیں۔ حضرت سعد ابنِ ابی وقاصؓ نے فرمایا کہ کچھ پروا نہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اور بارگاہِ الٰہی میں فاروق اعظمؓ کے عدل و انصاف کا واسطہ دے کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ساری فوج نے ان کی تقلید کی۔ جب تھک جاتے تو قدرتِ الٰہی سے دریا میں خشک جگہ نمودار ہوتی اور وہ آرام کر لیتے۔ ساری فوج صحیح سلامت دریا کے پار ہو گئی۔ صرف ایک آدمی کا لکڑی کا پیالہ پانی میں رہ گیا۔ جس کو دریا کی لہر نے باہر پھینک دیا۔

اسی طرح کا خرقِ عادت کا واقعہ رُوم کی لڑائی میں پیش آیا۔ جب مسلمانوں نے یرموک کی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد حمص کا محاصرہ کیا، مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے قلعہ کی دیواریں گر گئیں اور زلزلہ آ گیا۔ اور عیسائی صلح کرنے پر مجبور ہو گئے ایسے واقعات سے آیت کریمہ کے حصہ قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِہَا کی حقیقت کی کچھ جھلک نظر آتی ہے یعنی حِفظَھَا اللّٰہُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ لَا یَجْرِیْ عَلَیْھَا ھَلَاکٌ اِلٰی اَنْ یَّاْخُذَھَا الْمُسْلِمُوْنَ۔ کا احاطۃ الحراس بالخزان یعنی ان ملکوں اور خزانوں کو خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کے لیے اس طرح محفوظ رکھا تھا۔ جیسے کوئی محافظ خزانے کی حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کے ذریعے مسلمانوں سے جو وعدے کئے تھے وہ پورے ہو کر رہے۔

نبیؐ کے مُنہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

باب ششم

تفسیر آیت اظہارِ دین

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (الفتح)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت دی اور سچا دین (اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ۔ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ۔

(التوبہ)

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ۔

(الصّف)

قرآن مجید میں ان تین مقامات پر اظہارِ دین کا اعلان معمولی سے اختلاف سے کیا گیا ہے

پہلی آیت سورۃ الفتح کی ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی بظاہر اس مغلوبانہ صلح سے صحابہؓ کرام کے دلوں کو بڑا رنج پہنچا یہ سورۃ صحابہؓ کے مجروح دلوں کے لیے مرہم ثابت ہوئی۔ اس ساری سورت میں عجیب عجیب طریقہ سے صحابہؓ کرام کی دلداری کی گئی ہے کہیں ان کے فضائل بیان فرمائے، کہیں انہیں فتح عظیم کی خوشخبری سنائی۔ کہیں فتوحات کے وعدے دیئے گئے اور کہیں انہیں یقین دلایا گیا کہ تمہارے دین کو غلبہ دیا جائے گا۔ تمہارے اور تمہارے دین کے دشمنوں کو تمہارے ہاتھوں ذلیل کیا جائے گا۔ اور کہیں اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا گیا۔

قرآن شریف میں بعثتِ رسولؐ کے دو اہم مقاصد بیان کئے ہیں۔ اول یہ کہ دین حق کو تمام ادیان عالم پر غالب کیا جائے، دوم یہ کہ اخوتِ اسلامی پیدا کر کے اقوام عالم سے انتشار افتراق اور فتنہ و فساد کو ختم کیا جائے، مگر ان دونوں میں بھی پہلا امر مقصد ہے اور دوسرا اس مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ لہذا پہلے سے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ حضورؐ اکرم نے کیا صحابہ کرام میں باہمی اتحاد اور اخوت کا جذبہ پیدا کر لیا تھا۔ پھر دیکھنا یہ ہے کہ اس جذبہ کے ذریعے کیا حضورؐ کے صحابہؓ کے ہاتھوں دین کے غلبہ کا مقصد پورا ہوا۔؟

اس آیتہ کریمہ کا حقیقی مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ سوچنا ضروری ہے کہ غلبہ سے کیا مراد ہے؟ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول دلائل و براہین سے یعنی اپنے دین کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے ایسے دلائل پیش کئے جائیں کہ دوسرے تمام مذاہب کا بطلان ثابت ہو جائے اور دین حق کی حقانیت واضح ہو جائے۔ یہ غلبہ علم و استدلال کا ہے جو کتابوں یا ذہنوں تک محدود رہتا ہے۔ دوسرا غلبہ وہ ہے جو قوت اور حکومت سے جہاد کے ذریعے اقوام عالم پر حاصل ہو۔ آیتِ قرآنی میں دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے۔ قرآن شریف میں جن قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا کہ استدلال اور برہان کا غلبہ مادی قوت کے سامنے بظاہر کامیابی نہیں ہوتا، دیکھئے حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے جو دلائل اور معجزات پیش کئے ان کے مقابلے میں استدلال کے

کے میدان میں تو فرعون ہار گیا، مگر اس کے پاس طاقت تھی۔ اقتدار تھا۔ اس لیے غالب ہی رہا۔ اور حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو ملک چھوڑنا پڑا۔ اسی طرح قریش مکہ حضور اکرمؐ کے مقابلے میں دلائل و براہین کے میدان میں ہار گئے۔ مگر قوت ان کے پاس تھی۔ اور حضور اکرمؐ کو وطن چھوڑنا پڑا۔ مگر یہ وہی مکہ ہے کہ جب حضورؐ آٹھ سال بعد حاکمانہ قوت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو سرداران قریش کو ہار ماننے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ جس طرح دین کے غلبہ کے لیے اہل دین کا اتحاد اور اتفاق ضروری ہے۔ اسطرح دلائل سے غلبہ بھی سیف و سناں کا محتاج ہے۔ بہر حال ان آیات میں غلبہ سے مراد غلبۂ سیف و سناں ہے۔ جس کی دلیل سورۃ فتح کا نفس مضمون ہے کہ اس میں صحابہؓ کرام کو کفار کی مغلوبیت اور مغانم کثیر کی خوشخبری سنائی اور غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کر کے کفار کی مغلوبیت کے بعد حاصل ہو۔ یعنی غنیمت بغیر جہاد حاصل کرنا محال ہے خندق کی کھدائی کے موقع پر حضور اکرمؐ نے کشفی صورت میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو مسلمانوں کے قبضہ میں آنا مشاہد فرمایا۔ ملا باقر مجلسی نے آیت کی شانِ نزول میں یمن ایران، رُوم و شام پر مسلمانوں کے فتح کرنے کا ذکر کیا ہے۔ پورا حوالہ گزر چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو کشف کے طور پر ان ممالک کے بادشاہوں کے محلات دکھائے پھر آیت لیظهره علی الدین کلہ نازل فرما کر وحی کی مہر ثبت فرما دی۔ یعنی اے میرے رسولؐ آپ کے کشف کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام ممالک جو اس وقت دنیا کی مستحکم ترین سلطنتیں ہیں آپ کی امت کے قبضہ میں دے دی جائیں گی۔ اور آپ کے دین کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ حکومتیں دلائل سے مغلوب نہیں ہوتیں۔ بلکہ طاقت اور جہاد سے غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے اسی سورت میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح واخریٰ لم تقدروا علیہا قد احاط اللہ بہا میں ایران اور رُوم کی حکومتیں مسلمانوں کے قبضہ میں دینے کا وعدہ فرمایا اور وہ وعدہ جہاد کے ذریعے پورا ہوا اسی طرح " لیظهره علی الدین کلہ" سے ان سلطنتوں میں دینِ حق کے غلبہ کی خوشخبری سنائی۔ یہ خیال رہے کہ لیظهره علی الدین سے فتح مکہ مراد نہیں ہے کیونکہ مکہ میں کوئی

مستقل حکومت بھی نہ تھی۔ اور اہلِ مکہ کا کوئی ایسا دین نہ تھا جو استدلالی اور مادی قوت کے ذریعے دنیا کے معتدبہ حصہ پر چھایا ہوا ہو۔ پھر ملا باقر مجلسی نے وعدۂ غلبہ میں ایران، روم شام اور یمن کا ذکر کیا ہے لہذا مراد بھی وہی ہوئے۔ اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ یہ وعدہ امام مہدی کے زمانہ میں پورا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ ان لوگوں سے کیا جو صلح حدیبیہؓ اور بیعت رضوان میں شامل تھے۔ امام مہدی نہ اس زمانہ میں موجود تھے نہ مخاطب تھے نہ انہوں نے یمن روم، شام اور ایران کو فتح کیا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کرے حدیبیہ والوں سے اور حکومت اور خزانے دے امام مہدی کو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیئے پس معلوم ہوا کہ "لیظھرہٗ علی الدین کلہ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حکومتوں پر جو اس وقت دنیا کی مستحکم ترین حکومتیں تھیں اور ان دینوں پر جو اس وقت اقوامِ عالم کے ذہنوں پر مسلط تھے دینِ حق کو غالب کرنے کا وعدہ فرمایا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دینِ حق کا ایسا دوگونہ غلبہ یعنی استدلال اور اقتدار کا غلبہ مسلمانوں کو نبی کریمؐ کے زمانہ میں اقوامِ عالم پر حاصل نہیں ہوا۔ لہٰذا جس دور میں یہ وعدہ پورا ہوا۔ وہ اس آیت کا مصداق ٹھہرا اور اس دور کی حکومت قرآن کی موعودہ حکومت ٹھہری۔ اور اس دور کے حاکم کا ہاتھ رسولؐ کا ہاتھ ٹھہرا اور جانشین کے ہاتھوں اس پیشگوئی کا پورا ہونا بعینہٖ ایسا ہے جیسے رسولؐ خدا کے ہاتھوں یہ وعدہ پورا ہوا۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دین کو ایسا غلبہ خلفائے ثلاثہ بالخصوص فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھوں حاصل ہوا۔ اظہارِ دین کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

۱۔ جو دین رسولؐ خدا لے کر مبعوث ہوئے حضور اکرمؐ نے اس کی دعوت عام دیدی اور پورے کا پورا دین ظاہر کر دیا۔ لہذا جو دین رسولؐ اکرم نے پیش نہیں فرمایا وہ نہ دینِ حق ہے اور نہ دینِ رسولؐ۔ جو دین اس وقت ظاہر نہ ہوا مستور رہا وہ بھی دینِ رسولؐ نہیں، ورنہ ماننا پڑے گا کہ رسولؐ نے بعثت کا حق ادا نہ کیا معاذ اللہ۔

۲۔ علمائے شیعہ کو اس حقیقت کا اقرار ہے کہ آیت اظہارِ دین سے مراد فتوحات

ایران و رُوم ہیں کہ دینِ اسلام ان پر غالب آئے گا۔ اور یہ حکومتیں اور ان کے مذہب مغلوب ہو جائیں گے۔

۲۔ یہ حکومتیں اور ان کے خزانے رسولِ اکرمؐ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے۔ جیسا کہ علامہ باذل نے بیان کیا ہے کہ

بہ پاسخ چنین گفت خیر البشرؐ — کہ چوں جست برق نخست از حجر
نمودند ایوان کسریٰ بمن! — دوم قیصرِ رُوم سوم از یمن
سبب را چنیں گفت روح الامین — کہ بعد از من انصار و اعوانِ دین
بر اں مملکتہا مسلط شوند! — بہ آئینِ من اہلِ آں بگروند

اس صاف ظاہر ہے کہ خود حضورؐ نے یہ واضح فرمادیا کہ اظہارِ دینِ حق کی پیشگوئی میرے اعوان و انصار کے ہاتھوں پوری ہو گی۔ چنانچہ حضورِ اکرمؐ کے جانثار اعوان و انصار نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ پیش گوئی پوری کر دکھائی فجزاھم اللہ عنا احسن الجزاء ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدند
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

باب ھفتم

تفسیر آیت دعوتِ اعرابؓ

قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔

آپ ان پیچھے رہ جانے والوں دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے، جو سخت لڑنے والے ہونگے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع اسلام ہو جائیں، سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض (یعنی جنت) دے گا۔ اور اگر تم (اس وقت بھی) روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے قبل روگردانی کر چکے ہو

تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

آیت کا پس منظر :۔ ۶ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور اعلان فرمایا کہ ہر جوان مسلمان میرے ہمراہ جائے۔ شاید قریش مانع ہوں اور جنگ ہو جائے تو ہمارا نقصان نہ ہو۔ اس دعوت پر ۱۵۰۰ صحابہؓ حضورؐ کے ہمراہ ہو گئے۔ مگر بدوؤں کے چند قبائل اس مہم میں شامل نہ ہوئے مثلاً اسلم جہینہ، مزینہ، غفار اور اشجع جب حضور اکرم اس سفر سے واپس آئے تو یہ قبائل طرح طرح کے عذر پیش کر کے اپنی معذوری کا اظہار کرنے لگے۔ درحقیقت وہ معذور نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ خاص سے ان پر فوری گرفت نہ فرمائی بلکہ انہیں مہلت دی اور فرمایا تمہیں موقع دیا جائے گا۔ کہ تم اپنی وفاداری کا ثبوت دو۔ عنقریب ایک بلانے والا تمہیں جہاد کے لیے بلائے گا۔ اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو تمہیں نہایت عمدہ

اجر ملے گا۔ اگر تم نے پھر بھی اس کی نافرمانی کی تو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اس آیت میں ان بدو قبائل کو خطاب کیا گیا ہے۔

اب اس آیت کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۔ سَتُدْعَوْنَ میں فعل کی نسبت کسی خاص فاعل کی طرف نہیں کی گئی۔ یہ دعوت دینا خدا کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ رسول خدا کی طرف سے بھی اور نائب رسولؐ خدا کی طرف سے بھی۔ مگر یہ بلانا ان میں سے کسی کی طرف سے ہو، یہ بلانا بالکل ایسا ہو گا جیسا خدا اور رسولؐ کا بلانا۔ اس بلانے والے کی دعوت پر اس کی اطاعت کرنے کا وہی اجر ہو گا۔ جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت پر ہو سکتا ہے۔ اور اس کی نافرمانی کی وہی سزا ہو گی جو اللہ رسولؐ کی نافرمانی پر ہو سکتی ہے۔

۲۔ جس طرح غروب آفتاب سے فوراً بعد تاریکی نہیں چھا جاتی۔ بلکہ دن کی روشنی کا اثر کافی دیر تک رہتا ہے اور رفتہ رفتہ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اسی طرح آفتاب رسالت کے چھپ جانے سے بعد فوراً اندھیرا نہیں ہو گیا۔ بلکہ حضورؐ کے جانشینوں کے عہد میں آفتاب رسالت کی روشنی کا اثر باقی رہا۔

۳۔ اِلیٰ قوم۔ قوم کا لفظ بطور نکرہ استعمال ہوا۔ معلوم ہوا کہ قوم سے مراد قوم عرب نہیں۔ کیونکہ عربوں کے ساتھ تو اس سے قبل کافی جنگیں ہو چکی تھیں۔ اور قوم عرب ہی مراد ہوتی تو الیٰ قوم کی جگہ سَتُدْعَوْنَ اِلَیْھِمْ مَرَّۃً اُخْریٰ۔ ہوتا۔

اور اس قوم کی صفت اولی بأس شدید بیان فرمائی۔ اور یہ سوائے ایران یا رُوم کے اور کوئی قوم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس وقت دنیا کی مستحکم ترین اور جنگجو اقوام صرف یہی قومیں تھیں، اس دعوت کے موقعہ پر یا تو اس قوم سے جنگ ہو گی۔ یا مسلمان ہو جائیں گی یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے۔ اسلام لانے کی قید کی وجہ سے اس آیت کے مصداق میں وہ جنگ نہیں آ سکتی جو قصاص عثمانؓ کے سلسلے میں ہوئی۔ یہ جنگ احکام خلافت منوانے کے لیے ہوئی تھی۔ اور وہ لوگ پہلے ہی مسلمان تھے۔ اور غیر قوم بھی نہیں تھی۔ اس قید سے وہ جنگ بھی خارج ہوئی جو دشمن کو محض خوفزدہ کرنے کے لیے ہو جیسے غزوۂ تبوک

گو یہ جنگ عربوں سے تھی، مگر اس میں جنگ فی الواقع ہوئی نہ وہ لوگ ایمان لائے۔

۵۔ اگر حضور اکرمؐ پر نبوت ختم نہ ہوتی تو اس آیت کے مطابق اعراب کو بلانے والا نبی ہوتا جس کی اطاعت پر اجر حسن کی بشارت اور نافرمانی پر عذاب الیم کی وعید سنائی گئی۔ یہ بات لفظ تشبیہ کما سے اور واضح ہو جاتی ہے۔ کما تولیتم من قبل سے اس بلانے والے کی اطاعت و نافرمانی ایسی ہے جیسا رسولؐ خدا کی اطاعت و نافرمانی۔ مگر نبوت تو ختم ہو گئی اس لئے لازماً یہ بلانے والا نبیؐ کا سچا جانشین ہی ہو سکتا ہے۔

۶۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ (۱) ان اعراب کو کیا رسولؐ خدا نے کسی غیر قوم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بلایا۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضور اکرمؐ کی عربوں سے تین جنگیں ہوئیں۔ خیبر، فتح مکہ اور حنین اور غیر قوم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے صرف ایک مہم بھیجی گئی۔ جو تبوک کی تھی۔ مگر اس مہم میں نہ مخالف سے جنگ ہوئی نہ وہ اسلام لائے۔

اس دعوت کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مزید وضاحت کر دی جائے۔ سو آیت میں تمام صیغے خطاب کے ہیں سَتُدْعَوْنَ، يُقَاتِلُوْنَهُمْ، فَاِنْ تُطِيْعُوْا، وَاِنْ تَتَوَلَّوْا، كَمَا تَوَلَّيْتُمْ، يُعَذِّبْكُمْ۔ یہ خطاب ان بدوؤں کو ہو رہا ہے جو عمرہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے، ان لوگوں نے واپسی پر عذر پیش کئے کہ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا۔ پھر انہوں نے معافی کی درخواست کی کہ فَاسْتَغْفِرْ لَنَا مگر یہ سب ظاہری باتیں تھیں۔ حقیقت اللہ تعالیٰ نے بتا دی کہ ان کا خیال یہ تھا کہ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا۔ پھر دعوت دینے والا ایسی قوم کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بلائے گا۔ جو اولی باس شدید ہے یعنی غیر عرب بھی ہوگی اور سخت جنگجو بھی ہوگی۔ پس اس آیت کا خطاب ان لوگوں سے ہے جو عمرۂ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے پھر عذر کرنے لگے اور معافی مانگنے لگے۔ اور ان کو معافی دینے کے لیے ایک شرط لگائی گئی کہ تمہیں مہلت دی جاتی ہے۔ جہاد کا موقع دیا جائے گا۔ اگر تم نے اطاعت کی تو معافی ہو جائے گی۔ اس تفصیل کے بعد واقعات کی روشنی میں یہ دیکھ لیجئے کہ یہ بلانے والے

رسول اکرم تو نہیں تھے۔ کیونکہ صلح حدیبیہ کے متصل اور جنگ خیبر ہوئی جس میں شامل ہونے سے اللہ تعالیٰ نے ان بدوؤں کو منع فرما دیا۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ۔

(ترجمہ گذر چکا ہے)

پھر غزوہ تبوک سے بھی ان لوگوں کو منع کر دیا گیا۔ کما قال تعالیٰ۔

فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا۔ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ۔

سو اگر خدا تعالیٰ آپ کو (اس سفر سے مدینہ کو صحیح وسالم) ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے پھر یہ لوگ (کبھی جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلو گے۔ اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن (دین) سے لڑو گے۔ تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا۔ تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو واقعی پیچھے رہ جانے کے لائق ہی ہیں۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ ان لوگوں کو معیتِ رسول سے مطلقاً منع کر دیا گیا تھا۔ پھر جنگِ حنین ہوئی۔ اوّل تو جنگ غیر عربوں کے خلاف نہیں تھی۔ پھر قرآن نے ان کی صفت اولی باس شدید نہیں بتائی بلکہ وہ تو اقل اور اذل تھے۔ اس لیے اس جنگ میں اعراب کو دعوتِ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لم یصلح ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا الاعراب یوم حنین وایضاً لم یکونوا اولی

یہ صحیح نہیں کہ حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی جنگ میں اعراب کو دعوت دی ہو۔ اور حنین لشکر اسلام کے مقابلے

باس شدید بالنسبة الی عسکر الاسلام بل کانوا قلیلا ذلیلا فی مقابلة جم غفیر (مظہری)

میں سخت جنگجو بھی نہیں تھے اور تھوڑے اور کمزور بھی تھے۔

اور تفسیر جمل میں ہے۔

وفی الآیة دلیل علی صحة امامة ابی بکرؓ وعمرؓ لان ابا بکر دعاھم الی بنی حنیفه وعمرؓ دعاھم الی قتال فارس والروم واما قول عکرمه وقول قتادہ ان ذالك فی ھوازن وغطفان یوم حنین فلا لانه یمتنع ان یکون الداعی لھم الرسول علیه الصلوٰۃ لانه قال لن تخرجوا معی ابداً ولن تقاتلوا معی عدوا فدل علی انه اراد غیر النبی صلی اللہ علیه وسلم ومعلوم انه لم یدع ھؤلاءِ القوم بعد النبی صلی اللہ علیه وسلم الا ابو بکر وعمرؓ

اس آیت میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت کی دلیل ہے کیونکہ ان کو صدیق اکبرؓ نے جنگ یمامہ میں دعوت دی اور حضرت عمرؓ نے فارس اور رُوم کی جنگوں میں دعوت۔ اور عکرمہ اور قتادہ کا یہ قول کہ انہیں ہوازن، غطفان اور حنین میں بلایا گیا درست نہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلانا ممکن نہیں۔ کیونکہ اللہ کے حکم سے وہ اعلان کر چکے تھے کہ تم میرے ساتھ مل کر کبھی جنگ کے لیے نہیں نکلو گے۔ اور ہرگز جنگ نہیں کرو گے۔ یہ دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد داعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور ہو گا۔ اور اس قوم کو نبی کے بعد سوائے ابوبکرؓ و عمرؓ کے کسی نے نہیں بلایا۔

اور دوسری جانب بھی احتمال کا اظہار کیا گیا ہے۔ مثلاً:

شیخ ابن مطہر حلی شیعہ دست پازدہ جواب آوردہ است کہ داعی آنحضرت است وجائز است کہ آنحضرت در غزوات دیگر کہ قتال ہم واقع شدہ است دعوت نمودہ

حلی نے جواب دینے کی مجنونانہ کوشش کی ہے کہ بلانے والے حضور اکرمؐ ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے دوسری جنگوں میں انہیں دعوت دی ہو۔ لیکن وہ نقل

باشند امامنقول شدہ باشد۔ | وہ نقل ہونے سے رہ گئی ہے۔

اسی طرح بعض مفسرین نے بھی اس احتمال کو نقل کردیا ہے۔ مثلاً :-

وان قالوا لم یدعہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والنفی والجزم بہ فی غایۃ البعد لجواز ان یکون ذالک قد وقع ولم ینقل۔

اور اگر کہا جائے کہ نبیؐ نے انہیں نہیں بلایا۔ تو اس کی قطعی نفی بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ ممکن ہے بلایا ہو مگر ان کا بلانا نقل نہ کیا گیا ہو۔

اور بعض مفسرین نے اس کو مقید کیا ہے کہ جب تک وہ نفاق پر تھے رسول خدا نے ان کو نہیں بلایا تھا۔ ای لن تخرجوا معی ابدا او انتم ما انتم علیہ ای من النفاق

ایسے تمام احتمالات فاسدہ کے متعلق تحفۂ اثنا عشریہ میں وضاحت کی گئی ہے۔

درکاکت ایں احتمالات پوشیدہ نیست زیرا کہ درباب اخبار و سیر و تواریخ بمجرد احتمالات تمسک کردن شان عقلا نیست والا در ہر مقدمہ احتمالے تواں برآورد۔

ان احتمالات کا گھٹیاپن پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ تاریخ و سیرت کے معاملے میں محض احتمالات کو پلے باندھ لینا داناؤں کی شان کے خلاف ہے۔ ورنہ ہر بات میں احتمال پیدا کیا جاسکتا ہے

اور جس نے وانتم ما انتم علیہ ای من النفاق کی قید لگائی ہے تو صاف طور پر قرآن کو اپنے ظاہر سے پھیرنا ہے جو قابل قبول نہیں جب قرآن میں ابدا کی قید موجود ہے تو ما انتم کا کیا مطلب؟ اور جن حضرات نے داعی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی لی ہے ان میں کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ خلفائے ثلثہ داعی نہیں تھے۔ ان کی نفی نہیں کی بلکہ رسول کریم کو بھی داعی کہا اور خلفائے ثلثہ کو بھی داعی قرار دیا۔ بہرحال جنگ حنین کے متعلق یہ ثابت نہیں کہ حضور اکرمؐ نے اعراب کو دعوت دی ہو۔ زبانی احتمالات جو ناشی از دلیل نہ ہوں۔ قابل تسلیم نہیں ہے۔

پھر یہ بدو خالص منافق نہ تھے بلکہ کمزور ایمان والے تھے۔ اس لئے یہ ما انتم علیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہا حضرت علیؓ کے بلانے کا سوال تو بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ محض خلافت تسلیم کرانے کے لیے تھا۔ پھر حضور اکرمؐ کے عہد میں فتح مکہ والی مہم ہوئی مگر اس

میں جنگ تو ہوئی نہیں البتہ عکرمہ بن ابی جہل نے چند اوباش قسم کے لوگ جمع کئے کچھ بنو بکر اور بنو حارثہ نے جمع کئے ۔ مگر جب خالد بن ولید پہنچے اور ایک ہلہ میں ۲۸ آدمی قتل کئے تو معاملہ ختم ہو گیا پھر یہ جنگ ہو بھی تو غیر عربوں کے خلاف نہیں ۔ اور اولی بأس شدید کے مقابلے میں نہیں

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مہم حدیبیہ میں شامل نہ ہونے والے اعراب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر عرب جنگجو قوم کے خلاف جنگ کرنے کے لیے نہیں بلایا ، بلکہ حکم خداوندی کے مطابق ان لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے ہمیشہ کے لیے منع کر دیا گیا ۔

اب ستدعون کا مصداق نائب رسولؐ ہی رہ جاتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صرف خلفائے ثلثہ کے عہد میں ۔

ا ۔ غیر عرب اقوام سے جنگیں ہوئیں ۔

ب ۔ اولی باس شدید یعنی سخت جنگجو اور طاقت ور اقوام کے خلاف جنگیں ہوئیں ۔

ج ۔ ان اعراب کو ان جنگوں میں شامل ہونے کے لیے خلفائے ثلثہ نے دعوت دی ۔

پس خلفائے ثلاثہ کی خلافت قرآن مجید کی موعودہ خلافت ہوئی اور خلافتِ راشدہ ہوئی ۔ ان کی اطاعت موجب اجر عظیم اور ان کی نافرمانی عذاب الیم کا سبب ہوئی ۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما !

باب ہشتم

تفسیر آیت معیّت

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ
تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ
فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي
الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهٗ
فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى
سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ
بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

(الفتح)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگے تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے۔

یہ آیت سورۃ الفتح کی آخری آیت ہے۔ یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی جس نے صحابہ کے زخمی دلوں کے لیے مرہم کا کام دیا۔

اس میں سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے کہ آپ کی صفت رسالت کا بیان ہوا چونکہ اس وصف میں سارے کمالات آجاتے ہیں۔ اس لیے حضورؐ کے صرف اسی وصف کا تذکرہ فرما کر کوزے میں دریا کو بند کر دیا ہے پھر صحابہ کرام حدیبیہ والوں کے

اوصاف بیان فرمائے۔ صحابہؓ کے یہ کمالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تربیت کا نتیجہ ہی تو ہیں۔ اس لیے یہ بتانا مقصود تھا جس استاد کے شاگردوں، جس مربّی کے تربیت یافتہ لوگوں میں یہ اوصاف اور یہ کمالات پائے جائیں اس استاد کے کمالات کا اندازہ کرلو۔ قاعدہ ہے کہ استاد کا کمال اس کے شاگردوں سے ہی ظاہر ہوتا ہے اور مرشد کے کمالات کا اظہار اس کے مریدوں سے ہوتا ہے اوصاف دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صفت بحالہٖ دوسرا صفت بحال متعلقہ اور یہ اوصاف بحال متعلقہ ہیں اور ان کے بیان کا مقصد صحابہؓ کی تسلی اور دلداری تھی۔ اس لیے تفصیل سے بیان فرمائے۔ آیت کے دو حصے ہیں۔ محمدؐ رسول اللہ ایک دعویٰ ہے۔ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الخ اس دعویٰ کی دلیل ہے حضور اکرمؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے چشم دید گواہ کون ہیں؟ کفار قریش؟ یہود مدینہ؟ یا انصاریٔ عرب؟ یہ تینوں فرقے اسلام، داعی اسلام اور قرآن کے دشمن تھے۔ پس چشم دید گواہ جن کی گواہی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ وہ صرف مہاجرین و انصار تھے۔ اگر کسی دعویٰ کے گواہ سارے کے سارے جھوٹے اور مجروح ہوں تو وہ دعویٰ ثابت ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر صحابہؓ پر اعتماد نہ کیا جائے اور ان کو جھوٹا سمجھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کیونکر ثابت ہو گی۔

قرآن کریم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چار قسم کے دلائل بیان فرمائے ہیں

(۱) گذشتہ کتب مقدسہ کی پیشگوئیاں جو حضور اکرمؐ پر صادق آئیں۔

(۲) وہ معجزات جو حضور اکرمؐ سے ظاہر ہوئے۔

(۳) وہ تعلیمات جو آپ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے پیش کئے۔

(۴) شاگردوں کی وہ جماعت جن کے کمالات اور فضائل کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ پہلے تین قسم کے دلائل صحابہؓ کرام پر موقوف ہیں۔ کیوں کہ یہی چشم دید گواہ ہیں اور ناقل ہیں۔

قاعدہ ہے کہ کسی دعویٰ کے گواہ سے شہادت لینے سے پہلے اس کی سیرت کے متعلق اطمینان کر لیا جاتا ہے اگر اس کی سیرت قابلِ اعتبار نہ ہو تو وہ مردود الشہادت قرار دیا جاتا

ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عینی شاہدوں کی سیرت کے تمام پہلو چند الفاظ میں بیان فرما دیئے کہ:

اشداءُ علی الکفار رحماءَ بینھم۔ تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلاً من اللہ و رضوانا۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ ذالک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل۔

یعنی ان کے ظاہر و باطن کے لیے بے داغ اور مثالی ہونیکا اعلان اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا۔

سب سے پہلے ان کے معاملات کے متعلق فرمایا کہ ان میں غصہ اور رحمت دونوں صفتیں ملکۂ راسخہ کی حیثیت سے پائی جاتی ہیں۔ اور ان اوصاف کا اظہار اور استعمال ٹھیک اپنے محل پر کرتے ہیں:

قال الرازی جمیعھم اشداء علی الکفار و رحماء بینھم لان وصف الشدۃ والرحمۃ وجد فی جمیعھم قال تعالیٰ والّف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الّفت بین قلوبھم ولکنّ اللہ الّف بینھم اور فرمایا اذلّۃٍ علی المومنین اعزّۃ علی الکفرین

امام رازی فرماتے ہیں کہ صحابہ سارے کے سارے کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں رحیم ہیں کیونکہ شدت اور رحمت کا وصف سب میں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اتفاق پیدا کر دیا، اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا۔

اور فرمایا:

مہربان ہوں گے مومنوں پر، تیز ہونگے کافروں پر

قال صاحب المظھری۔ رغم انف الروافض الذین یزعمون ان اصحاب محمّد کانوا یتباغضون بینھم۔

روافض کی ناک خاک آلود ہو، جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ باہم بغض رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک اور موقعہ پر بھی اس جمیعت کی تائید ہوتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

وَاعتصموا بِحَبلِ اللہِ جَمِیعًا

اس میں جمیعًا حال ہے یا واعتصموا کے فاعل سے یا مفعول بحبل اللہ سے یا دونوں سے ۔

معناہ حال کونکم مجتمعین فی
الاعتصام یعنی خذوا فی تفسیر
کتاب اللہ وتأویلہ ما اجتمع
علیہ الامۃ ولا تذھبوا الی خبط
آرائکم علی خلاف الاجماع
وعلی تقدیر ان یکون حالا من
المفعول والمعنی اعتصموا
بجمیع کتاب اللہ ولا تفرقوا
عن الحق ولم یتفرق الصحابۃ
رضوان اللہ علیہم اجمعین فی
زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ولا فی خلافۃ ابی بکر وعمر و
عثمان واول بغی کان علی الامام
الحق خروج اھل المصر علی
عثمانؓ واول اختلاف وقع فی
امر القصاص کان من معاویۃ
واول اختلاف فی الدین اختلاف
الحروریۃ الذین خرجوا علی علیؓ
ثم اوقع الخلاف ورفض
الحق عبد اللہ بن سبا منشأ الروافض
ثم ظھر مذھب الاعتزال فی
زمن التابعین فتشبثوا

اس کے معنی یہ ہیں کہ اس حالت میں تم سب
اکٹھے ہو کر کتاب اللہ سے تمسک کرو یعنی تم
کتاب اللہ کی تفسیر اور معنی وہی لو جس پر امت
کا اجماع ہے۔ خلاف اجماع امت اپنی
فضول راستے کے پیچھے نہ چلو۔ اگر مفعول
سے حال مانیں تو یہ مراد ہوگی۔ کہ پوری کتاب
اللہ کو مضبوط پکڑو اور فرقے فرقے نہ بن
جاؤ۔ اور صحابہ کرام میں حضور اکرمؐ کے زمانہ
اور ابو بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کی خلافت کے زمانہ
میں کوئی تفرقہ پیدا نہ ہوا۔ سب سے پہلی
بغاوت خلیفہ برحق حضرت عثمانؓ کے عہد
میں اہل مصر نے کی قصاص کے معاملہ میں
پہلا اختلاف امیر معاویہؓ کی طرف سے ہوا
دین میں پہلا اختلاف حروریہ کی طرف سے
ہوا جو حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے
ہوئے پھر اختلاف واقع ہو گیا اور روافض
کے بانی عبد اللہ بن سبا نے حق سے
روگردانی کی پھر تابعین کے زمانہ میں معتزلہ
کا مذہب ظاہر ہوا۔ انہوں نے فلاسفہ
کی پیروی کی۔ اور ظاہر کتاب و سنت
اور مذہب سلف کو چھوڑ کر بحث و
جدال میں مشغول ہو گئے۔ اور اپنی

باذیال الفلاسفه واشتغلوا بقیل وقال واحبوا کثرة الجدال وترکوا ظواهر کتاب اللہ المتعال وسنة نبیة ومذهب السلف اهل الکمال بتقلید ارائهم الکاسدة والمنشئات الضلال۔ (مظہری ۲ : ۱۰۲)	بے کار اور بے معنی آرا پر چل کر گمراہ ہو گئے۔

معاملات میں صحابہؓ کرام کے دو وصف غصہ اور رحمت بیان فرما کر ان کے محل کا بیان فرما دیا۔ یعنی حضورؐ کے صحابہؓ ان پر غضبناک ہوتے ہیں جن پر اللہ غضبناک ہوتا ہے یعنی کفار اور ان لوگوں سے رحمت درافت کا سلوک کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہیں یعنی مومنینؓ یہ وصف اور ان کا برمحل استعمال انسان کے کمال کی دلیل ہے۔ انسان جو گناہ بھی کرتا ہے وہ غضبیہ اور قوت شہویہ کے بے محل استعمال کی وجہ سے ہی کرتا ہے۔ صحابہؓ کرام کے معاملات کی خوبی بیان کرنے کے بعد ان کی عبادات کا پہلو بیان فرمایا۔ عبادات میں سرِ فہرست نماز ہے۔ پھر نماز میں انتہائی عاجزی کے اظہار کا موقع رکوع اور سجدہ ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کرام کے بھی دو وصف بیان فرماتے مگر یہ دونوں حالتیں عاجزی کے اظہار کی صرف صورتیں ہیں اس لیے یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی صورت تو اختیار کرے۔ مگر اس کے اندر وہ حقیقی روح موجود نہ ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کرام کے خشوع وخضوع اور اخلاص کا بھی بیان فرما دیا کہ یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانًا یعنی جہاں ان کے جسم رکوع اور سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کر رہے تھے۔ وہاں ان کے دل خشوع وخضوع اخلاص اور للّٰہیت سے پُر ہیں ان کی عبادت کا مقصد محض رضائے الٰہی ہے۔

صحابہؓ کرام کے یہ دو وصف بیان کرنے سے یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ ان کی شخصی سیرت کا کمال ظاہر کیا جائے۔ وہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا اشارہ بھی کر دیا جائے۔

کہ خلیفہ رسول کے لیے بھی یہ دو وصف ضروری ہیں اس کے بعد خلافت کا ذکر آنے سے اس پہلو کی تائید ہوتی ہے۔

والذین معہٗ سے مراد معیت سفر حدیبیہ ہے معیت کے حقیقی معنی سفر میں کسی کے ساتھ ہوتا ہے یا مکان میں کسی کے ساتھ رہنا یا کسی کام میں کسی کا ساتھ دینا ہے اس لیے معیت سے یہاں معیت مذہبی سمجھنا غلط ہے۔ کیونکہ یہ معنی مجازی ہیں اور جب حقیقی متحقق ہو سکتا ہے۔ تو مجازی معنی لینا اصولاً غلط ہے مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل اس آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ یہ محبوب ازلی ہیں۔ پہلی کتابوں میں جہاں میں نے محمد رسول اللہ کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ وہاں ان کے صحابہ کرامؓ کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ خاتم المحدثین علامہ حسنین بن محمد تقی نوری طبرسی شیعہ نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں شیخ علی بن طاؤس کا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ ان کا لقب رضی الدین ہے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت دانیال کی کتاب "الملاہم" میرے پاس ہے اس میں یہ عبارت مذکور ہے۔

قال السید الجلیل رضی الدین علی بن طاؤس فی کتاب کشف المحجۃ ما لفظہٗ و وقفت انا علیٰ کتاب دانیال علیہ الصلوٰۃ والسلام المختص فی کتاب الملاحم وھو عندنا الان یتضمن مایقتضی ان ابا بکرؓ و عمرؓ کانا عرفاً من کتاب دانیالؑ وکان عندالیھود حدیث ملک النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ولایۃ رجل من یتم و رجل من عدیٍ بعدہٗ دون

خلاصہ یہ رضی الدین نے کہا کہ حضرت دانیال کی کتاب "الملاحم" میرے پاس موجود ہے اس میں ایسی عبارت لکھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے کتاب دانیال کا علم حاصل کیا تھا۔ یہ یہود کے پاس تھی اس میں نبیؐ کی حکومت اور بنی تیم اور بنی عدی کے ایک ایک آدمی کی یکے بعد دیگرے خلافت کا اس میں ذکر تھا۔ اور یہ کہ یہ دونوں (خلیفوں) حضرت علیؓ سے پہلے ہوں گے۔ اس میں ان دونوں (خلیفوں) کے اوصاف بھی مذکور تھے جب ان دونوں نے رسول کریمؐ کی

وصيه على عليه السلام وصفتهما	صفت دیکھی اور اپنی صفات اپنے آپ
فلما رايا الصفة فى محمد فيهما	میں دیکھیں تو اسلام لے آئے اور حضورؐ کے
تبعاه واسلما معه طلبا للولاية	تابع ہو گئے اس خلافت کی طلب کے لیے
التى ذكرها دانيال (فصل الخطاب ص۱۲۶)	جس کا ذکر حضرت دانیال نے کیا تھا۔

اس عبارت میں رضی الدین نے تین خلفاء کا ذکر کیا ہے اور حضرت عثمانؓ کا ذکر نہیں۔ اسکی دو وجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ محرفین نے تحریف کر دی ہو دوم یہ کہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ بلوائیوں کی شرارتوں کا ذکر بھی ہو اس لیے سید جلیل نے اس حصے کو حذف کر دیا ہو۔ سید صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ کتب سماوی میں جہاں ذکر رسول اور ذکر اوصاف رسول تھا وہاں ذکر شیخین اور اوصاف شیخین بھی پایا جاتا ہے۔ آخر میں سید جلیل نے اپنے مخصوص مزاج کے مطابق شیخین کے اوصاف کو ان کے عیوب کی شکل دینے کی کوشش کی ہے کہ حکومت کے لالچ کی وجہ سے شیخین اسلام لائے مگر وہ یہ بھول گئے کہ ایسا احتمال تو حضرت علیؓ کے متعلق بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ان حضرات کو طمع تو ضرور تھا مگر حکومت کا نہیں بلکہ حق کے قبول کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا طمع تھا جیسا کہ قرآن مجید اہل حق کے متعلق بیان ہوا ہے وَمَا لَنَا اَنْ لَاْ نُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِيْنَ۔ وَقَالَ تَعَالیٰ فِی حَقِّ السَّاحِرِيْنَ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا اَنْ كُنَّا اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظمؓ کے ایمان لانے کی وجہ منجمین نے اپنے فن کے حساب سے معلوم کر لی اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حضرت ابو بکر کا ایمان تو از روئے وحی آسمانی تھا۔ علامہ باذل شیعہ نے ان دونوں حقیقتوں کو ان الفاظ میں بیان کیا (حملہ حیدری ص۱۷ ج ۱)

ابا بکر ازاں پس براہ پاگذاشت	کہ گفتار کاہن بدل یاد داشت
بار کاہن داوہ بود ایں خبر	کہ مبعوث گردد یکے نامور
ز بطحی زمین در ہمیں چند گاہ	بود خاتم انبیائے الٰہ

تو با خاتم انبیاء بگردی — چوں او بگذرد جانشینش شوی!
ز کاہن چو بو بکر بیاد ایں نوید — بیاورد ایمان نشانش چو دید
وزاں پس بتدریج چندے دگر — نبی را بصد جاں نہادند سر!

جوں ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کاہن کی بات سنی اسی وقت مکہ مکرمہ کا راستہ اختیار کیا۔ کیونکہ کاہن نے بتایا تھا کہ مکہ مکرمہ میں ایک نامور رسول مبعوث ہونے والا ہے۔

اسی چٹیل سرزمین میں خاتم الانبیاء تشریف لائیں گے۔ آپ ان کے ساتھ ایمان لائیں گے تو آپ ان کے جانشین ہوں گے۔ یہ خوشخبری آپ کو یاد تھی جب آپ نے رسولؐ خدا میں یہ اوصاف ونشانات دیکھے تو ایمان لائے۔ آپ کے ایمان لانے کے بعد بتدریج اور آدمی بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

اس مضمون کی روایات اہلِ سُنت کے ہاں بھی ملتی ہیں۔

عن کعب قال کان اسلام ابی بکرؓ الصدیق بسبب وحی من السماء و ذلک انه کان تاجرًا بالشام فرای رؤیا فقصها علی بحیرہ الراھب و قال له من این انت. قال من مکة قال من ایها؟ قال من قریش قال ما یعیش انت قال تاجر. قال صدق الله رؤیک فانه یبعث نبیًا من قومک تکون وزیره فی حیاته و خلیفته بعد موته فاسرها ابو بکر حتی بعث النبی صلی الله علیه و سلم فجاءه

کعب احبار سے روایت ہے کہ ابوبکرؓ کا اسلام وحی آسمانی سے ہوا۔ اور وہ یوں کہ وہ شام میں تجارت کی غرض سے گئے۔ انہوں نے خواب دیکھا بحیرہ راہب کو بتایا اس نے پوچھا تو کہاں سے آیا ہے کہا مکہ سے کہا کس قبیلہ سے ہو، کہا قریش سے۔ پوچھا کیا کام کرتے ہو، کہا تجارت۔ کہا اللہ نے تمہیں سچا خواب دکھایا ہے۔ تیری قوم میں ایک نبی مبعوث ہوگا۔ اس کی زندگی میں تو اس کا وزیر ہوگا اور اس کے بعد تو اس کا خلیفہ ہوگا۔ ابوبکرؓ نے اس راز کو دل میں رکھا۔ جب حضورؐ کی بعثت ہوئی ابوبکرؓ آپ کے پاس آئے

فقال یا محمد ما الدلیل علی ما تدعی؟
قال الرؤیا التی رأیت بالشام
فعانقه و قبل ما بین عینیه وقال
اشهد انک رسول اللہ (اخرجہ
ابن عساکر فی تاریخ دمشق)

اور کہا آپ کے دعوی کی دلیل کیا ہے؟
حضورؐ نے فرمایا وہ خواب جو تو نے شام
میں دیکھا پھر آپ نے معانقہ کیا ماتھا چوما
اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ
کے رسولؐ ہیں۔

علامہ بازل نے کاہن لکھا ہے اس روایت میں راہب کا لفظ ہے اگر کاہن تسلیم کر لیا جائے تو اس پیش گوئی کا ذریعہ علم نجوم ہوگا۔ اور اگر راہب سمجھا جائے تو اس کا ذریعہ کتب سماوی تسلیم کرنا پڑے گا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ صدیق اکبرؓ کے ایک اور سفر کا ہے۔ آپ علاقہ یمن میں تجارت کے لیے تشریف لے گئے وہاں قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو سابقہ کتب سماوی کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے آپ کو دیکھتے ہی کہا کیا تم مکہ کے ہو؟ فرمایا ہاں، کہنے لگے میرا خیال ہے تم قریشی ہو۔ فرمایا ہاں۔ میرا خیال ہے تم بنی تیم سے ہو۔ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہے اس نے کہا۔ ذرا دیکھوں تو تمہاری ناف پر کوئی نشان ہے، جب اس نے سیاہ نشان ناف پر دیکھا تو کہا تو واقعی وہی ہے کتب سابقہ میں یہ چار علامتیں درج تھیں۔ اس واقعہ کو ابن کثیر نے الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ الی آخرہ کی تفسیر کے تحت اس عالم کا ذکر کیا جس سے صدیق اکبرؓ کی ملاقات ہوئی۔

وقال فیم انتم؟ واخبرناہ۔
فذهب بنا الی منزله فساعة
ما دخلت نظرت الی صورة النبی
صلی اللہ علیه وسلم واذا رجل
اخذ بعقب النبیؐ قلت من
هذا الرجل القابض علی عقبه
قال انه لم یکن نبی الا کان

اور کہا تم یہاں کیسے آئے ہو ہم نے اسے
بتادیا اور پھر وہ ہمیں لے کر اپنے گھر میں
داخل ہو۔ جونہی میں داخل ہوا میں نے
نبی کریم کی تصویر دیکھی اور دیکھا کہ ایک
شخص آپ کی پیٹھ کو پکڑے ہوئے ہے
میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے جس نے پیٹھ کو
پکڑا ہوا ہے کہنے لگا کہ کوئی نبی ایسا نہیں

بعدہ نبیٌ الا ھذا النبیّ فانہ لا نبی بعدہ ۔ و ھٰذا خلیفۃ بعدہ و اذا صفت ابی بکرؓ ۔

گذرا جس کے بعد نبی نہ آیا ہو۔ سوائے اس نبیؐ کے کیونکہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور یہ شخص اس نبی کے بعد اس کا خلیفہ ہوگا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ ابوبکرؓ تھا۔

اس سلسلے میں صدیق اکبرؓ کا ایک خواب بھی کئی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر میرے سامنے اس وقت صرف سیرت کی کتاب ہے اس سے نقل کرتا ہوں۔

رائی القمر نزل الیٰ مکۃ فدخل فی کل بیت فلہ شعبۃ ثم کان جمیعہ فی حجرہ فقصھا علیٰ بعض اھل الکتاب فعبرھالہ بانہٗ یتبع النبی المنتظر الذی قد ظل زمانہ وانہٗ یکون اسعد الناس بہ

(سیرۃ حلبیہ ۱ : ۳۱۰)

حضرت ابوبکرؓ نے خواب دیکھا کہ چاند مکہ میں اتر آیا ہے اور ہر گھر میں ایک ٹکڑا پہنچ گیا ہے پھر تمام ٹکڑے جمع ہو کر ابوبکرؓ کی گود میں آ گئے ہیں آپ نے اپنا خواب بعض علماء اہلِ کتاب کے سامنے پیش کیا انہوں نے یہ تعبیر کی کہ تم اس نبی کے متبع ہو گے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اس کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ تم اس نبی سے سب سے زیادہ نفع اٹھاؤ گے اور نیک بخت ترین ہو گے۔

گویا صدیق اکبرؓ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی آپ کے منتظر تھے، اور دعویٰ نبوت سے پہلے ہی حضورؐ کی نبوت پہ ایمان رکھتے تھے۔ چنانچہ حضورؐ نے جونہی دعویٰ کیا آپ نے فوراً ایمان کا اظہار کر دیا۔ اس لیے انہیں نومسلم بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ نومسلم تو وہ ہے جس نے انکار کے بعد اقرار کیا ہو۔ صدیق اکبرؓ کا انکار ثابت ہی نہیں اس لیے انہیں نومسلم کہنا درست نہیں۔

اخرج ابو نعیم عن بعض الصحابۃ ان ابا بکرؓ اٰمن بالنبی قبل النبوۃ ای علم انہ النبی المنتظر۔

(سیرۃ حلبیہ ۱ : ۳۱۰)

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ۔

اسلام کو کھیتی سے مثال دی آغاز سے درجۂ کمال تک پہنچنے تک کھیتی مختلف مراحل سے گزرتی ہے اسلام بھی ابتدائے دعوت سے کمال تک پہنچنے میں مختلف مراحل سے گزرا۔ اس مثال میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) بیج بونے سے کھیتی کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر بیج پھوٹ کر باہر آتا ہے۔ پھر پتے اور شاخیں ہیں اور پودا اپنے تنے پر مضبوطی سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں پھل لگتا ہے۔

(۲) کھیتی کو پروان چڑھانے کے لیے مالک کو نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ بیماریوں کیڑوں مکوڑوں اور جانوروں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اس کی آبیاری کرتا ہے۔

(۳) کھیتی بتدریج اور علی الاتصال بڑھتی ہے یہ نہیں کہ پہلے پھل لگیں پھر پتے نکلیں اور شاخیں بنیں اور تنا نمودار ہو۔ یا یہ نہیں ہوتا کہ ان میں سے کوئی حصہ منقطع ہو جائے، بلکہ یہ سارا علی الاتصال ہوتا ہے۔

اسی طرح اسلام نے بھی بتدریج اور علی الاتصال ترقی کی۔ حضور اکرمؐ نے اسلام کی دعوت دے کر حق کا بیج بو دیا۔ مہاجرین و انصار نے اس کی حفاظت کی اپنے خون سے اسے سینچا۔ حضور اکرمؐ کے زمانہ میں اسلام مدینۂ منورہ اور مکۂ مکرمہ سے نکل کر عرب کے دوسرے قبائل تک پھیل گیا مگر جزیرہ عرب سے باہر قدم نہ رکھا۔ قیصر و کسریٰ کی دو جابر اور مستحکم سلطنتیں مسلمانوں کے سر پر بیٹھی تھیں اور اسلام کو مٹانے کے درپے تھیں۔ پھر حضور اکرمؐ کے تینوں جانشینوں نے یکے بعد دیگرے اسلام کی کھیتی کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اس کو کمال تک پہنچایا اور قیصر و کسریٰ کی قوت کو ختم کر کے اسلام کے دائرۂ اثر و اقتدار میں توسیع کی اور اسلام علی الاتصال ترقی کر کے کمال تک پہنچا۔ اس آیت سے چاروں خلافتیں موعودہ قرآن ثابت ہوئیں جس کی تورات اور انجیل نے بھی بشارت دی تھی

ولنعم ما قیل فازرہ اللہ
بمجاهدات الصحابة من
المهاجرين والانصار و

سقوا زرع الدین بدماءھم فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبعد وفاتہ لاسیما فی خلافۃ ابی بکر وعمر فاستوی علیٰ سوقہ وظھر علی الادیان کلہ اخرج شطأہ ابوبکرؓ فازرہ عمر فاستغلظ عثمان فاستویٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اگر ترقی اسلام کے سلسلہ میں اس ترتیب خلافت کو تسلیم نہ کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ترقی علی الاتصال نہیں ہوئی درمیان میں منقطع ہو گئی جو خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت ہے۔

اگر کسی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ صحابہ کے درمیان تو باہمی جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہا جمل اور صفین میں صحابہ ایک دوسرے سے متصادم ہوئے تو وہ رحماء بینھم کیسے ہوئے اور صلح حدیبیہ والوں کو ان اوصاف کا حامل کیونکر تسلیم کیا جائے۔

اس اعتراض کو درست تسلیم کیا جائے تو تاریخ اسلام سے وہ جماعت پیش کیجائے جو معیت رسول میں بھی ہو اور اس جماعت میں یہ دو وصف اشداء علی الکفار اور رحماء بینھم بھی پائے جائیں اگر صحابہ کی اس جماعت کے علاوہ کوئی اور جماعت نہیں پائی جاتی تو معاذاللہ قرآن کا یہ اعلان غلط ثابت ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے اس اعلان کی مصداق صحابہ کی جماعت ہے۔ کسی غلط فہمی کی بنا پر وقتی طور پر اچانک کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آجائے تو اس سے ملکہ راسخہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔

حضور اکرمؐ کے بعد حضورؐ کے پہلے جانشین کی سیرۃ اور اسلامی خدمات کی ذرا سی جھلک ملاحظہ ہو۔ علامہ سیوطی الحادی للفتاوی ۲ : ۳۹۱ میں لکھتے ہیں:

من رفض عبادۃ الاصنام فی الجاھلیۃ ابوبکر الصدیق زید	جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے متنفر تھے وہ صدیق اکبرؓ زید بن عمرو بن نفیل

بن عمرو بن نفیل، عبید اللہ
بن جحش، عثمان بن الحویرث
ورقہ بن نوفل، رباب بن البرا،
اسعد ابو کرب الحمیری قیس
بن ساعدہ الایادی، ابوقیس بن حرمہ۔

عبداللہ بن جحش عثمان بن الحویراث
ورقہ بن نوفل رباب بن البراء
اسعد یا کرب الحمیری، قیس بن ساعدہ
ایادی اور ابوقیس بن حرمہ تھے۔

گویا حضورؐ اکرم کے پہلے جانشین اور اسلام کے محافظ کی شخصی سیرۃ اور سلامت طبع کا یہ حال ہے کہ توحید کی دعوت سننے سے پہلے ہی بت پرستی کے خلاف تھے۔ بت پرستی کے مخالفین میں ان کا نام سرفہرست ہے۔ پھر یہ کہ عمر بھر شراب نہیں پی۔ پھر ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان کا اعلان ایمان بذریعہ وحی آسمانی ہوا۔

اب دیکھئے کہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حکومت سے کس قدر ذاتی مفاد حاصل کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صدیق اکبرؓ بہت بڑے تاجر اور بڑے دولت مند تھے۔ مگر حضورؐ اکرم کی محبت اور اسلام کی خاطر اپنا سارا مال قربان کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر حضورؐ اکرم نے پوچھا کہ ابوبکرؓ اپنے اہل و عیال کے لیے گھر میں کیا چھوڑ کر آئے ہو تو عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول۔ خوب کہا شاعرِ مشرق نے ؎

پروانوں کو چراغ عنادل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس!

چنانچہ خلافت کے پہلے روز کا حال یہ ہے کہ جانشین رسول خلیفۃ المسلمین دن بھر امورِ سلطنت میں مصروف رہ کر شام گھر آتا ہے تو رات کے کھانے کے لیے آٹا تک موجود نہیں بازار میں خلیفہ رسولؐ آواز دیتا ہے کہ کسی کو مزدور کی ضرورت ہو تو مزدور موجود ہے۔ لوگ باہر آکر دیکھتے ہیں تو خلیفہ رسولؐ آواز دیتا دکھائی دیتا ہے اندر چلے جاتے ہیں آخر ایک آدمی آتا ہے کہ میری بکری لنگڑی ہے اٹھا کر میرے گھر پہنچا دو۔ خلیفہ رسولؐ مزدوری کرتا ہے، ایک درہم ملتا ہے اور رات کے کھانے کا انتظام ہوتا ہے اس صورتحال کو دیکھ کر مہاجرین و انصار بیت المال سے وظیفہ مقرر کرتے ہیں مگر دیکھئے کہ وظیفہ کی مقدار کیا ہے۔

الاستغاثۃ فی بدع الثلاثہ از سید ابو القاسم کوفی صـ۲۲

لما استتب لہ الامر قطع لنفسہ اجرۃ علیٰ ذالک من بیت مال الصدقات فی کل یوم ثلاثۃ دراھم۔

جب آپ نے خلافت سنبھالی تو اپنے لیے بیت المال سے خود وظیفہ مقرر کیا جو تین درہم روزانہ تھا۔

خلیفۂ رسولؐ کا وظیفہ تین درہم یعنی بارہ آنے روز مقرر ہوتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اتنے وظیفہ سے خلیفۂ رسولؐ نے کتنی دنیا اکٹھی کی ہو گی۔ کتنی جائیداد بنائی ہو گی۔ کتنے محل تعمیر کیے ہوں گے۔ خلافت کا آغاز تو آپ نے دیکھ لیا اب ذرا اس جان نثار رسول اور جان نثار اسلام کے عہدِ خلافت کے اختتام کا نقشہ بھی دیکھ لیجئے۔

درۃ النجفیہ (شرح نہج البلاغۃ) ۱: ۳۰۸۔

ان ابا بکر مات ولم یخلف درھما ولا دینارا۔

ابوبکرؓ دنیا سے رخصت ہوئے تو ورثہ میں ایک دینار بلکہ ایک درہم بھی نہ چھوڑا۔

ہائے کتنے دلیر ہیں وہ لوگ جو یہ بات کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتے کہ یہ شخص حکومت کے لالچ کی وجہ سے اسلام لایا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

مرض وفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

۲۸ صفر المظفر سنہ ۱۱ھ کو حضور اکرمؐ بیمار ہوئے اسی مرض کو مرضِ وفات کہا جاتا ہے اس مرض میں حضور اکرمؐ نے دینی امور میں اپنی نیابت کے لیے اپنے سامنے جس شخص کا انتخاب کیا وہ صدیق اکبرؓ ہی تھے۔ جب نماز کا وقت آیا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا مروا ابابکرؓ ان یصلی بالناس ابوبکرؓ کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ مشہور یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ابوبکرؓ صدیق نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اکیس نمازیں پڑھائیں ان میں وہ نمازیں بھی شامل ہیں جن میں خود حضورؐ

شامل ہوئے جبکہ آپ کو قدرے افاقہ ہوا اور حضور اکرمؐ نے ابوبکرؓ صدیق کے بائیں پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اور جہاں تک صدیق اکبرؓ قرأت پڑھ چکے ہوتے وہیں سے آگے حضورؐ اکرم شروع کر دیتے اور حضور اکرمؐ امام بن جاتے اور ابوبکرؓ مقتدی۔ اور اس میں وہ نماز بھی شامل ہے جس میں ابوبکرؓ بدستور امام رہے اور حضور اکرمؐ نے ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ کے صفحہ ۲۳۴/ج-۵ پر یوں بیان کیا ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت صلی الله علیه و سلم خلف ابی بکر قاعدًا فی مرضه الذی مات فیه۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اس مرض کے دوران جس میں آپ کا وصال ہوا۔

ایسی ایک روایت اسی مذکورہ کتاب کے مذکورہ ص پر حضرت انسؓ بن مالک سے بھی مروی ہے اور سیرت حلبیہ ص ۳۸۷ ج-۳

ثبت انه صلی الله علیه وسلم صلی خلف ابی بکر مقتدیًا به فی مرضه الذی مات فیه ثلاث مرات ولا ینکر هذا الا جاهل لا علم له بالروایة۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسولؐ خدا نے مرضِ موت میں ابوبکر صدیق کے پیچھے مقتدی ہو کر تین نمازیں پڑھیں اس بات کا انکار صرف جاہل ہی کر سکتا ہے جس کو روایات کا علم نہ ہو۔

ایک اور روایت ملاحظہ ہو درۃ النجفیہ (شرح نہج البلاغۃ) مطبوعہ ایران ص ۲۲

ثم اشتد به المرض و کان عند خفة مرضه یصلی بالناس وقد اختلف فی صلوٰته بهم فالشیعة تزعم انه لم یصل بهم الا صلوٰة واحدة و هی صلوٰة التی خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم

پھر مرض شدت اختیار کر گیا۔ جب افاقہ ہوتا آپ خود نماز پڑھاتے جماعت کے ساتھ آپ کی نمازوں میں شیعہ کا اختلاف ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ آپ نے صرف ایک نماز پڑھی یہ وہی نماز تھی۔ جس کے لیے آپ حضرت علیؓ اور فضل کے سہارے

فیھا یتھادیٰ بین علیؓ والفضل فقام فی المحراب مقامہ وتاخر ابوبکر والصحیح عندی وھو الاکثر الاشھر انھا لم تکن اخر الصلوٰۃ فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناس جماعۃ وان ابابکر صلی بالناس بعد ذالک یومین ثم مات۔

گھر سے نکلے اور صدیق اکبرؓ کی جگہ محراب میں کھڑے ہوئے اور ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے اور یہی مشہور ہے کہ یہ آپ کی جماعت کے ساتھ آخری نماز نہیں تھی اور ابوبکرؓ نے اس کے بعد دو روز نماز کی امامت کی۔ پھر حضورؐ اکرم کا وصال ہو گیا۔

فوائد: اس حقیقت پر سب متفق ہیں کہ حضور اکرم کے حکم سے صدیق اکبر نے نمازیں پڑھائیں۔ پھر اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ (۱) نماز دین کا اہم رکن ہے۔ (۲) نبی دین کے معاملہ میں خود نہیں بولتا، بلکہ بحکم خدا بولتا ہے۔ کما قال تعالیٰ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔

لہٰذا صدیق اکبر کو رسول خدا نے بحکم خدا اپنا نائب بنایا اور اپنے سامنے تمام مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہوا دیکھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور تمام صحابہ کرامؓ نے ابوبکرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ اگر اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ جلیل القدر صحابہؓ نے خدا اور رسول کی نافرمانی کر کے عمداً جماعت سے تخلف کیا۔ بھلا جس شخص کو اللہ کا رسول اللہ کے حکم سے مسلمانوں کا امام مقرر کرے اور خود جماعت میں شریک ہو تو کوئی مسلمان اس امام کی امامت سے انکار کر کے مسلمان رہ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ حضرت علیؓ نے ان کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھیں تو ثبوت پیش کرے جو مسلم فریقین ہو۔ یہ امر فریقین کے نزدیک مسلم ہے کہ حضورؐ اکرم نے بحکم خدا صدیق اکبرؓ کو امام مقرر کیا اور خود ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اب اگر کوئی شخص حضورؐ کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے، تو اس نے خدا اور رسولؐ کی صریح نافرمانی کی اور جس کے پیچھے امام الانبیاءؐ نماز پڑھے اس کے پیچھے کوئی مسلمان نماز پڑھنے سے انکار کرے تو اس کا رسولؐ خدا سے

غلق کیا باقی رہ جاتا ہے اور صاحب درۃ النجفیہ نے صحیح اور مشہور مذہب یہی بتایا ہے۔ کہ وفاتِ رسول خدا تک ابو بکرؓ ہی امام رہے نہ کسی کو اختلاف ہوا نہ شکوہ اور نہ کسی نے معزول کیا اور نہ کر سکتا تھا۔ بھلا جسے رسول خدا بحکم خدا اپنا امام اور نائب مقرر کرے اسے کون معزول کر سکتا ہے اس کی امامت کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے جو خدا کو خدا نہ مانے اور رسولؐ کو اس کا رسول تسلیم نہ کرے۔ یہ بات کسی ہوش مند انسان کے تصوّر میں بھی نہیں آ سکتی کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو اپنا نائب اور امام بنانے کے لئے ایسے شخص کو مقرر کیا جس کے ایمان میں شُبہ ہو۔

اسلام میں قیادت کا مظاہرہ اور قیادت کی سند نماز میں امامت ہی تو ہے اسی وجہ سے ایک لاکھ اور کتنی ہزار انبیاء نے امام الانبیاء کو اپنا قائد تسلیم کرنے کا مظاہرہ اسطرح کیا کہ شبِ معراج مسجدِ اقصیٰ میں امام الانبیاء کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس لئے امام الانبیاء نے اپنے سامنے بحکم رب العالمین اپنا نائب اور مسلمانوں کا قائد مقرر کرنے کے لیے صدیق اکبرؓ سے نماز کی امامت کرائی بلکہ خود ان کے پیچھے نماز پڑھی فضیلت ابوبکرؓ کے لیے اب کسی اور دلیل کی بھی حاجت رہ جاتی ہے۔

پھر یہ ایک مسلّمہ عقیدہ ہے کہ امام سب سے زیادہ اعلم اور اتقی ہونا چاہیئے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہ میں سب مسلمانوں سے زیادہ عالم بالقرآن اور سب سے زیادہ متقی ابوبکرؓ ہی تھے۔ اسی لئے ان کو امام مقرر کیا گیا۔

سیرۃ حلبیہ میں ایک روایت یوں آئی ہے۔

و قال صلی اللہ علیہ و سلم فی مرضہ ذالک یوما لعبد اللہ بن زمعۃ مر الناس فلیصلوا ای صلوٰۃ الصبح و کان ابو بکرؓ غائبا فتقدم عبد اللہ عمرؓ یصلی بالناس فلما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلّم	حضور اکرمؐ نے اپنے اس مرض میں ایک روز عبد اللہ بن زمعہ سے فرمایا لوگوں سے کہو کہ نماز پڑھیں یعنی صبح کی نماز اور حضرت ابوبکرؓ موجود نہیں تھے۔ عبد اللہ نے حضرت عمرؓ کو آگے کھڑا کر دیا۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کی

صوتہ اخرج راسہ الشریف حتی اطلع للناس من حجرتہ ثم قال صلی اللہ علیہ وسلم لا لا لا ثلثہ مرات لیصلی بالناس ابن ابی قحافہ فانقضت الصفوف وانصرف عمر ای من الصلوٰۃ فمابرح القوم حتی طلع ابن ابی قحافہ فتقدم وصلی بالناس الصبح۔

آواز سُنی تو اپنا سر مبارک حجرہ سے باہر نکالا اور تین مرتبہ فرمایا نہیں، نہیں نماز ابن ابی قحافہ پڑھاتے۔ چنانچہ صفیں ٹوٹ گئیں حضرت عمرؓ پیچھے ہٹے استنے میں حضرت صدیق اکبرؓ آگئے آگے بڑھے اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔

ایسا کیوں نہ ہوتا جب اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ ابوبکرؓ نیابت کرے تو اللہ کا رسولؐ کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اللہ کے مقرر کردہ آدمی کی جگہ کوئی اور نائب بنے اس لیے عین نماز کی حالت میں رسولِ خدا نے تبدیلی کرائی۔

بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت عام ہوئی تو ایک لاکھ کئی ہزار صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی آواز نہ اٹھائی کہ غدیر اور قرطاس کے موقع پر جب پہلے بیعت ہو چکی ہے تو یہ نئی بیعت کیوں ہو رہی ہے صدیق اکبرؓ کے پاس وہ کون سی طاقت تھی جس سے مرعوب ہو کر تمام صحابہؓ نے معاذ اللہ منشائے رسولؐ کے خلاف صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی بات صرف یہی تھی کہ وہ صحابہ کرام مزاج شناس رسول تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ نمازیں صدیق اکبر نے بحکم خدا اور رسول، حضورؐ کی موجودگی میں پڑھائیں اور کوئی دوسرا پڑھانے لگا تو اسکو خود رسولؐ خدا نے ہٹا دیا۔ تو اس کے سوا اور کون جانشین رسول ہو سکتا ہے اور حضرت علیؓ تو سب سے بڑھ کر مزاج شناس رسولؐ تھے جبھی تو انہوں نے اپنے عہد میں مجمع عام میں ایک خطبہ کے دوران فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْنَا بِمَا اَصْلَحْتَ بِهِ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِیْنَ قِیْلَ فَمَنْ هُمْ قَالَ حَبِیْبَایَ وَعَمَّایَ

اے اللہ ہماری اصلاح اس ذریعہ سے فرما جس ذریعے سے خلفائے راشدین کی اصلاح فرمائی، پوچھا گیا

اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ اِمَامَا الْهُدٰی وَرَجُلَا قُرَیْشٍ وَالْمُقْتَدٰی بِهِمَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَشَیْخَا الْاِسْلَامِ مَنِ اقْتَدٰی بِهِمَا عُصِمَ وَمَنِ اتَّبَعَ آثَارَهُمَا هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (شافی۔ شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ ۲ : ۴۲۸)

وہ کون ہیں فرمایا وہ میرے محبوب میرے بزرگ ابوبکر اور عمر ہیں۔ یہ دونوں ہدایت کے امام اور قریش میں سے یہ دونوں کام کے مرد تھے۔ اور رسول خدا کے بعد یہ دونوں اتباع کے لائق یہ دونوں اسلام کے بزرگ ہیں جس نے ان کی پیروی کی گمراہی سے بچ گیا۔ جو ان کے نقش قدم پر چلا سیدھی راہ پا گیا۔

علم الہدیٰ نے یہ روایت اپنی کتاب شافی میں امام باقر اور امام جعفر صادق سے بیان کی ہے۔ روایت کی سند یوں درج ہے۔

وروی جعفر بن محمد عن ابیه ان رجلا جاء الی امیر المؤمنین علیه السّلام فقال سمعته یقول فی الخطبة انفا۔

امام جعفر اور امام باقر بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی امیر المومنین کے پاس آیا کہ میں نے ابھی ابھی آپ سے خطبہ میں یہ کہتے سُنا۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے اس خطبہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) حضرت علیؓ نے سب سے پہلے شیخین کو خلفائے راشدین کا لقب دیا اور ممبر پہ اس کا اعلان کر دیا۔

(۲) اپنی اور اپنی جماعت کے لیے اس طرح کی اصلاح کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کی جیسے شیخین کی اصلاح ہوئی۔

(۳) سب سے پہلے حضرت علیؓ نے ان دونوں بزرگوں کو شیخ الاسلام کا لقب دیا یعنی ان کے لئے شیخین کی اصطلاح کے موجد حضرت علیؓ ہیں۔

(۴) حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے شیخین کو اپنا حبیب اور اپنا امام فرمایا۔ جس کو حضرت علیؓ اپنا امام کہیں اس کی امامت سے انکار حضرت علیؓ کی مخالفت ہے۔

(۵) حضرت علیؓ نے اس حقیقت کا اعلان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقتدیٰ اور مہتدا یہی حضرات ہیں۔

(۶) حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ جو شخص شیخین کی پیروی کرے گا۔ گمراہی سے بچ جائیگا۔ اور جو شخص ان کی سُنت کی اتباع کرے گا۔ سیدھی راہ پائے گا۔

(۷) حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہٗ نے یہ خطبہ اس وقت دیا جب وہ خود اقتدار کے مالک تھے۔ اس لیے کسی دباؤ کے تحت ایسی بات کہنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے بھی یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ شیرِ خدا ہو اور غیر خدا سے ڈر کر کوئی خلافِ حقیقت بات زبان سے نکالے۔

(۸) ان حضراتؓ کو خلیفہ برحق تسلیم نہ کرنا یا ان کو غاصب کہنا حضرت علیؓ کی صریح مخالفت ہے۔

(۹) حضرت علیؓ نے شیخین کو مقتدیٰ فرمایا۔ اقتدا اور اطاعت میں فرق ہے اطاعت کا تعلق حکم ماننے تک ہے اور اقتدا دینی اُمور میں ہوتی ہے اور ہر حرکت و سکون میں پیروی ہوتی ہے اس لیے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو مقتدی کہتے ہیں کہ وہ تمام حرکات و سکنات میں امام کی پیروی کرتا ہے اسی لیے حضرت علیؓ نے ان کو مطاع نہیں فرمایا، بلکہ مقتدیٰ فرمایا۔

(۱۰) حضرت علیؓ نے جو کچھ فرمایا اپنے عمل سے خود بھی ایسا کر کے دکھاتے رہے جیسا کہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی ۲ : ۲۲۴ پر ہے۔

وکان علی علیہ السلام یصلی فی المسجد الصلوات الخمس فلما صلی قال ابو بکرؓ و عمرؓ کیف بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم	حضرت علیؓ پانچوں وقت نماز مسجد میں پڑھتے تھے۔ ایک روز جب نماز پڑھ چکے تو شیخین نے حضرت فاطمہؓ کی بیماری کے متعلق دریافت کیا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد شیخین نے حضرت علیؓ سے حضرت فاطمۃؓ الزہراء کی صحت کے متعلق دریافت کیا۔ یعنی حضرت علیؓ باقاعدگی سے پانچ وقت کی نماز باجماعت حضرت ابوبکرؓ

کی اقتدا میں مسجد نبویؐ میں پڑھا کرتے تھے۔

اس روایت میں بیان کرنے والا سلیم ہے جو پانچوں اماموں کا شاگرد ہے۔ حضرت علیؓ۔ حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ۔ حضرت زین العابدینؓ اور امام باقرؓ (اسی کتاب کا صفحہ ۴۰)

مشاہدہ:۔ میں نے علوم ظاہری سے فارغ ہو کر علوم باطنیہ کی طرف توجہ کی۔ منازل سلوک طے کرتے ہوئے جب دربار نبویؐ تک رسائی ہوئی تو ارادہ کیا کہ اب بقیہ عمر تخلیہ میں بیٹھ کر یاد الٰہی کروں گا۔ ایک روز سحر کے وقت اپنے معمول میں دربار نبوی میں حاضر ہوا۔ تو اچانک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ القائے روحانی میرے قلب پہ شروع ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا: "اسلام کا مکان پتھروں اور اینٹوں سے تیار نہیں ہوا اس میں میرے صحابہؓ کی ہڈیاں لگائی گئیں۔ پانی کی جگہ میرے صحابہ کا خون لگایا گیا۔ اور گارے کی جگہ میرے صحابہؓ کا گوشت لگایا گیا۔ اب لوگ اس مکان کو گرانے پر لگے ہوئے ہیں۔ میرے صحابہؓ کی توہین کی جا رہی ہے۔ اور جو شخص اس کے انسداد کی قدرت رکھتے ہوئے خاموشی سے بیٹھا ہے کل قیامت میں خدا کے سامنے کیا جواب دے گا۔ ایک صوفی عارف عالم کو ہمیشہ خدا پر بھروسہ اور توکل چاہیئے۔ جب تک خدا تعالیٰ نے اس کے وجود سے کام لینا ہے اس کو محفوظ رکھے گا۔ جب اس کی ڈیوٹی پوری ہو گی۔ اس کو بلا لے گا۔"

یہ واقعہ تقسیم ملک کے بعد پیش آیا۔ اس وقت سے میں نے اپنی استعداد کے مطابق دینی خدمت کا کام شروع کر دیا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

حضرت علیؓ کے دل میں شیخین کی جو عزت اور قدر ہے وہ ان کے مذکورہ خطبہ سے صاف ظاہر ہے۔ ایک اور روایت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

روی ابو جحیفه و محمد بن علی و عبد خیر، و سوید بن غفله و ابو حکیم و غیرهم و قد قیل اربعة عشر رجلا ان علیا علیه السلام قال فی خطبته خیر

ابو جحیفہ وغیرہ اور کہا گیا ہے۔ ۱۴ آدمی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے خطبۂ عام میں فرمایا کہ نبیؐ کے بعد اس امت کے افضل ترین آدمی ابو بکر اور عمر ہیں۔ بعض اخبار میں ہے کہ

هذه الامة بعد نبيها ابو بکرؓ و عمرو فی بعض الاخبار انه علیه السّلام خطب بذالك بعد انهی الیه ان رجلا تناول ابا بکرؓ و عمرؓ بالشتمة فدعابه و تقدم بعقوبته بعد ان شهدوا علیه بذالك ۔ شافی ۲: ۴۲۸

حضرت علیؓ نے یہ خطبہ اس وقت دیا جب انہیں اطلاع ملی کہ ایک آدمی نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بُرا بھلا کہا۔ پھر حضرت علیؓ نے اس آدمی کو طلب کیا اور شہادتیں لے کر اس کو سزا دی۔

اور اسی شافی میں ۱ : ۱۷۱ پر ہے ۔

خیر هذه الامة بعد نبیها ابو بکرؓ و عمرؓ و فی بعض بعض الاخبار و لو اشاء ان اسمی الثالث لفعلت ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نبی ؐ کے بعد اس امت کے بہترین آدمی ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں اگر میں چاہوں تو تیسرے آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں۔

یہ روایت حضرت علیؓ سے متواتر ہے۔ ان کے نزدیک اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ شیخین کو بُرا بھلا کہنا حضرت علیؓ کے نزدیک جرم قابل سزا ہے جیسا کہ آپ نے عمل سے کر دکھایا۔

اس کے بعد بھی صحابہؓ کے متعلق رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کے اعلان خداوندی میں کسی کو شک باقی رہ جاتا ہے تو یہ ایک لاعلاج مرض ہے۔

اللّٰھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدّنیا و عذاب الآخرة اللّٰھم یا مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك ۔

فضائل شیخین بزبانِ حق ترجمان آئمہ کرام علیہم الرضوان

جن حضرات کی حق شناسی، حق پرستی اور للہیت کی شہادت رب العالمین خود دے اور زبانِ رسالت سے اس اجمال کی تفصیل بھی سنا دی جائے تو مزید کسی شہادت کی ضرورت

باقی نہیں رہتی مگر یہ واضح کرنے کے لیے کہ اہلِ بیت نبوی کے دلوں میں ان مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے متعلق کس قدر عقیدت تھی۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ کرام رض کے ارشادات کا ذکر کر دیا جائے اور ان حضرات کی مستند کتابوں سے اقتباس پیش کئے جائیں جن کے نزدیک آئمہ کرامؒ کا ارشاد قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۔ احتجاج طبرسی میں یحییٰ بن اکثم کی روایت موجود ہے کہ امام باقر رض سے سوال کیا:

انہ نزل جبرائیل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قال یا محمد ان اللہ عزوجل یقرئک السلام و یقول لک سل ابا بکر رض هل هو راض عنی فانی عنہ راض فقال ابو جعفر لست بمنکر فضل ابی بکر رض۔

حضرت جبرائیل رسول خدا پر نازل ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں، اور فرمایا کہ ابوبکر رض صدیق سے دریافت کریں کہ کیا وہ ہم سے راضی ہے۔ میں تو اس پر راضی ہوں۔ پس امام باقر رض نے فرمایا کہ میں ابوبکر رض کے فضائل کا منکر نہیں ہوں۔

✣

وقال یحییٰ روی ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر رض فقال علیہ السلام ابی جعفر لست بمنکر فضل عمر رض ولکن ابا بکر رض افضل من عمر رض

(احتجاج طبرسی ص۲۳۹)

یحییٰ کہتا ہے کہ امام صاحب سے یہ بیان کیا گیا کہ سکینہ حضرت فاروق رض کی زبان پر بولتی ہے تو امام باقر نے فرمایا کہ میں عمر رض کے فضائل کا منکر نہیں ہوں۔ ہاں ابوبکر رض صدیق ان سے افضل ہیں۔

۲۔ تفسیر قمی میں زیر آیت غار یہ روایت درج ہے:۔

فانہ حدثنی ابی عن بعض رجالہ رفعہٗ الی ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الغار قال لابی بکر رض کانی انظر الی الانصار محتبیتن۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے تو آپ نے ابوبکر رض سے فرمایا گویا کہ میں جعفر اور اس کے ساتھیوں کی کشتی دیکھ رہا ہوں جو دریا میں کھڑی ہے اور انصار کو دیکھ رہا ہوں۔ جو اپنے صحنوں

فی اذنیتهم فقال ابو بکرؓ ستراهم یا رسول الله صلی الله علیه وسلم قال نعم قال فاریتهم فمسح علیٰ عینیه فنراهم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انت الصدیق

(تفسیر قمی مطبوعہ طہران ۴ : ۱۵۷)

میں خوشیاں منا رہے ہیں۔ تو ابو بکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں صدیقؓ نے عرض کی کہ حضورؐ مجھے بھی دکھایئے حضورؐ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ دیکھنے لگے تو حضورؐ نے فرمایا، تو صدیقؓ ہے۔

جو شخص بزعم خویش محبان اہلِ بیت کے نزدیک سب سے زیادہ مطعون ہے اسی کے متعلق ائمہ اہل بیت شہادت دے رہے ہیں کہ بارگاہِ رسالت سے اسے صدیقؓ کے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم صدیقؓ کا خطاب دیں اور اہل بیت اس کی شہادت دیں مگر محبانِ اہل بیت اس پر طعن کریں تو اسے کیا کہیے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدیق اکبرؓ کو علی مرتضیٰؓ پر فضیلت حاصل ہے۔ وہ یوں کہ غزوۂ خیبر میں حضرت علیؓ کو ایک جسمانی وصف شجاعت کی وجہ سے نبی کریمؐ نے حیدر کرار کے لقب سے نوازا اور رفیق خاص ابو بکرؓ کو ایک روحانی وصف کمال صدق و دیانت کی وجہ سے صدیق کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ اور آیت قرآنی کی رُو سے نبی کے بعد سب سے افضل مقام صدیق کا ہے۔

غزوۂ خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ کی دکھتی ہوئی آنکھوں پر دستِ مبارک پھیرا تو آشوب چشم دُور ہُوا اور بصارت دُرست ہو گئی اور غار میں صدیقؓ اکبر کی مادّی آنکھوں پر دست مبارک پھیرا اور روشن ضمیر بنا دیا، بصارت اور بصیرت میں جو فرق ہے وہی فرق حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی شان میں ہے۔ مگر دل کا اندھا اس فرق کو کیونکر سمجھے۔

قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے فرمایا:

ما سبقکم ابو بکر بصوم الصلوٰۃ و لکن بشیٔ وقر فی قلبه (مجالس المؤمنین مجلس سوم ۸۹)

ابو بکر کو نماز روزہ کی وجہ سے تم پر فضیلت حاصل نہیں بلکہ ایک چیز ہے جو اس کے قلب میں مرکوز کر دی ہے

یہ وہی بصیرت ہے جس کا ذکر تفسیر قمی کی روایت میں کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ابوبکرؓ صدیق بن گئے اور امت میں سب سے افضل ٹھہرے۔

۲۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ سے ایک طویل بیان کے کچھ اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

ان اللہ اوحی الیہ یا محمد ان العلی الاعلی یقرأ علیک السلام و یقول لک ان ابا جہل والملاء من قریش قد دبروا علیک یریدون قتلک .. .. .. وامرک ان تستصحب ابا بکرؓ فانہ ان انسک وساعدک ووازرک و ثبت علی ما یعاہدک و یعاقدک کان فی الجنۃ من رفقائک و فی غرفاتہا من خلصائک .. .. .. ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لابی بکرؓ ارضیت ان تکون معی یا ابا بکر تطلب کما اطلب و تعرف بانک انت الذی تحملنی علی ما ادعیہ فتحمل عنی انواع العذاب قال ابوبکرؓ یا رسول اللہ اما انا لو عشت عمر الدنیا اعذب فی جمیعہا اشد عذاب لا ینزل علی موت مریح ولا فرج منیح وکان ذلک فی محبتک لکان ذلک احب الی من ان اتنعم فیہا وانا مالک لجمیع ممالک ملوکہا فی

حضرت جبرائیلؑ بحکم خدا نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لائے کہ اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ابوجہل اور قریش کی جماعت آپ کے قتل کا مصمم ارادہ کر چکی ہے لہذا آپ کو چاہیئے کہ ابوبکرؓ کو اپنا رفیق سفر بنائیں اگر وہ آپ کی موانست کریں گے اور عہد پر قائم رہیں گے تو جنت میں بلکہ اعلیٰ طبقہ علیین میں آپ کے رفیق ہوں گے۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تم میرے ساتھ ہی رہو اور میری طرح کفار قریش تیرے قتل کے درپے بھی ہوں اور یہ بھی مشہور ہو جائے کہ تم ہی نے مجھے دعوائے نبوت پہ آمادہ کیا ہے اور میری رفاقت کے سبب تم طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہو، ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں وہ ہوں کہ آپ کی محبت میں مجھے سخت ترین مصائب اور بلیات میں مبتلا کیا جائے، نہ موت آئے نہ رہائی کی

مخالفتك و هل انا و مالی و ولدی و اهلی الا فداءك فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم لا جرم ان اطلع علی الله علی قلبك و وجد ما فیه موافقا لما جری علی لسانك جعلك منی بمنزلة السمع و البصر والرأس بمنزلة الروح من البدن۔

(تفسیر امام حسن عسکری مطبوعہ جعفری ص ۱۸۹)

کوئی صورت پیدا ہو تب بھی مجھے حضورؐ کی معیت زیاد[ہ] پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ آپ کو چھوڑ کر میں دُنیا میں خوشحال رہوں اور سلاطین عالم کی حکومتوں کا مالک بن جاؤں میری جان و مال اور اہل و عیال آپ پر فدا ہوں، یہ سن کر حضورؐ اکرم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تیری زبان و قلب کو موافق پایا تو یقیناً تمہیں میرے ساتھ وہ تعلق ہوگا جو کان آنکھ اور سر کو جسم سے ہے اور میرے ساتھ وہ نسبت ہوگی، جو رُوح کو بدن سے ہے۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے حضورؐ سے جو عہد کیا تھا وہ عمل سے پُورا کر دکھایا اور وفا کا صرف حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ وفا کی مثال قائم کر دی اور حضورؐ کی محبت میں گھر بار جان و مال اور اہل و عیال سب کچھ قربان کر دیا۔

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا مُلا باقر مجلسی نے ان روایات کے ترجمہ کرنے میں ناانصافی کی انتہا کر دی ہے۔ مگر پھر بھی یہ الفاظ ان کے قلم سے نکل ہی گئے۔

ترا امر کردہ است کہ ابوبکر راہ ہمراہ خود ببری

کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ابوبکرؓ کو اپنا رفیق سفر بنایئے۔

(حیاۃ القلوب ۲ : ۳۱۰)

علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی مقبول تفسیر "خلاصۃ المنہج" میں لکھتے ہیں کہ :

"پس پیغمبر شب پنجشنبہ در شہر مکہ امیرالمومنین علی را در جائے خود بخوابانید و برفاقت ابوبکرؓ بیروں آمدہ در ہماں شب بداں غار متوجہ شد"

جب شیخ عبدالجلیل قزوینی شیعہ عالم کے ایک ہمعصر سنی عالم نے ان پر اعتراض کیا کہ ابوبکرؓ کی رفاقت کی وجہ جو تم لوگ بیان کرتے ہو وہ تو بالکل بے تکی معلوم ہوتی ہے تو شیخ عبدالجلیل نے جو جواب دیا قاضی نوراللہ شوستری نے یوں بیان کیا ہے :-

"جناب شیخ درجواب نوشتہ کہ ایں کلمات نہ مذہب علمائے شیعہ است بلکہ عوام داوباش بطریق استہزاء گوینداگر رسولؐ شب غار ازابوبکر ترسید و ازعمر وعثمان ہم می ترسید پس بایستے کہ ہر سہ را باخود بردے پس چنانکہ پیغمبرؐ پنہانے دیگراں می رفت پنہانے ابوبکر نیز می رفت وہمہ حال رفتن و بردن ابوبکر بے حکم خدا نباشد"

ائمہ کرام کے ارشادات اور مجتہدین شیعہ کے اقرار کے بعد اب اس حقیقت کے انکار کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہجرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدیق اکبرؓ کی رفاقت ومعیت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے طور پر عمل میں آئی مگر یہ رفاقت نہ عارضی تھی نہ وقتی بلکہ ہر حال میں قائم رہی اور ابدی تھی۔

قریش نے تین سال تک حضورؐ اکرم سے بائیکاٹ کئے رکھا اور آپ شعب ابی طالب میں محصور رہے ان ایام مصیبت میں بھی صدیق اکبرؓ حضورؐ کے ساتھ تھے۔ اس ابتلا کے خاتمے پر ابوطالب کے جو اشعار نقل کئے گئے ہیں ان سے یہ حقیقت واضح ہے۔

قضوا ما قضوا فی لیلھم	انہوں نے رات کو جو فیصلہ کیا سو کیا پھر صبح
ثم صبحوا علی سھل و سائر الناس	ہوئی اور تمام آدمی ابھی سو رہے تھے انہوں
رقد واو ھم رجعوا سھل بن بیضاء	نے سہل بن بیضا کو راضی کر کے لوٹایا اور اس
راضیا۔ وسرابو بکرؓ بھا و محمدؐ۔	سے ابوبکرؓ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
(ناسخ التواریخ ۲ : ۶۲۲)	وسلم راضی ہوئے۔

غزوۂ بدر میں صدیق اکبرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہی نہیں تھے مشیر بھی تھے۔

ابوبکر نزد نبی داشت جا	بگفت اے بحق خلق را رہنما
درآمد بتنگی سپاہِ ضلال	چہ فرمائی اکنوں برائے قتال

(حملۂ حیدری ۱ : ۸۳)

اسی کتاب میں عروہ سے مکالمہ کے سلسلے میں صدیق اکبرؓ کے جوش حمیت اور محبت

رسولؐ کا اظہار کیا گیا ہے اس کا عنوان ہے " آمدن عروہ بخدمت خیر البشر و استفسار نمودن از مکنون خاطر اطہر و معارضہ نمودن ابوبکرؓ صدیق "

عروہ کی بات سن کر ابوبکرؓ کی کیفیت کا اظہار یوں کیا گیا ہے۔

ع بر آشفت صدیق ازاں گفتگو

اس بر آشفتگی پر عروہ کا ردّ عمل یہ بیان ہوا ہے۔

بپرسید کیں مرد پر شور کیست کدام است او را نسب نام چیست

جواب ملا:۔ چنیں گفت با عروہ آں مرد دیں کہ باشد ابوبکر صدیق ایں۔

(حملہ حیدری ۲ : ۲۱۱)

پھر حدیبیہ میں صدیق اکبرؓ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا صاحب حملہ حیدری نے یوں بیان کیا ہے۔

عنوان " مناظرہ حضرت فاروق با حضرت صدیقؓ " ایک شعر ہے۔

از دہم بدانگونہ پاسخ شنید کہ سابق ز صدیق شنیدہ بود

(حملہ حیدری ۱ : ۲۲۲)

ان روایات میں اس امر کا کھلا اقرار ہے کہ ہجرت کے علاوہ غزوات میں مصائب و بلیات میں اہم معاملات میں صدیق اکبرؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور رفاقت حاصل رہی اور اس دُنیا سے چلے جانے کے بعد بھی حضورؐ کی رفاقت نصیب ہوئی اور بعث بعد الموت بھی رفاقت اور معیت نصیب ہوگی۔

متذکرہ بالا روایات اور حملہ حیدری میں دوسرے متعدد مقامات پر شیخین کا ذکر صدیق اور فاروق کے الفاظ سے کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان حضرات کو ان ہی القاب سے پکارا جاتا تھا، اخیار کے زمانہ میں بھی یہی معمول رہا اور خود متقدمین شیعہ علماء کے ہاں بھی یہی عمل رہا۔ بعد والوں نے جب اپنے مذہب کو مسخ کیا تو یہ القاب بھی اپنے لٹریچر سے غائب کر دئے۔

۴۔ صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے متعلق شیعہ کی تفسیر مجمع البیان میں یوں ذکر کیا گیا ہے:۔

قال تعالیٰ والذی جاء
بالصدق وصدق به واولٰئک
ھم المتقون قیل والذی
جاء بالصدق رسول اللہ ؐ
وصدق به ابو بکرؓ ۔

آئمہ اہل بیت نے شیخین کی فضیلت ہی بیان نہیں فرمائی بلکہ ان کے عمل کو دین میں حجت کا مقام دیا ہے اور ان لوگوں کو گمراہ قرار دیا ہے جو شیخین کے مقام نہیں پہچانتے یا ان پر طعن کرتے ہیں۔

۵۔ "کشف الغمہ" شیعہ کے ہاں نہایت معتبر اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ مولوی حامد حسین لکھنوی اپنی کتاب استقصاء الافہام میں کشف الغمہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"آنچہ در کشف الغمہ مذکور است آنرا اہل الحق مقبول میسازند و بر انکار آں نمی پردازند"

اس کتاب میں ایک روایت مذکور ہے۔

حدثنا یونس بن بکر عن ابی عبد اللہ الجعفی عن عروۃ بن عبد اللہ قال سألت ابا جعفر محمد بن علی عن حلیۃ السیف فقال لا باس به قد حلی ابو بکرؓ ن الصدیق رضی اللہ عنہ قبضۃ سیفه قال قلت اتقول الصدیق؟ قال فوثب الامام وثبۃ واستقبل القبلۃ ثم قال نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل له الصدیق فلا صدق اللہ له قولاً فی الدنیا والاخرۃ۔

کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؒ سے سوال کیا کہ تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوانا جائز ہے کیا؟ فرمایا کہ ہاں اس لئے کہ ابو بکر صدیقؓ نے اپنی تلوار پر چاندی کا قبضہ لگوایا تھا، راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ اے امام! آپ بھی ابو بکر صدیق فرماتے ہیں یہ سنتے ہی امام اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور قبلہ کی طرف رُخ کیا اور فرمایا ہاں وہ صدیق ہے ہاں وہ صدیق ہے اور جو شخص اسے صدیق نہ کہے اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق دنیا اور آخرت میں نہ کرے۔

(کشف الغمہ صہ ۱۸۵)

اس روایت سے کئی امور واضح ہو گئے ۔

(۱) امام باقرؓ نے جائز و ناجائز سے متعلق ایک دینی مسئلہ میں صدیق اکبرؓ کے فعل کو حجت اور دلیل قرار دیا ۔

(۲) نادان لوگوں نے غلط عقائد خود گھڑ لیے اور اپنے آپ پہ قیاس کرکے آئمہ اہل بیت کو ایسا ہی سمجھا گیا ۔

(۳) جب آئمہ کی طرف سے ان کے من گھڑت عقائد کے خلاف شیدائیان رسول ؐ کی عظمت کا اظہار ہوا تو اپنی اصلاح کرنے کی بجائے آئمہ کی بات پر تعجب ہونے لگا ۔

(۴) آئمہ اہل بیت نے جب دیکھا کہ کوئی شخص صدیق اکبرؓ جیسے عظیم صحابی کی عظمت میں کوئی کمی کرتا ہے تو اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے ۔

(۵) امام نے صدیق اکبرؓ کی عظمت کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ اعلان کیا اور تکرار سے اعلان کیا ۔

(۶) صدیق اکبرؓ کی شان میں کمی کرنے والے کے لیے بد دعا کی کہ اس کی دنیا اور آخرت برباد ہو، گویا ایسے شخص کی دنیا اور آخرت کی تباہی کی اطلاع دے دی ۔

(۷) اہل بیت کو ہادی اور رہبر سمجھنے والوں کے لیے درس عبرت ہے ۔

۶ ۔ عن جابر قال قال لی محمد بن علی یا جابر بلغنی ان قوما بالعراق یزعمون انہم یحبوننا و یتناولون ابابکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما و یزعمون انی امرتہم بذلک فابلغہم انی الی اللہ منہم بریٔ والذی نفس محمد بیدہ لو ولیت لتقربت الی اللہ تعالیٰ بدمائہم لا نالتنی شفاعۃ محمد ان لم اکن استغفر لہما واترحم

جابر کا بیان ہے کہ مجھے امام باقر زین العابدین نے کہا کہ اے جابر مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ عراق میں ایک قوم ہے ان کا گمان ہے کہ وہ ہمیں دوست رکھتے ہیں اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروقؓ کو برا بھلا کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں شیخین کی برا بھلا کہنے کو کہا ہے انہیں میرا پیغام پہنچا دینا کہ میں ان سے پناہ طلب کرتا ہوں اور میں ان سے بری ہوں میرا ان سے کوئی تعلق نہیں اور قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں والی بنایا جاتا تو ان کے قتل کرنے سے اللہ کا

علیہما ان اعداء اللہ لغافلون عنہما۔

(حلیة ص ۱۸۵)

تقرب حاصل کرتا، مجھے نبی کریمؐ کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں ان دونوں (شیخین) کیلئے استغفار نہ کروں یقیناً یہ اللہ کے دشمن شیخین کی شان سے غافل ہیں۔

۷۔ عن جابر الجعفی قال قال لی ابو جعفر محمد بن علی لما ودعتہ ابلغ اھل الکوفة انی بریٔ ممن تبریٔ من ابی بکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما وارضاھما۔

(حلیة ص ۱۸۵)

جابر جعفی کہتا ہے کہ جب میں امام باقرؒ سے الوداع کہہ کے کوفہ آنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اہل کوفہ کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ میں اس شخص سے بیزار ہوں جو ابوبکر صدیق اور عمر فاروقؓ سے بیزار ہے۔

۸۔ عن ابی جعفر محمد بن علی قال من لم یعرف فضل ابی بکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما فقد جھل السنة (حلیة ۱۸۵)

امام باقرؒ نے فرمایا کہ جو شخص ابوبکر صدیق اور عمر فاروقؓ کی فضیلت کو نہیں پہچانتا وہ سنت رسولؐ سے جاہل ہے۔

⁂

۹۔ عن ابی سلیمان قال سألت ابا جعفر محمد بن علی عن قولہ تعالیٰ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰة و یؤتون الزکوٰة وھم راکعون قال اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم قلت یقولون ھو علیؓ قال علیؓ منھم۔

(حلیة ۱۸۵)

ابو سلیمان کہتا ہے میں نے امام محمد باقرؒ سے آیت انما ولیکم اللہ الخ کی تفسیر پوچھی تو امام نے فرمایا کہ اس سے مراد اصحاب رسولؐ ہیں میں نے کہا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت علیؓ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا کہ علی ان مومنوں میں داخل ہیں۔

⁂

متذکرہ بالا چار روایات سے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) امام باقرؒ نے ان لوگوں کو خدا کا دشمن قرار دیا جو فضیلت شیخین کے منکر ہیں۔

(۲) امام باقرؒ نے ان لوگوں کے اس دعوے کی تردید کی کہ امام باقرؒ شیخین رضؓ سے برأت کا حکم دیتے ہیں۔

(۳) امام باقرؒ نے منکرین فضیلت شیخین رضؓ کے مرکز کوفہ میں اہتمام سے پیغام بھیجا کہ میں ان لوگوں سے بیزار ہوں جو شیخین رضؓ کی فضیلت سے انکار کرتے ہیں۔

(۴) امام باقرؒ نے وضاحت فرمادی کہ جو شیخین کی فضیلت کا منکر ہے وہ دراصل سُنتِ رسولؐ کا منکر ہے۔

(۵) امام نے آیت قرآنی کی تفسیر کے سلسلے میں شیعہ کی غلط تعبیر اور غلط تاویل کی اصلاح فرمادی اور واضح فرمادیا کہ ولیکم اللہ سے مراد صرف حضرت علیؓ نہیں بلکہ صحابہؓ کی جماعت ہے جس میں سرِ فہرست شیخین رضؓ کا نام آتا ہے۔

۱۰ - عن فرات بن السائب قال سألت میمون بن مهران قلت علیّ افضل عندك ام ابی بکر و عمر فارتعد حتی سقطت عصاه من یده ثم قال ماکنت اظن ان ابقی الی زمان یعدل بینهما ذرهما کانا راسی الاسلام و راسی الجماعت فقلت فابی بکر کان اول اسلاما او علیّ قال و اللہ لقد امن ابوبکر بالنبی صلی اللہ علیه و سلم زمن بحیرہ الراهب حین مر به

(حلیة ۴ : ۹۳)

فرات بن سائب کہتے ہیں میں نے میمون بن مہران سے سوال کیا اور کہا کہ آپ کے نزدیک حضرت علیؓ افضل ہیں یا ابوبکرؓ اور عمرؓ آپ کانپ اٹھے اور آپ کے ہاتھ سے لاٹھی گر پڑی پھر فرمایا مجھے یہ گمان نہ تھا کہ میں اس زمانے تک زندہ رہوں گا۔ جس میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ کسی کو برابر سمجھا جائے گا، ان دونوں کی کیا پوچھتے ہو یہ دونوں اسلام کے اور جماعت کے سردار تھے پھر میں نے پوچھا کیا ابوبکرؓ پہلے اسلام لائے تھے یا حضرت علیؓ۔

فرمایا کہ اللہ کی قسم ابوبکرؓ تو بحیرہ راہب کے زمانے میں ایمان لائے تھے جب

ان کا گزر اس کے پاس ہوا"۔

حملہ حیدری جلد اوّل میں اس روایت کی تصدیق کی گئی ہے، ہاں وہاں بحیرہ کو راہب کی بجائے کاہن کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، پورا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

۱۱۔ عن علی بن الحسین قال اتانی نفر من اهل العراق فقالوا فی ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ رضی الله عنهم فلما فرغوا قال لهم علی بن الحسین الا تخبرونی انتم المهاجرون الاولون الذی اخرجوا من دیارهم و اموالهم یتبغون فضلا من الله و رضوانا و ینصرون الله و رسوله اولئك هم الصادقون۔

امام زین العابدین سے روایت ہے کہ میرے پاس عراق کی ایک شیعہ جماعت آئی اور اصحاب ثلاثہ کے حق میں ناروا الفاظ کہے، جب کہہ چکے تو امام زین العابدینؓ نے ان سے کہا کیا تم مہاجرین اولین سے ہو جن کے اوصاف قرآن نے یہ بیان کئے ہیں۔

قالوا، لا۔ قال فانتم الذین تبوؤا الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا و یؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة و من یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون، قالوا، لا۔ قال اما انتم فقد تبرأتم ان تکونوا من احد هذین الفریقین ثم قال اشهد انکم لستم من الذین قال الله عز و جل والذین جاءو امن بعدهم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین

جواب میں عراقیوں نے کہا کہ ہم ان مہاجرین میں سے تو نہیں ہیں۔ امام نے کہا تو کیا تم ان انصار میں سے ہو جن کے متعلق قرآن نے یہ فرمایا ۔۔۔۔

انہوں نے کہا کہ ہم ان انصار میں سے بھی نہیں ہیں۔ پھر امام نے فرمایا کہ تم نے اقرار کر لیا ہے کہ تم ان دو جماعتوں یعنی مہاجرین اور انصار سے تعلق نہیں رکھتے ہو پھر فرمایا کہ میں سنا دیتا ہوں کہ تم بعد میں آنے والے مسلمانوں میں سے بھی

سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک غفور رحیم ...... اخرجوا فعل اللہ بکم ۔ (حلیۃ ۳ : ۱۳۷)	نہیں ہو جن کے متعلق قرآن نے یہ فرمایا .. .. .. اس لیے میرے پاس سے نکل جاو، خدا تمہیں غارت کرے ۔

امام زین العابدین نے قرآن مجید کی تین آیتیں پیش کر کے عراقی شیعہ جماعت پر واضح کر دیا ۔ مسلمانوں کی صرف تین ہی جماعتیں ہو سکتی ہیں ، اوّل مہاجرین جنہوں نے اللہ اور رسولؐ کی محبت میں اپنا وطن چھوڑا دوم انصار جنہوں نے ان بے وطن مہاجرین کو اپنے ہاں یوں بسایا جیسے گھر کے افراد ہیں ۔ سوم بعد میں آنے والے جنہوں نے مہاجرین اور انصار کا اتباع کیا ان کے نقوش قدم پر چلے ۔ اور مہاجرین و انصار کے حق میں دعا کریں اور دلوں میں ان کے متعلق کوئی میل اور کھوٹ نہ رکھیں ۔

اب جو شخص اہل بیت سے محبت یا اتباع کے تعلق کا مدعی ہو اسے اپنے متعلق سوچ لینا چاہیئے کہ ان تین جماعتوں میں کہیں اس کا مقام ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو لازماً وہ امام کے ارشاد کے مطابق اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جسے امام نے اپنی مجلس سے دھتکار کر نکال دیا ۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

باب نہم

آیت غار

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ
اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔

"اگر تم نے رسولؐ کی امداد نہیں کی تو کیا اللہ تعالیٰ خود اس کی امداد کر چکا ہے جب کفار نے انہیں گھر سے نکالا تھا، تو وہ دو میں سے دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب رسولِ خداؐ اپنے دوست کو فرما رہے تھے کہ غم مت کر محقق بات ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس پر سکینہ نازل فرمائی اور اس کی امداد ایسے لشکر سے فرمائی جسے تم نہیں دیکھ رہے تھے"

نصرت الٰہی کی حیثیت اور صورت :۔ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے وھو ھذا

رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا۔

"خدایا مجھے اچھے طریقے سے داخل کریں اور اچھے طریقے سے نکالیں۔ اور اپنی طرف سے مجھے غالب مددگار عنایت فرمادیں"

یعنی رسولِ کریمؐ نے اپنے رب سے سلطاناً نصیراً کی درخواست کی تھی۔ جس کے ساتھ من لدنک کا وصف بڑھا دیا۔ کہ مددگار غالب بھی ہو اور تیرا مقرر کردہ ہو۔
آیت غار میں جس مددگار کا ذکر ہے اس کی حیثیت تو معلوم ہو گئی کہ غالب بھی تھا

اور رب العالمین نے اپنی طرف سے مقرر فرمایا تھا مگر وہ کون تھا؟
شیعہ تفسیر مجمع البیان ابو علی طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

انہ کان ہو و ابو بکر اذ ہما فی الغار و لیس معہما ثالث ای ہو احد اثنین و معناہ فقد نصرہ اللہ منفرداً من کل شیئ الا من ابی بکر۔

مراد یہ ہے کہ ایک تو رسول خدا تھے دوسرے ابو بکر تھے جب وہ دونوں غار میں تھے تیسرا کوئی نہیں تھا۔ معنی یہ ہے کہ اللہ نے رسولِ خدا کی امداد کی ہر شے سے منفرداً سوائے ابو بکرؓ صدیق کے۔

معلوم ہوا کہ جس سلطاناً نصیراً کی رسول خدا نے دعا کی وہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کی صورت میں رسولِ خدا کے لیے منتخب فرمایا۔

آیت کے الفاظ سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہوتی ہے یعنی اذ اخرجہ کی ضمیر سے ثانی اثنین حال واقع ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت محمد رسول اللہ غار کی طرف روانہ ہوئے، تو ابو بکرؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ یعنی گھر سے نکلتے وقت وہ ثانی اثنین تھے۔

شیعہ مفسر علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"پس پیغمبر شب پنجشنبہ در شہر مکہ امیر المومنین علی را در جائے خود بخوابانید و خود از خانۂ ابو بکر و برفاقت ابو بکر بیرون آمدہ درہماں شب بداں غار متوجہ شد"

اور شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب حیات القلوب ۲ : ۳۱۰ پر لکھا ہے
"ترا امر کردہ است کہ ابو بکر را ہمراہ خود بری"

یعنی رسول کریم کو جبرائیلؑ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ابو بکر کو ہمراہ لے کر چلیں۔

بات تو صاف ہے کہ رسولِ کریمؐ کو بذریعہ وحی حکم ہوا کہ ابو بکر صدیق کو ساتھ لے

چلیں۔ یعنی ابوبکرؓ بحکم الٰہی اس مہم میں حضور اکرمؐ کی مدد کے لیے منتخب ہوئے اور حضورؐ نے دعا کی تھی سلطاناً نصیراً کی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ابوبکرؓ سلطاناً نصیراً قرار پائے۔ مگر یہاں ملا باقر مجلسی کے ایک بیان سے بات کچھ پیچیدہ ہو گئی ہے۔ ملا صاحب اسی کتاب کے ا: ۱۷۵ پر لکھتے ہیں کہ

"ابوبکر و عمر مسلمان ہیں فاسق ہیں۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری خدائی میں اپنے آخری نبیؐ کی مدد کے لیے ایک فاسق ہی ملا تھا؟ اور نبی آخر الزماں نے ۱۳ برس کی مسلسل جد و جہد سے ایک مسلمان بھی ایسا تیار نہیں کیا تھا جس پر اس آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ کی نگہ انتخاب پڑتی؟

کاش کوئی دانشور اس معمّہ کو حل کر دے۔

ایک اور شیعہ عالم علّامہ باذل ایرانی نے اپنی مایہ ناز کتاب حملہ حیدری طبع ۱۲۰۹ھ مطبع اعجاز حیدری میں لکھا ہے۔

چنیں گفت راوی کہ سالار دیں! | چو سالم بحفظ جہاں آفرین
زنزدیک آں قوم پر مکر رفت | بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پئے ہجرت او نیز آمادہ بود | کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بر درِ خانہ اش چوں رسید | بگوشش ندائے سفر در کشید
چوں بوبکر زاں حال آگاہ شُد! | زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد
گرفتند پس راہ یثرب بہ پیش | نبی کند نعلین از پائے خویش
بسر پنجہ آں راہ رفتن گرفت! | پئے خود ز دشمن نہفتن گرفت!
چوں لغزید چندے زداماں دشت! | قدوم فلک ساں مجروح گشت
ابوبکر آنگہ بدوشش گرفت! | دلی زیں حدیث است اجبائے شگفت
کہ در کس چناں قوت آید پدید | کہ بار نبوّت تواند کشید!
برفتند القصہ چندے دگر! | چو گردید پیدا نشانِ سحر!

بجستند جائے کہ باشد پناہ ! | زچشم کساں دور یکسو ز راہ
بدیدند غارے دراں تیرہ شب | کہ خوانندے عرب غار ثورش لقب
گرفتند در جوف آں غار جا ! | ولی پیش بنہاد بوبکر پائے
بہر جا کہ سوراخ یا رخنہ دید ! | قبا را بدرید و آں رخنہ چید
بدیں گونہ تا شد تمام آں قبا | یک رخنہ نگذشت ماند از قضا
براں رخنہ گو بند آں یار غار | کف پائے خود را نمود استوار
نیاید جز او شگرف از کسے | کہ دور از خرد می نماید بسے
بغار اندرون در شب تیرہ فام | چساں دید سوراخ ہا را تمام
دراں تیرہ شب یک بہ یک چوں شمرد | یکے کامد افزوں برو پا فشرد
نیامد چنیں کار از غیرِ او ! | بدیں ساں چو پرداخت از فرت و رو
درآمد رسولِ خدا ہم بغار | نشستند یکجا بہم ہر دو یار
بغار اندرون تا ۳ روز و ۳ شب | بسر برد آں شاہ بفرمانِ رب
شدے پور بوبکر ہنگام شام | بہ بردے دراں غار آب و طعام
نمودے ہم از حال اصحاب شر | حبیب خدائے جہاں را خبر
کہ ہستند در جستجو آں گروہ !!! | شب و روز در شہر و صحرا و کوہ
دگر راعئے بود عامر بنام | کہ کردے شبانی بہ بیت الحرام
کہ او نیز اسلام آوردہ بود ! | ز ابریق توفیق مے خوردہ بود
شدے شب بہ نزد بشیر و نذیر | بہ برہ دے برش ہدیہ جامے زشیر
جز ایشاں دگر از صدیق و عدو | نہ بُد ہیچ کس واقف از راز او
نبی گفت پس پور بوبکر را | کہ اے چوں پدر اہل صدق و صفا
دو جمازہ باید کنوں راہوار ! | کہ مارا رساند بہ یثرب دیار
برفت از برش پور بوبکر زود | بدنبال کارے کہ فرمودہ بود

ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) نبی کریم کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہُوا تو رفیق سفر بھی اللہ نے متعین کر دیا۔

(۲) آپ ابو بکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ صدیق ہجرت کے لیے تیار تھے کیونکہ حضورؐ نے پہلے ہی بحکم خدا آپ کو آگاہ کر رکھا تھا۔

(۳) دونوں چل پڑے کچھ دور تک یوں چلے کہ حضورؐ نے جوتے اتار لیے اور پنجوں کے بل چلتے گئے۔

(۴) آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے تو صدیق اکبر نے حضورؐ کو کندھوں پہ اٹھا لیا۔

(۵) غارِ ثور کے پاس پہنچے تو سحر ہو گئی صدیقؓ نے غار کے اندر جا کر اسے صاف کیا جہاں جہاں کوئی سوراخ دیکھا اپنی قمیض پھاڑ کر بند کرتے رہے۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا اور قمیض ختم ہو گئی وہاں اپنا پاؤں رکھ دیا۔

(۶) تین شب و روز غار میں بس دونوں ہی رہے۔

(۷) صدیق اکبر کا بیٹا شام کو کھانا لاتا اور دن بھر کی خبریں بتاتا رہا۔ اور آپ کا غلام عامر رات کو بکریاں لاتا دودھ پلاتا اور پاؤں کے نشان مٹاتا۔

(۸) حضورؐ کے حکم کے تحت صدیق اکبر کا بیٹا گھر سے دو اونٹنیاں لایا۔ جو صدیق اکبر نے اسی غرض سے تیار کر رکھی تھیں۔

علامہ باذل کے اس بیان سے ذیل کے نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

(۱) صدیق اکبر کو ان کے گھر سے بحکم الٰہی حضورؐ ساتھ لائے تھے شیعہ کا یہ کہنا کہ ابو بکرؓ بعد میں پیچھے سے آ ملے تھے سفید جھوٹ سے بھی کچھ اونچی چیز ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس مدد کا بڑے اہتمام سے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

(۳) علامہ باذل کو تعجب ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اپنے کندھوں پر بارِ نبوت کیسے اٹھایا۔ یہ تعجب ہی خواہ مخواہ مستقل دردِ سر بنا ہُوا ہے ورنہ بات صاف ہے کہ حضورؐ نے عملاً ثابت کر دیا کہ میرے بعد تعلیمات نبوت کا بوجھ اٹھانے والا یہی شخص ہے جو آج بارِ نبوت اٹھا کے اس سنگلاخ زمین میں ان نوکیلے پتھروں پہ چلتا ہُوا اس عمودی بلندی پہ چڑھا جا رہا ہے۔ اسی والہانہ شیفتگی

کے ساتھ یہ میرے دین میری امانت کی حفاظت کرے گا۔ حالات کی نامساعدت مشکلات کے طوفان اس کے حوصلے کو پست نہیں کر سکیں گے جس طرح اس نے آج میرے وجود کی حفاظت کے لیے اپنی قبا پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کئے ہیں اسی طرح میرے لائے ہوئے دین کی حفاظت کے لیے یہ اپنا تن من دھن قربان کر دے گا اور کوئی چور دروازہ باقی نہ رہنے دے گا۔ اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ صدیق نے کس محنت سے فتنہ ارتداد، جھوٹے مدعیان نبوت مانعین زکوٰۃ کے فتنے کو کچلا اور اللہ کی کتاب کی حفاظت کے لیے کیسا فول پروف انتظام کیا۔ کہ اسلام کے دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

چنانچہ ایک سکہ بند دشمن اسلام ولیم میور لکھتا ہے۔

"دنیا میں غالباً کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو بارہ ۱۲ سو برس تک ایسے خالص متن کے ساتھ رہی ہو۔"

(۴) صرف ہجرت کے وقت صدیق اکبر کی خدمات کا خلاصہ یہ ہے کہ

(i) گھر کا سارا سرمایہ جو چالیس یا ۴۶ ہزار تھا ہمراہ لے لیا۔

(ii) بیٹی زاد سفر تیار کر رہی ہے اور ذہی النطاقین کی سند ملتی ہے۔

(iii) بیٹا شام کو کھانا لاتا ہے۔

(iv) غلام رات کو ریوڑ لا کر دودھ پیش کرتا ہے۔

(v) ہجرت کے لیے سواری کا انتظام صدیق اکبرؓ کرتا ہے۔

(vi) اپنی جان اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ کفار نے جو انعام حضورؐ کیلئے مقرر کیا اسی انعام کا صدیق اکبرؓ کو پکڑنے کے لیے اعلان کیا۔

اس ایک موقع پر اتنی خدمات کس نے پیش کر کے دکھائیں۔ تاریخ سے پوچھو، کرید و ریسرچ کرو جواب نفی میں ملے گا۔ مگر اس کے باوصف کچھ لوگ جنہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت کی الاٹمنٹ کا کاروبار انہیں سونپا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ

صدیق بھلا کہاں جنتی ہو سکتا ہے اگر خدا اپنے فیصلوں میں ایسے دانشوروں کے مشوروں کا محتاج ہوتا تو اس کا امکان ہو سکتا تھا مگر وہ علیم و خبیر تو ان حقائق کی بنا پر فیصلے کرتا ہے جن کا پورا علم اس کے بغیر کسی کو نہیں۔ اگر بات مشوروں پر ہوتی، تو مصطفیٰ کی رفاقت کے لیے صدیق کا انتخاب کیونکر عمل میں آتا۔

حقائق کا منہ چڑانے کے لیے چند ایک باتیں بنائی جاتی ہیں مثلاً

(۱) حضورؐ نے تو اونٹوں اور گدھوں پر بھی سواری کی ہے۔ اس لیے صدیق نے حضورؐ کو کندھوں پر اٹھا لیا تو کیا ہُوا؟

بات کا پہلا حصہ تو درست ہے واقعی حضورؐ نے اونٹوں اور گدھوں پر سواری کی ہے مگر دوسری بات غلط ہے کہ "کیا ہوا"

ہُوا یہ کہ جس اونٹ پر حضورؐ نے سواری کی وہ دُنیا بھر کے تمام اونٹوں سے افضل ہے، بلکہ جس جانور پر حضورؐ نے سواری کی وُہ اس جنس کے تمام جانوروں سے افضل ہے۔ اس لیے جس انسان کے کندھے پر حضورؐ اکرم کا وجود باجود قیام پذیر ہُوا وہ انسان بھی افضل البشر بعد الانبیاء ہے۔ یہ جو کچھ ہُوا اس کی قدر وہ لوگ کیا جانیں جو مقام مصطفیٰ کے متعلق تنگ میں آکر یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ؎

غلط الامین فجازھا عن حیدر

تا اللہ ماکان الامین امینا

(مجالس المومنین ۲ : ۵۶۷)

(۲) دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو حضورؐ نے رات اپنے بستر پر سلایا تھا۔ یہ قربانی بہت بڑی ہے۔

یہ واقعہ تو درست ہے مگر خدا جانے قربانی کو ناپنے یا تولنے کا پیمانہ کیا ہے اگر حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے جان پیش کر دی۔ درست۔ اور صدیق اکبر نے جان پیش کر دی، مال پیش کیا۔ اور سارا کنبہ پیش کر دیا۔

کفار نے نہ تو حضرت علی کے لیے کوئی انعام مقرر کیا نہ انہیں قتل کیا مگر صدیق کے لیے تو اتنا ہی انعام مقرر کیا جتنا حضورؐ اکرم کے لیے اعلان کیا تھا۔ بہر حال حقیقت اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی قربانی بڑی ہے۔

ہاں شیعہ کی کتاب احتجاج طبرسی ص ۲۴۱ پر اس بڑائی کا عقلی اور استدلالی رنگ میں ایک نقشہ کھینچا گیا ہے اس سے "بڑی قربانی" کے متعلق کسی حد تک اظہار ہوتا ہے۔

عن سعد بن عبد اللہ القمی الاشعری قال بلیت باشد النواصب منازعۃ فقال لی یوما بعد ما ناظرتہ بتالک ولاصحابک انتم معاشر الروافض تعتقدون المہاجرین والانصار بالطعن علیہم وبالجحود لمحبۃ النبیؐ فالصدیق فوق الصحابۃ بسبب سبق الاسلام الا تعلمون ان رسولؐ اللہ انما ذہب بہ لیلۃ الغار لانہ خاف علیہ کما خاف علی نفسہ ولما علم ان یکون خلیفتہ فی امتہ واراد ان یصون نفسہ کما یکون خاصتہ علیہ السلام کیلا یختل حال الدین من بعدہ ویکون الاسلام منتظما وقد

سعد بن عبد اللہ قمی کہتا ہے کہ میں سخت سُنی سے مناظرہ میں مبتلا ہُوا۔ اس نے مناظرہ کے بعد مجھے کہا ہلاکت تمہارے لیے اور تمہارے شیعہ کے لیے تم مہاجرین و انصار پر طعن کرتے ہو اور ان کی صحابیت کا انکار کرتے ہو باوجود اس کے کہ وہ محبوب رسولؐ تھے۔ ابوبکر تو تمام صحابہ سے افضل ہے بوجہ سبقت اسلام کے تم نہیں جانتے کہ ہجرت کے روز حضورؐ صدیق کو اپنے ہمراہ غار میں لے گئے تھے کہ جس طرح اپنے مارے جانے کا خوف تھا اس طرح صدیق کے قتل ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ حضورؐ کو علم تھا کہ میرے بعد صدیق ہی میرا خلیفہ بلافصل ہو گا۔ اور اپنی جان کی طرح صدیق کی جان بچائی کہ صدیق کے قتل ہونے سے اسلام میں خلل پیدا نہ ہونے پائے اسی وجہ

اقام علیا علی فراشه لما کان فی علمه انه لو قتل لا یختل الاسلام بقتله لانه یکون من یقوم مقامه لاجرم لم تبال من قتله قال سعد انی قلت علی ذلك اجوبة لکنها غیر مسکتة ۔

سے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پہ سلایا کہ حضرت علیؓ قتل ہُوئے تو دین میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوگا۔ ان کی جگہ کوئی دوسرا صحابی کھڑا ہو جائیگا۔ لہٰذا حضورؐ نے حضرت علیؓ کے قتل ہو جانے کی کوئی پرواہ نہ کی۔ سعد کہتا ہے میں نے اسے کئی جواب دیئے مگر ان میں سے کوئی جواب مسکت نہیں تھا۔

سعد نے واقعی کئی جواب دیئے ہوں گے مگر جو جواب بنائے جائیں وہ مسکت کم ہی ہُوا کرتے ہیں۔ مگر جو جواب حقائق پر مبنی ہوں وہی مسکت ہوتے ہیں۔

چند الفاظ کی تشریح

(۱) ثانی اثنین :- ا :- بات دو کی ہو رہی ہے جن میں اوّل رسول کریمؐ ہیں اور ثانی صدیق اکبرؓ ہیں۔ یعنی جو دو یار غار ہیں ان میں ترتیب یہ ہے۔

ب :- ترتیب دینی۔ اللہ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ اعلان کیجئے۔

قل انی امرت ان اکون اول من اسلم۔ یعنی اے نبیؐ! کہہ دیجئے کہ میں اسلام لانے والوں میں پہلا ہوں، پھر حضورؐ کی طرف سے اعلان ہُوا۔

وانا اوّل المؤمنین ۔ کہ میں پہلا مؤمن ہُوں۔

اور حضورؐ کی دعوت پر پہلا ایمان لانے والا صدیق اکبرؓ ہے۔ یعنی ترتیب دینی یہ ہُوئی کہ اوّل نبی کریمؐ اور ثانی صدیق اکبرؓ۔

(ج) ہجرت میں ثانی۔

(د) خلافت میں ثانی۔

(ر) روضۂ اطہر میں ثانی۔

عربیت کا قاعدہ ہے کہ اضافت عدد مساوی کی طرف مساوی کے فائدہ

ترتیب رتبی کا دیتی ہے تو ثانی کی اضافت اثنین کی طرف جو پائی جاتی ہے اس میں یہی حکم ہے یعنی ترتیب رتبی ہے یعنی اول رتبہ نبی کریمؐ کا اور ثانی صدیق اکبرؓ کا

(۲) لصاحبہ :۔ شیعہ تفسیر میزان القرآن طبع ایران زیر آیت غار۔

اذیقول لصاحبہ والمراد بصاحبہ ھو ابو بکر للنقل القطعی — صاحبہ سے مراد دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ ابو بکرؓ ہے۔

تفسیر صافی :۔

اذیقول لصاحبہ ھو ابو بکرؓ — صاحبہ سے مراد ابو بکرؓ ہے۔

یعنی ابو بکرؓ صدیق کی صحابیت نص صریح سے ثابت ہے۔ اس کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ اور قرآن کا انکار کفر ہے۔

نکتہ :۔ لفظ صاحب کی اضافت ذات نبی کی طرف ہو یا اس ضمیر کی طرف جس کا مرجع رسول ہو تو لازماً صاحب۔ مضاف الیہ کا ہم مذہب ہو گا۔

اس پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یٰصاحبی السجن میں اضافت صاحب کی قیدیوں کی طرف ہے مگر وہ قیدی حضرت یوسفؑ کے ہم مذہب نہیں تھے۔

یہ سوال کم فہمی کی دلیل ہے یا دھوکا دینے کی کوشش۔ اس میں اضافت جیل کی طرف ہے۔ معنی یہ ہے کہ اے میرے جیل کے ساتھیو!

چند نظائر

(۱) نبی کریمؐ کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔

حضرت موسیٰؑ اپنے سفر میں حضرت یوشع بن نون کو ہمراہ لے گئے تھے وہی ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔ اسی طرح حضور اکرمؐ ہجرت کے سفر میں صدیق اکبر کو ساتھ لے گئے تھے وہی آپ کے بعد خلیفہ ہوئے۔

(۲) حضرت موسیٰؑ نے ہجرت کی۔ حضورؐ نے بھی ہجرت کی۔

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ساری قوم تھی۔ حضورؐ کے ساتھ صرف صدیق اکبرؓ تھے۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کا تعاقب کیا۔ اہلِ مکّہ نے حضورؐ کا تعاقب کیا۔

اتنا فرق ہے فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی گرفتاری کے لیے کسی انعام کا اعلان نہ کیا اور قریش نے دونوں کی گرفتاری کے لیے سو سو اونٹ انعام ٹھہرایا۔ قوم موسیٰؑ کو سخت پریشانی ہوئی اور کہہ اٹھے انا لمدرکون۔ مگر پریشانی اپنی ذات کے لیے تھی صدیق اکبر کو بھی پریشانی ہوئی مگر حضورؐ اکرم کی فکر تھی۔ اس لیے حضورؐ نے تسلی دی لا تحزن ان اللہ معنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ۔ حضرت موسیٰؑ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا ان معی ربی سیھدین یعنی معیت باری کی نسبت اپنی طرف کی مگر نبی کریمؐ نے معیت باری کی نسبت دونوں کی طرف یعنی اپنی طرف اور صدیق اکبر کی طرف کی۔

حضرت موسیٰؑ کے فرمان میں ایک طرف صفت باری تعالیٰ ہے۔ دوسری طرف ذات موسیٰؑ ہے۔

حضورؐ کے فرمان میں ایک طرف ذات باری تعالیٰ دوسری طرف ذاتِ رسول اور ذاتِ صدیق ہے۔

حضورؐ نے فرمایا لا تحزن۔ تو قرآن کریم میں حزن کا لفظ یا تو انبیاء کے لیے استعمال ہوا ہے یا کسی مقرب ولی اللہ کے لیے مثلاً۔

(ا) حضرت مریمؑ کو فرمایا: فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ۔

(ب) حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو فرمایا: لَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَاۤدُّوْهُ اِلَیْكِ۔

پھر حزن کا اطلاق اس غم پر ہوتا جو اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ کسی دوسرے کی وجہ سے ہو جیسے حضرت یعقوبؑ کے متعلق بیان ہوا۔ جو حضرت یوسفؑ کے غم سے گھلے جا رہے تھے کہ

وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ۔

چنانچہ شیعہ مفسر تفسیر میزان القرآن میں لکھتے ہیں۔

قال لا تحزن خوفا مما تشاهدہ من الوحدة والغربة و فقد ان الناصر وتظاهر الاعداء و تعقيبهم اياهما فان الله معنا۔

فرمایا خوف نہ کر جیسا تم کو تنہائی مسافری بے یار و مددگار ہونے کا غلبہ دشمن کا اور دشمن کے تعاقب کرنے کا مشاہدہ ہو رہا ہے بس اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

یعنی حضرت صدیق اکبرؓ کو اندیشہ تھا تو اس بات کا تھا کہ جس متاع دو جہان کو رات کے اندھیرے میں کندھوں پر اٹھا کے یہاں لایا ہوں اسے کوئی گزند پہنچ جائے۔

معیت باری

معیت باری کے کئی درجے ہوتے ہیں اور کئی صورتیں ہوتی ہیں مثلاً:

(۱) ان اللہ مع الصابرین ۔ ان اللہ مع المتقین ۔

یہاں ایک طرف ذاتِ باری ہے۔ دوسری طرف صفت خاص ہے۔ اہلِ ایمان کی۔ یعنی وصف صبر و وصف اتقا موجود ہے۔ تو معیت باری بھی موجود ہے۔ اگر وصف نہیں تو معیت بھی نہیں۔

(۲) ان اللہ معنا ۔

یہاں ایک طرف ذات باری ہے دوسری طرف ذات رسول اللہ اور ذات صدیق اکبرؓ۔ نہ ادھر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا ذکر ہے نہ ادھر ابو بکر کے کسی وصف کا ذکر ہے۔ یعنی ذات ابو بکر کو ذات باری کی معیت حاصل ہے۔ اب کوئی شخص ابو بکرؓ کی صحابیت کا ایمان کا صداقت کا ایثار کا انکار کر دے تو کوئی بعید نہیں مگر کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جو ذات ابو بکر کا انکار کر سکے۔ جہاں ذاتِ ابو بکرؓ موجود ہے وہاں اسے ذات باری کی معیت بھی حاصل ہے اور یہ رتبہ بلند پوری دنیا میں صرف دو ہستیوں کو حاصل ہے۔ انبیاء میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امتیوں میں ابو بکر صدیق کو۔

ذالك فضل الله یؤتیه من یشاء۔

ابوبکر صدیقؓ کی عظمت کا انکار کر دینا بلاشبہ بڑی جرأت کا کام ہے مگر اللہ اور رسول کو بھی تنقید بلکہ تنقیص کا نشانہ بنا لینا اس سے بھی بڑی جرأت ہے ایک شیعہ مجتہد حامد حسین لکھنوی نے اپنی کتاب استقصاء الافہام میں فرمایا ہے کہ لا تحزن نہی ہے اور ابوبکر کا رنجیدہ ہونا گناہ و معصیت ہے اس لیے رسول خدا نے منع فرمایا یہ منع بتاتا ہے۔ کہ ابوبکر مرتکب معصیت ہوا تھا۔

خود فریبی اور ابلہ فریبی کو فن کاری کہئے یا بیماری بہر حال یہ ہے کچھ اسی قسم کی چیز۔ ذرا قرآن کریم سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت مریمؑ کو ارشاد ہوا۔ لَا تَحْزَنِی قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۔

یعنی حضرت مریمؑ مرتکب معصیت ہوئیں لہٰذا اس سے منع فرما دیا گیا کہ لا تحزنی مگر اس کے آگے یہ فرمانا کہ "تیرے نیچے تیرے رب نے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے"۔ یہ اس معصیت کی سزا ہے کیا؟

(۲) والدۂ موسیٰؑ کو ارشاد ہوا۔ لَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ۔

یعنی والدۂ موسیٰؑ نے معصیت کا ارتکاب کیا تو خدا نے نہی فرما دی مگر ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ ہم تیرے بیٹے کو تیرے پاس لوٹا دیں گے۔ اور اسے رسول بنائیں گے۔ یعنی والدۂ موسیٰؑ کو ایک معصیت کی دو سزائیں سنا دیں۔ مگر کوئی یہ پوچھے کیا یہ سزائیں ہیں، یا انعام ہیں یا بشارتیں ہیں۔ اگر بشارتیں ہیں تو اللہ کا نظام بھی عجیب ہے کہ گناہ کرو تو انعام کی بشارتیں ملیں۔

(۳) حضرت ابوبکر کو نبی کریم نے فرمایا لا تحزن۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین نازل فرمائی۔ اگر لا تحزن معصیت کے ارتکاب پر نہی ہے۔ تو نزول سکینہ لازماً سزا ہی ہوگی اور اگر ایسا نہیں تو عجیب معاملہ ہے اللہ کا رسول ارتکاب معصیت پر منع کر رہا ہے۔

اور اللہ تسلیاں دے رہا ہے۔ اگر مجتہد صاحب کی بات مانی جائے تو یہاں اللہ و رسول میں آپس میں ان بن نظر آتی ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ قبل نہی کوئی فعل معصیت کیونکر شمار ہوتا ہے اگر کوئی فعل ہی نہ ہو تو نہی سے کیا یہی مراد ہوگی کہ لازماً کوئی فعل ہوا ہے مثلاً حضور کو ارشاد ہے

ولا تکن للخائنین خصیما۔ اور

ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم۔

کیا دونوں مقامات پر نہی نہیں۔ تو کیا نبی کریمؐ نے کسی معصیت کا ارتکاب کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

ظاہر ہے کہ بات وہ نہیں جو ظاہر کی گئی بلکہ اندر کی آگ اگلنے کے بہانے میں یہ اور بات ہے کہ ان تیروں کا ہدف اللہ اور رسول کی ذات بھی بنتی ہے۔

ایک علمی شبہ

سوال :۔ فانزل اللہ سکینتہ علیہ میں علیہ ضمیر کا مرجع ابوبکرؓ نہیں بلکہ رسول کریمؐ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ پر تسکین نازل فرمائی۔

اگر یہ بات درست تسلیم کی جائے تو پہلے ثابت کرنا پڑے گا کہ رسول کریمؐ گھبرا گئے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر تسلی نازل فرمائی۔ مگر یہ ثابت کہاں سے ہوگا۔ اگر واقعات پر نگاہ کی جائے تو عجیب منظر سامنے آتا ہے۔ کہ حضورؐ گھبرائے ہوئے تو خود ہیں اور تسلی دے رہے ہیں ابوبکرؓ کو کہ غم نہ کر۔ کیا نبی کریمؐ کی ذات سے ایسی طفلانہ حرکت منسوب کی جا سکتی ہے؟

"پھر سوال ہوتا ہے کہ اگر ضمیر کا مرجع ابوبکر صدیقؓ کو بنایا جائے تو انتشار ضمائر لازم آتا ہے جو جائز نہیں"۔

یہ تو اچھی بات ہے کہ آدمی ناجائز کام سے اجتناب کرے مگر جائز و ناجائز کے لیے بھی کوئی اصول ہوتا ہے کوئی معیار ہوتا ہے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ

آدمی جس کو چاہے ناجائز کہہ دے۔

اہلِ فن کے نزدیک اصول یہ ہے کہ

(۱) انتشار ضمائر اس وقت لازم آتا ہے جب تمام ضمائر کا مرجع واحد ہو۔ یہاں یہ بات نہیں تمام ضمائر کا مرجع رسول کریمؐ کی ذات نہیں۔ سکینتہ ضمیر کا مرجع ذات باری ہے۔

(۲) قانون ہے مرجع ضمیر کا اقرب المذکورین ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ "صاحب" اقرب المذکورین ہے۔ اور اس سے مراد ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

(۳) قانون یہ ہے کہ جب ضمیر دائر ہو درمیان مضاف و مضاف الیہ کے تو مرجع ضمیر مضاف ہو گا نہ کہ مضاف الیہ کیونکہ کلام میں مقصود بالذات مضاف ہوتا ہے لہذا علیہ کا مرجع صاحب ہو گا۔ جو مضاف ہے طرف ضمیر کے جس کا مرجع رسولِ خدا ہے۔

وایدہ بجنود لم تروھا۔ کا تعلق جنگ بدر سے ہے اور اس کا عطف نصرہ پر ہے۔ اگر ایدہ ضمیر کا مرجع ابوبکر صدیقؓ بنایا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ابوبکر پر جو سکینہ نازل ہوئی اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے ملائکہ سے امداد کی۔

ملائکہ نے اس کے دل میں سکینہ القا کیا تاکہ ثابت قدم رہے۔

باب دھم

آیتِ مودت

قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى۔

یہ جملہ سورۃ شوریٰ کی ایک آیت کا حصہ ہے۔ اس کی تفسیر امام بخاری نے حبرالامت، ترجمان القرآن امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس سے یوں بیان کی ہے۔ سلسلہ سند بیان کرتے ہیں۔ حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبہ عن عبد الملک بن میسرہ قال سمعت طاؤسا عن ابن عباس رضی اللہ عنھما۔

انہ سُئل عن قولہ الا المودۃ فی القربیٰ فقال سعید بن جبیر قربیٰ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن عباس اجلت عن النبیؐ لم یکن بطن من قریش الا کان لہ فیھم قرابۃ فقال الا ان تصلوا ما بینی وبینکم فی القرابۃ۔

(بخاری کتاب التفسیر)

ان سے الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا تو سعید بن جبیر نے کہا قرابت آل محمدؐ کی مراد ہے تو ابن عباس نے فرمایا تم نے جواب میں جلدی کی اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر قبیلے سے قرابت تھی۔ اس لیے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے صلہ رحمی کے پیش نظر اس کا لحاظ کرو۔

ظاہر ہے کہ سعید بن جبیر نے اپنے مبہم سے قول کے جواب میں ابن عباس کا جو تفصیلی اور مدلل بیان سنا تو خاموش ہو گئے۔ ان کا سکوت ہی ابن عباس کی تائید کی دلیل ہے۔ لہذا آیت کا حقیقی مفہوم یہی ہے جو حبرِ امت نے فرمایا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں۔

قوله عز وجل قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ

ای قل یا محمد لھوٰلاء المشرکین من کفار قریش لا اسئلکم علی ھذا البلاغ والنصح لکم مالا تعطونیه وانما اطلب منکم ان تکفوا شرکم عنی وتذرونی اُبلّغ رسالات ربی. ان لم تنصرونی فلا تؤذونی بما بینی وبینکم فی القرابه -

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ان مشرکین قریش سے کہئے کہ میں تم سے اس تبلیغ اور نصیحت کے بدلے کوئی مال طلب نہیں کرتا۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ شر و فساد سے ہاتھ روکو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو کہ اپنے رب کے پیغام پہنچاتا رہوں۔ اس کام میں اگر تم میری مدد نہیں کر سکتے تو نہ کرو۔ مگر مجھے ایذا نہ دو۔ میرے تمہارے درمیان جو قرابت کا تعلق ہے اس کا لحاظ کرو۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کر دی کہ یہ سورت مکی ہے۔ جب یہ مکہ میں نازل ہوئی تو وہاں وہ آل رسول کہاں تھی جو اس سے بعض لوگ مراد لیتے ہیں۔ حضرت فاطمہ کا نکاح نہ حضرت علی سے ہوا۔ نہ حسن و حسین وجود میں آئے تو حضورؐ قریش مکہ سے کن قربیٰ کی مودت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ صحیح تفسیر اس آیت کی وہی ہے جو حبر الامت ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس نے بیان کی ہے جیسا کہ امام بخاری نے روایت کیا ہے پھر فرماتے ہیں۔

قال ابن ابی حاتم حدثنا علی ابن حسین حدثنا رجل سماہ حدثنا حسین الاشعر عن قیس عن الاعمش عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنھما لما نزلت ھذہ الآیة قل لا اسئلکم الخ قالوا یا رسول

محدث ابی حاتم نے کہا مجھ سے بیان کیا علی ابن حسین نے وہ کہتا ہے۔ مجھ سے بیان کیا ہے ایک آدمی نے جس کا نام انہوں نے لیا تھا وہ کہتا ہے مجھ سے بیان کیا حسین اشقر نے اس نے بیان کیا قیس سے اس نے اعمش سے اس نے سعید بن جبیر سے اس نے ابن عباس کہ انہوں

الله من هؤلاء الذين امر الله بمحبتهم قال فاطمه و ولدها رضی الله عنهم و هذا اسناد ضعیف فیه مبهم لا یعرف عن شیخ شیعه محترق و هو حسین الاشقر ولا یقبل خبره فی هذا المحل۔

نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں۔ جن کی محبت کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے تو فرمایا فاطمہ اور اسکی اولاد یہ اسناد ضعیف ہے۔ اس میں راوی مبہم ہے جس کی پہچان نہیں ہو سکتی وہ ایک بوڑھے متعصب شیعہ سے روایت ہے وہ حسین اشقر ہے لہٰذا اسکی روایت اس محل میں قبول نہیں۔

ابن کثیر نے اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مردود قرار دی۔ اس پر کچھ اور سوال بھی پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) آیت میں خطاب صحابہ کو ہے یا مشرکین قریش کو ہے صحابہ نے تو اسلام قبول کر لیا۔ اب ان سے یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اس بات کا موقع تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ پیغام قبول کرنے سے پہلے وہ اس شش و پنج میں ہوں کہ نہ جانے یہ بات مان لینے کی اجرت کیا دینی پڑے گی۔ لہٰذا یہ بات تو بالکل بے محل ہے خطاب صحابہ کو ہو رہا ہے رہا سوال مشرکین کا۔ تو وہ بات ماننے پر تیار ہی نہیں۔ تو ان سے یہ کہنا کہ میری بات اس شرط پر مانو کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرنی پڑے گی۔ جب وہ سرے سے بات ماننے کو تیار ہی نہیں تو اس شرط کا اور اضافہ کر دینا تو بالکل بے تکی بات ہے۔

(۲) صحابہ نے یہ سوال کیوں پوچھا کہ وہ اہل قرابت کون ہیں کیا انہیں قربیٰ کے لفظ کے معنی نہیں آتے تھے یا وہ حضورؐ کے اہل قرابت سے واقف نہیں تھے۔ اہل زبان کے متعلق یہ سمجھنا کہ ایک عام استعمال کے لفظ کا مفہوم ہی نہیں جانتے اور صحابہ کے متعلق یہ سمجھنا کہ حضورؐ سے اس درجہ کی اجنبیت تھی کہ حضورؐ کے رشتہ داروں کو

بھی نہیں جانتے تھے۔

(۳) جب حضورؐ نے اہل قرابت کی نشاندھی کی۔ تو وہ کیا سمجھے ہوں گے۔ کہ فاطمہؓ کا نکاح ہوا نہیں۔ اولاد کا سوال ہی کہاں! پھر صحابہ کے پلے کیا پڑا۔ وہ اس فرمان پر عمل کیونکر کرنے لگے۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زین العابدین کے نام کو آڑ بنا کر بات بنانے کی کوشش تو کی ہے مگر تاریخ اس کا ساتھ نہیں دیتی اور عقل اسے ماننے سے ابا کرتی ہے۔

علامہ ابن حجر عقلانی نے اپنی کتاب فتح الباری شرح بخاری میں کچھ اشارہ کیا ہے۔

فاخرج طبرانی وابن ابی حاتم من طریق قیس ابن ربیع عن الاعمش عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما نزلت قالوا یارسول الله من قرابتك الذین وجبت علینا مودتهم الی الحدیث واسناده ضعیف وهو ساقط لمخالفة هذا الحدیث الصحیح والمعنی الا ان تودونی لقرابتی فتحفظونی والخطاب لقریش۔

...... جب آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ آپ کے اہل قرابت کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ یہ قابل اعتبار نہیں یہ روایت بخاری کی صحیح حدیث کے مخالف ہے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ سوائے اس کے کہ جو قرابت کا رشتہ میرے اور تمہارے درمیان ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے میرے ساتھ مودت سے پیش آؤ۔ اس سے مجھے تحفظ مل جائیگا یہ خطاب قریش سے ہے۔

یعنی اصولاً یہ بات ہی ناقابل اعتبار ہے کہ صحابہ نے سوال کیا کہ اہلِ قرابت کون ہے پھر خطاب قریش کو ہو رہا ہے لہذا مفہوم یہ ہے کہ تمہارا معمول یہ ہے کہ دشمنی بھی ہو تو قرابت کا لحاظ ضرور رکھتے ہو۔ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں لہذا اسی اپنے معمول

کے مطابق قرابت کا لحاظ رکھتے ہوئے میرا راستہ تو نہ روکو۔

اس روایت کی صحت وعدم صحت پر علاّمہ ابن حجر عقلانی نے ایک اور مقام پر بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں :

عن ابن عباس عن الطبرانی وابن ابی حاتم واسناد واہ فیہ ضعیف و رافضی و ذکر زمخشری ھو ھنا احادیث ظاھر وضعھا و ردالزجاج بما سمع عن ابن عباس من روایۃ طاؤس فی حدیث الباب۔	جو روایت ابن عباس سے بحوالہ طبرانی و ابن ابی حاتم نقل کی ہے اس کی سند واہی تباہی ہے اس میں ایک راوی ضعیف ہے اور ایک راوی رافضی ہے اور زمخشری نے اس مقام پر کچھ حدیثیں ذکر کی ہیں جن کا موضوع ہونا ظاہر ہے اور علاّمہ زجاج نے اس کو رد کیا ہے بذریعہ اس روایت کے جو ابن عباس سے طاؤس کی روایت سے اس بات میں روایت ہو چکی ہے

⁂

محدث جلیل علاّمہ ابن حجر عسقلانی نے بناوٹی مفہوم والے قول کو رد کیا اس کی روایت کو سنداً و متناً دونوں طرح سے مجروح قرار دیا سنداً اس طرح کہ سند کو ضعیف اور واہی کہا ایک راوی ضعیف دوسرا رافضی۔ اور بعض روایات کو ظاہر الوضع فرمایا۔ اور متناً اس طرح مجروح ہے کہ اس کا مضمون احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا آیت کی صحیح تفسیر وہی ہے جس پر مختار مذہب اہل السنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

چند نکات

(۱) القربیٰ :۔ مصدر ہے مثل زلفیٰ کے جو معرف بالام ہے۔ اس کا معرفہ ہونا ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کا مخاطبین کو علم تھا۔ اس وقت امام حسن اور امام حسین کا وجود ہی نہیں تھا لہٰذا مخاطبین ان سے واقف کیونکر قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو قریش مکّہ کو بھی واضح طور پر

پر معلوم ہوں گے۔ لہٰذا یہ مودت مودۃ فی الرحم سے مطلب یہ ہو گا۔

لا اسئلکم علیہ اجرا — میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا

الا المودۃ فی الرحم التی بینی — ہاں اس صلہ رحمی کا مطالبہ کرتا ہوں جو

و بینکم۔ — میرے اور تمہارے درمیان ہے۔

۲- مودۃ فی القربیٰ سے آل محمد مراد ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر مودۃ لذی القربیٰ ہوتا تو مراد آل محمد ہو سکتی تھی۔ قرآن کریم کی متعدد آیات شاہد ہیں مثلاً

(ا) فَاِنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی۔

(ب) مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی۔

(ج) فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ۔

(د) وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی۔

یعنی قرآن کریم میں جہاں کہیں اس مضمون کی نصیحت یا حکم ہے وہاں ذوی القربیٰ یا اولی القربیٰ ہے۔ فی القربیٰ کہیں نہیں آیا۔

القربیٰ چونکہ مصدر ہے اس لیے اگر اہل بیت مراد ہوتے تو یوں ہوتا۔

الا المودۃ لاھل القربیٰ۔

(۳) اگر محبت اہل بیت رسالت کی اجرت قرار دی جائے تو اس میں نبی کریمؐ کی سخت توہین کا پہلو نکلتا ہے جس کی کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا۔ وہ یوں کہ حضرت نوحؑ سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء کا ذکر قرآن مجید میں تبلیغ رسالت کے سلسلے میں آیا ہے ہر جگہ ایک ہی عبارت ہے کہ ما اسئلکم علیہ من اجر۔ کہیں کوئی استثنیٰ نہیں مثلاً۔

(ا) الانعام :- قل لا اسئلکم علیہ اجرا ان ھو الا ذکرٰی للعالمین (نبی کریمؐ)

(ب) یوسف :- و ما تسئلھم علیہ من اجر ان ھو الا ذکر للعالمین (نبی کریمؐ)

(ج) الفرقان :- قل ما اسئلکم علیه من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربه سبیلا (نبی کریم)

(د) سباء :- قل ما اسئلکم علیه من اجر فهو لکم ان اجری الا علی اللہ - (نبی کریم)

(ہ) ص :- قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین (نبی کریم)

(س) هود :- ویقوم لا اسئلکم علیه مالا ان اجری الا علی اللہ (قول نوحؑ)

(ص) هود : یقوم لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علی الذی فطرنی (قول ہودؑ)

(ط) الشعراء :- وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العلمین (نوحؑ)

(ظ) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 (هودؑ)

(ع) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 (صالحؑ)

(غ) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 (لوطؑ)

(ف) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 (شعیبؑ)

ان اقتباسات سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ پانچ انبیاء یعنی حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ، شعیبؑ سے ایک ہی سورت میں بالکل ایک جیسے الفاظ میں ایک ہی بیان کا ذکر ہے دوم یہ کہ پانچ مختلف سورتوں میں حضور اکرمؐ سے مختلف الفاظ میں پانچ مرتبہ یہی اعلان کرایا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔

اب سوال یہ ہے کہ سورۃ شوریٰ میں جو حضورؐ سے اعلان کرایا تو اس میں ایک اجرت کا مطالبہ بھی کرادیا اول تو یہ سارے انبیاء سے مختلف روش ہے پھر حضور اکرمؐ سے پانچ مختلف مقامات پر جو اعلان کرایا۔ اس سے بھی یہ مختلف ہے۔ اس سے ایک تو قرآن مجید میں تضاد ثابت ہے دوسرا حضورؐ کی خود غرضی اور توہین کا پہلو نکلتا ہے کیا کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس یہ جرأت کرسکتا ہے جبکہ وہ مسلمان ہونے کا مدعی بھی ہو۔

(۴) ارشاد باری ہے : اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (یٰس)

"یعنی اتباع اس شخص کی کرو جو تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا اور خود بھی ہدایت یافتہ ہے"

یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بتایا کہ اتباع کے لائق وہی ہے جو تم سے اجر کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اگر آیت مودۃ کا وہ مفہوم لیا جائے جس سے محبت اہل بیت کا اجر ہونا ظاہر ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی اتباع سے تو منع کر دیا (معاذ اللہ) پھر بھی یہ ارشاد ہے کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ اور مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ اب یہ تضاد کیسے رفع ہو۔

پھر محبت اہل بیت کو ہی رسالت کا اجر قرار دیا جائے تو دین کی حاجت ہی نہیں صرف محبت اہل بیت کافی ہے کیونکہ رسالت کی اُجرت جب یہی ٹھہری۔ تو بات ختم ہو گئی۔ دین قبول کرنا تو بس "جھوزگا" کی یہ واہ کون کرتا ہے

(۵) نبی کریمؐ کی رسالت کی اجرت اور اس کا مقصد جب یہی ٹھہرا کہ اہل بیت کی محبت درکار ہے اور بس۔ چنانچہ یہ دعویٰ تو شیعہ ہی کا ہے۔ کہ محبان اہلِ بیت ہم ہی ہیں اور نبیؐ کی رسالت کا صلہ بھی یہی ہے اس لئے نماز روزہ حج زکوٰۃ عقیدہ توحید رسالت سب امور زائدہ ہیں کیونکہ نبی کریمؐ نے مطالبہ صرف اہل بیت کا کیا تھا۔ اس عقیدے نے جو گل کھلائے ان کی بہار ملاحظہ ہو۔

ا:۔ روضۂ کافی طبع جدید مطبع نجف اشرف ص ۱۴۲

عن ابی عبد اللہ انہ قال لا یبالہ الناصب صلی ام زنی وھذہ الایۃ نزلت فیھم وجوہ عاملۃ ناصبۃ تصلی نارا حامیہ	امام جعفر سے روایت ہے کہ سنی کا نماز پڑھنا اور زنا کرنا برابر ہے۔ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ محنت کرتے تھکے پہنچیں گے دہکتی آگ میں۔

ب: پھر اسی کتاب کے ص ۱۸۱ پر ہے۔

کل ناصب وان عبد وجتھد	ہر ناصبی (سنی) اگرچہ وہ نماز پڑھے اسی

منسوب الی هذه الآیة عاملة ناصبة الخ وکل ناصب مجتهد فعمله هباء

آیت کا مصداق ہے ...... اور ہر ناصبی کی محنت اور اس کا عمل غبار کی مانند ہے۔

(ج) مجالس المؤمنین طبع جدید جلد دوم ص ۵۸۳

ولا تقبل الصلوٰة الا بحبھم ولا زکوٰة فاین عدولنا فی حب قوم بھم اعمالنا متقبلات۔

نماز اور زکوٰة بغیر محبت اہل بیت کے قبول نہیں ہمارے دشمن کہاں جا رہے ہیں اہل بیت کی محبت سے اعمال قبول ہوتے ہیں

بہ مذہب درست نماز ش درست
نیست زاہد اگر ز چشمۂ حیواں وضو کند
مخالفان علی را درست نیست نماز
اگرچہ سینہ اشتر کنند پیشانی۔

لیجئے بات صاف ہوگئی محبان اہل بیت کی بن آئی کہ اول تو محبت اہل بیت ہی کامیابی کے لیے کافی وافی ہے اور اگر اس محبت کے ساتھ جو اعمال وہ کریں۔ قبول وہی ہوتے ہیں۔ سنی لاکھ ٹکریں ماریں ان کے پلّے کچھ نہیں پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ کسی کو توحید رسالت آخرت کا نظریہ قبول کرنے۔ نماز روزہ حج زکوٰة کی پابندی اپنے سر لینے کی کیا ضرورت ہے۔ آسان راستہ کیوں نہ اختیار کرے کہ کہدے میں محبِّ اہلِ بیت ہوں پھر جو چاہے کرتا پھرے کوئی مؤاخذہ نہیں (اس عقیدے کی تفصیل معلوم کرنی ہو تو ہماری کتاب "تحذیر المسلمین" کا باب معاد) مطالعہ فرمائیں۔

ایک امر قابل غور ہے کہ یہ جو اہلِ بیت سے محبت کرنے کا حکم ہے اس کی عملی صورت کیا ہے؟ محبت کا مقام تو قلب ہے اور قلب کی حالت کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ تو پھر کیا یہ نری شاعری ہے اگر اسی کا نام محبت ہے کہ آدمی بیت کے گیت گاتا رہے اور بس تو اس فن میں تان سین سے لے کر ملکۂ ترنم تک بڑے

بڑے اہلِ کمال گزرے ہیں۔ تو اس معاملہ میں شیعہ کی تخصیص کیونکر ہوئی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ محبت ہے تو بھی کچھ کہ بیت کے گیت گاتے رہو، البتہ محبوب جدا ہو سکتے ہیں اس لیے محب اہلِ بیت صرف وہی ہے جو بیت کے گیت ہی گائے مگر محبوب اہلِ بیت ہوں۔ اس طرح انفرادیت تو آ گئی۔ مگر کام بڑا آسان ہے کیا کرایا کچھ نہیں صرف گیت گاتے رہو۔ محبت کا مطالبہ پورا ہو گیا۔ محبت کی یہ قسم انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

اگر محبت کرنے سے یہ مراد ہے کہ اہلِ بیت کی خاطر مالی اور جانی قربانی پیش کرو۔ تو سوچنا پڑے گا۔ کہ اہلِ بیت کس کی خاطر جان اور مال قربان کرتے رہے ظاہر ہے کہ ان کی قربانی دین کی خاطر تھی اور یہی بات ۲۳ برس تک نبی کریمؐ سکھاتے رہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنے مال اور جان کو پیش کرو۔ اس لیے دین کی خاطر تو غیر اہلِ بیت بھی میدان میں نکلے تو اس کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے جان اور مال پیش کر دینا اسلام کا مطالبہ ہے پھر اہلِ بیت کی تخصیص کیا رہی۔

اور اگر محبت کرنے سے مراد طاعت کرنا ہے جیسا کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: من احب سنتی فقد احبنی۔ یعنی محبت میں سچا ہے تو دیکھنا پڑے گا کہ اہلِ بیت نے کس کی اطاعت میں عمریں صرف کیں ظاہر ہے کہ وہ نبی کریمؐ کی اطاعت ہی کرتے رہے۔ اس لیے نبی کریمؐ کی اطاعت ہی اہل بیت کی اطاعت ہے اور حضورؐ کی اطاعت ہی حضورؐ سے محبت ہے۔ مگر محبان اہلِ بیت کا معاملہ یوں نظر آتا ہے کہ اس طرف رُخ ہی نہیں کرنا جدھر اہلِ بیت ہمیشہ رواں دواں رہے مگر محبت کا اظہار جس رنگ میں ہوتا رہا اس کی تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب "تحذیر المسلمین" کا باب "امامت" مطالعہ فرمائیں۔ البتہ تین اوصاف ایسے ہیں جو دنیا میں اور کہیں نہیں پائے جاتے یعنی متعہ، ماتم اور تقیہ۔ ممکن ہے یہی اوصاف محبت اہلِ بیت کی دلیل کے طور پر پیش کئے جاتے ہوں۔

چند مغالطے اور ان کی اصلاح

(۱) اہل سنت کی بیان کی ہوئی تفسیر سے اُجرت رسالت ثابت ہوتی ہے یہ اُجرت محبت اہل بیت نہ سہی جان کی حفاظت کی درخواست سہی۔ لہذا اعتراض پھر بھی رفع نہیں ہو سکتا۔

اصلاح :- الا المودۃ فی القربیٰ میں اہل سُنت نے استثنیٰ منقطع بیان کیا ہے مستثنیٰ منقطع وہ ہوتا ہے جو مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اجرت مستثنیٰ منہ ہے اور مودۃ مستثنیٰ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے مودۃ فی القربیٰ اجرت کا ہم جنس نہیں ہے۔ کیونکہ اجر شے کا وہ چیز ہوتی ہے جو اسی شے کی وجہ سے ثابت ہو۔ اور مودۃ فی القربیٰ میں محبت بوجہ قرابت کے ثابت ہوتی ہے تبلیغ و تعلیم رسالت کی وجہ سے نہیں۔ لہذا اس کو اجرت رسالت کہنا باطل ہو گا۔

استثنائے منقطع کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں مثلاً

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا۔

جَزَاءً وِّفَاقًا۔

اس آیت میں گرم پانی اور پیپ مستثنیٰ ہیں اور ٹھنڈک اور پینے کی چیز مستثنیٰ منہ اور یہ دونوں ہم جنس نہیں ہیں۔

(۲) اہل سنت کی تفسیر میں انبیاء کا غیروں سے ڈرنا لازم آتا ہے جبھی تو نبی کریمؐ نے الا المودۃ فی القربیٰ کا مطالبہ کیا ہے۔

اصلاح :- آیت میں انبیاء کے ڈرنے کا ذکر تک نہیں۔ بلکہ یہ کہا جا رہا ہے کہ میں تمہارا قرابتدار ہوں۔ اور اقارب کی ایذا کو تم بھی جائز نہیں سمجھتے لہذا قرابتداری کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اپنے مسلمہ اور متداول اصول کا پاس کرتے ہوئے میری ایذا کے درپے مت ہو۔ اپنی برادری میں کیا منہ

دکھاؤ گے۔ کیونکہ تمہارے معاشرے میں قرابت کا بڑا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

(۳) اہل السنت کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کو اللہ تعالیٰ کئے وعدوں پر اعتماد جبکہ اللہ نے جابجا نصرت کے وعدے کئے ہیں پھر بھی آپ نے الا المودۃ فی القربیٰ کی درخوست کر ہی دی۔

اصلاح :- قریش کو قرابت داری کے لحاظ کا اصول یاد دلانا ان سے ڈرنے کی دلیل کیونکر بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کو روزی دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو جو لوگ روزی کی تلاش میں تجارت۔ زراعت۔ ملازمت وغیرہ کرتے ہیں۔ انہیں اللہ کے وعدے پر اعتماد نہیں کیا؟ وعدہ پورا کرنا اللہ کا کام ہے مگر اس دار الاسباب میں سبب کا اختیار کرنا بندے کا فرض ہے۔

(۴) نبی کریمؐ کا خود غرض ہونا لازم آتا ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کی درخواست تو کرتا ہے اہل وعیال کی پرواہ نہیں۔

اصلاح :- الا المودۃ فی القربیٰ سے یہ مفہوم کیونکر ظاہر ہوا کہ مجھے کچھ نہ کہو میرے اہل وعیال کو بے شک قتل کر دو۔ جب قریش کو قرابت کے لحاظ سے یاد دلائی تو کیا ان قریش کی قرابت صرف حضورؐ کی ذات سے تھی آپ کے خاندان کے دوسرے افراد سے ان کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ جس جذبے کی یاد دہانی کرا رہے ہیں اس کی لپیٹ میں صرف حضورؐ کی ذات نہیں آتی سارے اہلِ قرابت آتے ہیں پھر قریش میں یہ وصف تھا کہ بچوں کو ایذا نہ دیتے تھے پھر انہیں عداوت تو نبی کریمؐ سے تھی۔ کہ انہیں کفر سے ہٹا کر اسلام کی طرف لانے کی کوشش فرما رہے تھے۔

(۵) اہل السنت کی تفسیر خلاف عقل ہے کیونکہ خطاب کفار کو ہے کہ تمہارے مذہب کی بیخ کنی کرتا ہوں مگر تم مجھ سے دوستی کرو اور ایذا نہ دو، بلکہ میری حفاظت کرو بھلا یہ تفسیر کب موافق عقل ہے۔

اصلاح :- اگر واقعہ کی تعبیر یہی ہے تو یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ میں تمہارے مذہب کی بیخ کنی کرتا ہوں۔ تم میرے گھر والوں سے محبت کرو حقیقت

یہ ہے کہ یہ بات خلاف عقل نہیں بشرطیکہ عقل موجود ہو۔ اصل بات دشمنی کی نہیں۔ بلکہ دوستی اور خیر خواہی کی ہے کہ میں تمہیں آگ سے بچاتا ہوں میں تمہیں ذلت سے نکالنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے خالق سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے اپنے بدخواہ اور اپنے دشمن نہ ہو کم سے کم جس شرافت کا اظہار تمہاری طرف سے ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ میری راہ نہ روکو اور اپنے بھائیوں کو جہنم کا ایندھن بننے پر مجبور نہ کرو۔

خلاصة المباحث

اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی کی تعبیر میں تین مذہب ہیں۔

اوّل:۔ صحیح و مختار مذہب جو قرآن و حدیث صحیح سے ثابت ہے جسے ابن عباس سے بخاری، مسلم اور ترمذی نے بیان کیا۔ روح المعانی میں اس کا بیان اس طرح ہے۔

هذا فی الصحیحین عن ابن عباس بل جاء عنهؓ فی روایات کثیرة وظاهرها ان الخطاب لقریش منها ما اخرجه سعد ابن منصور وابن سعد وعبد بن حمید والحاکم وصححهٗ وابن مردویه والبیهقی فی الدلائل عن الشعبی قال اکثر الناس علینا فی هذه الآیة قل لا اسئلکم فکتبنا الی ابن عباس فسأله الخ۔

یہی مذہب بخاری مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے بلکہ ابن عباس سے کثیر روایات میں آچکا ہے اور ظاہر آیت یہ ہے کہ لا اسئلکم خطاب قریش کو ہے ان کثیر حدیثوں میں پہلی وہ حدیث ہے جس کو سعد بن منصور نے، ابن سعد، عبد بن حمید نے اور حاکم نے اور صحیح قرار دیا حاکم نے، اور ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں امام شعبی نے بیان کیا۔ کہ امام شعبی نے کہا کہ لوگوں نے آیت کے متعلق ہم سے سوال کئے ہم نے ابن عباس کو لکھا انہوں نے جواب دیا جو صحیحین وغیرہ میں بیان ہوا۔

جمہور علماء کا یہی مذہب مختار ہے اور حق جمہور کے ساتھ ہوتا ہے۔

دوم :- جو کلبی سے منقول ہے۔ کلبی خود شیعہ ہے اور اس کے مذہب کی بنیاد مجروح، ضعیف اور موضوع روایات پر ہے۔ کلبی نے قربیٰ سے مراد آل محمد لی ہے۔

روح المعانی میں اس پر اظہار خیال کیا ہے۔

وقیل فی ھذا المعنی انه لا یناسب شان النبوۃ لما فیه من تهمة فان اکثر طلبة الدنیا یفعلون شیئا ویسئلون علیه ما یکون فیه نفعا لاولادهم وقراباتهم

یہ مذہب اور آیت کے یہ معنی لینا شان نبوت کے منافی ہے یہ نبوت پر تہمت ہے اکثر طالب دنیا جب کوئی کام کرتے ہیں تو اس کی اجرت میں ایسی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس سے ان کی اولاد اقرباء کو فائدہ پہنچے۔

اس مذہب کی بنیاد اس روایت پر ہے جس کو علامہ ابن جریر نے ابن الدیلم سے نقل کیا جسے امام زین العابدین سے بیان کیا۔ اور دوسری روایت وہ ہے۔

خرج ابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویه عن ابن عباس قیل یا رسول الله من قرابتك هؤلاء قال علی و فاطمه وابناهما.

...... پوچھا گیا یہ آپ کے قربیٰ کون ہیں فرمایا علی، فاطمہ اور ان کے دو بیٹے۔

تفسیر مظہری میں اس کے متعلق لکھا ہے۔

(۱) ان ھذا الحدیث غیر صحیح فی اسنادہ حسین الاشقر شیعی غلیظ وھذہ الایة مکیة ولم یکن لفاطمة رض حینئذ ولد۔

یہ حدیث صحیح نہیں اس کی سند میں حسین الاشقر غلیظ رافضی ہے اور آیت مکی ہے اس وقت حضرت فاطمہؓ کی اولاد کوئی نہیں تھی۔ (جب شادی نہیں ہوئی تھی تو اولاد کا کیا سوال؟)

یعنی اس مذہب کی بنیاد ہی مجروح، ضعیف اور موضوع روایات پر ہے۔

لہذا یہ مذہب قابل اعتبار نہیں۔

حسین الاشقر کوفی کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے۔

(۲) قال ابو ذرعه منکر الحدیث وقال ابو حاتم لیس بالقوی وقال الجوزجانی شتان للمغیرة وقال ابو معمر کذاب۔

ابو ذرعہ محدث کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ محدث ابو حاتم کہتے ہیں قوی نہیں الجوزجانی کہتے ہیں غالی شیعہ ہے حضرت مغیرہ صحابیٔ رسول کو گالیاں دیتا تھا۔ محدث ابو معمر کہتے ہیں کذاب یعنی چوٹی کا جھوٹا ہے۔

(۳) اور تنزیہ الشریعت ۱ : ۵۲ پر کذاب لکھا ہے۔

(۴) حسین ابن عبد اللہ الاشقر القمی من غلاة الروافض وذکره ابن النجاشی فی مصنفی الشیعة

حسین ابن عبد اللہ الاشعری قمی غالی شیعہ تھا اور کتب شیعہ کا مصنف تھا ابن النجاشی نے ذکر کیا ہے۔

— لسان المیزان :—

الحسین ابن احمد بن عامر الاشعری ذکره علی بن الحکم فی شیوخ الشیعة وکان من شیوخ ابی جعفر الکلینی صاحب کتاب الکافی۔

دوسرا حسین ابن احمد بن عامر اشعری ہے اسے علماء ابن الحکم نے شیعہ کا شیخ عالم لکھا ہے اور لکھا ہے کہ الکافی کے مصنف ابو جعفر کلینی کا یہ استاد تھا۔

(لسان المیزان)

نوٹ :۔ اس سلسلے میں اہل السنت کی کتب سے اس کا ثبوت اس لئے پیش کیا ہے کہ استدلال میں مقابلہ کے لیے اصول یہ ہے کہ الزام مقابل کی کتب سے دیا جاتا ہے مگر رفع الزام اپنی کتب سے کیا جاتا ہے۔

میرے کتب خانہ میں قرآن کریم کی (۵۶) تفسیریں موجود ہیں۔ تمام مفسرین نے اوّل یہی قول نقل کیا ہے جو صحیح اور مختار ہے جس کی تفسیر اکثر صحیح روایات میں آچکی ہے شیعہ نے قلیل روایات وہ بھی مجروح، ضعیف و

موضوع پر مذہب کی بنیاد رکھی ہے راوی بھی غالی رافضی ہیں حسین اشقر اور حسین اشعری کے متعلق فہرست طوسی نجاشی و رجال مامقانی میں اس کے غالی رافضی ہونا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اس آیت سے تیسرا مذہب تقرب باری تعالیٰ مراد لیا گیا ہے جو اللہ کی اطاعت عبادت اور اعمال صالح سے حاصل ہوتا ہے۔

مگر صحیح اور مختار مذہب وہی پہلا ہے اور اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے اور یہی مذہب حق ہے۔

کتب شیعہ

نمبر شمار	نام کتب	
۱	حملۂ حیدری	علامہ باذل ایرانی
۲	حیات القلوب	ملّا باقر مجلسی
۳	تفسیر منہج الصادقین	فتح اللہ کاشانی
۴	معانی الاخبار	شیخ صدوق
۵	عیون اخبار الرضا	شیخ صدوق
۶	فروع کافی	علّامہ کلینی
۷	فصل الخطاب	علّامہ نوری
۸	روضۂ کافی	علّامہ کلینی
۹	تفسیر صافی	حسین بن کاشی
۱۰	مناقب شہر بن آشوب	شہر بن آشوب
۱۱	اصول کافی	علّامہ کلینی
۱۲	مجمع البحرین و مطلع النیرین	
۱۳	استبصار	ابوجعفر طوسی
۱۴	الصافی شرح اصول کافی	خلیل قزوینی
۱۵	معانی الاخبار	شیخ صدوق
۱۶	درۃ النجفیہ شرح نہج البلاغہ	شیخ عبداللہ
۱۷	فلک النجاۃ	حکیم علی محمد۔ شرح از حکیم امیر الدین
۱۸	المیزان فی تفسیر القرآن	محمد حسین طباطبائی
۱۹	انوار نعمانیہ	سید نعمت اللہ محدث الجزائری
۲۰	مناقب آل ابی طالب	شہر بن آشوب

نمبر شمار	نام کتب	
۲۱	شرح نہج البلاغہ	علاّمہ میثم بحرانی
۲۲	تفسیر مجمع البیان	علی طبرسی
۲۳	تفسیر قمی	شیخ عباس قمی
۲۴	منتہی آلامال	شیخ عباس قمی
۲۵	خصال	شیخ صدوق
۲۶	کشف الغمہ	علی بن عیسیٰ اردبیلی
۲۷	تتمہ المنتہی	شیخ عباس قمی
۲۸	تنقیح المقال	علامہ عبداللہ مامقانی
۲۹	الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ	سید ابوالقاسم
۳۰	نقد الرجال	علاّمہ آقا میر مصطفےٰ
۳۱	طراز المذہب مظفری	عباس قلی خان
۳۲	تہذیب الاحکام	ابوجعفر طوسی
۳۳	مجالس المؤمنین	نوراللہ شوستری
۳۴	شرائع الاسلام	علاّمہ حلّی
۳۵	مسالک الافہام	شیخ زین الدین شہید ثانی
۳۶	تفسیر کنز العرفان	شیخ مقداد
۳۷	معالم الدین فی الاصول	علاّمہ جلال الدین ابی منصور شہید ثانی
۳۸	فرائد الاصول	شیخ مرتضیٰ
۳۹	کشف الحجہ لثمرہ المھجہ	ابن طاؤس
۴۰	فتوح شام	واقدی
۴۱	فرق الشیعہ	علامہ نوبختی
۴۲	احتجاج طبرسی	علی

نمبر شمار	نام کتب	
۴۳	تفسیر امام حسن عسکری	
۴۴	رسائل	شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ
۴۵	تشید المبانی	سلطان العلماء سید محمد
۴۶	امالی	شیخ ابو جعفر طوسی

کتب اہل السُنت والجماعت

نمبر شمار	نام کتب	
۱	فیض الباری شرح بخاری	علامہ انور شاہ کاشمیری
۲	اغاثۃ اللھفان	علامہ ابن القیم
۳	تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر
۴	در منثور	علامہ سیوطی
۵	ترمذی	
۶	منہاج السنۃ	علامہ ابن تیمیہ
۷	تفسیر قرطبی	علامہ قرطبی
۸	تفسیر کبیر	امام رازی
۹	تفسیر روح المعانی	سید محمود آلوسی
۱۰	تفسیر اتقان	علامہ سیوطی
۱۱	سنن الکبریٰ	بیہقی
۱۲	کشاف	علامہ زمخشری
۱۳	مشکوٰۃ شریف	
۱۴	البدایہ والنہایہ	حافظ عماد الدین ابن کثیر
۱۵	روض الانف	علامہ سہیلی

نمبر شمار	نام کتب	
۱۶	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
۱۷	تفسیر جمل	
۱۸	سیرۃ حلبیہ	
۱۹	الحاوی للفتاویٰ	علامہ سیوطی